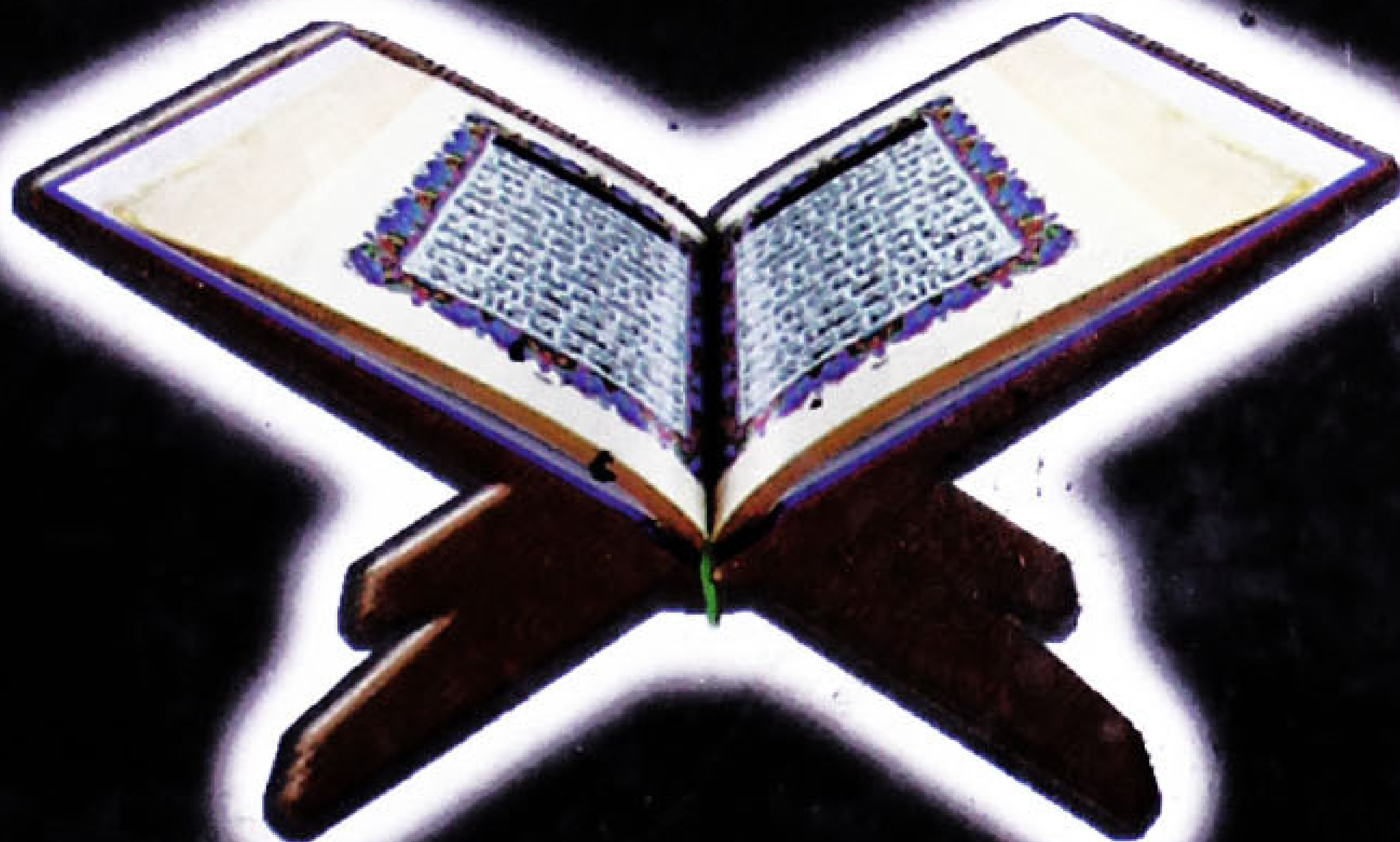
تسخیر کائنات کا راز

18019



سید عبدالخالق خوارزمی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور۔کراچی پاکستان

تسخیرِ کائنات کا راز

مصنف

سید عبدالخالق خوارزمی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور ۔ کراچی پاکستان

نام کتاب	۔	تسخیر کائنات کا راز
مصنف	۔	سید عبدالخالق خوارزمی
تاریخ اشاعت	۔	۱۱ اکتوبر 2004ء
تعداد	۔	ایک ہزار
ناشر	۔	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپیوٹر کوڈ		1Z447
قیمت		R150 00

84951

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔فون:7221953 فیکس:۔042-7238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون:7225085-7247350

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:021-2212011-2630411۔ فیکس:۔021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

فہرست مضامین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد للّٰہ الذی ھدٰنا و جعلنا مسلمین

اللّٰھم صل علی محمدٍ و علی

آلہ و صحبہٖ وسلم

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

میں (انسان) کون ہوں؟ مجھے بنانے والا کون ہے؟ مجھے کب اور کیوں بنایا گیا؟ مجھے کیسے بنایا گیا میں شروع سے ہی ایسا تھا یا بعد میں حادثات زمانہ نے مجھے ایسا بنا دیا؟ مجھے بنانے کے بعد میرا نام کس نے رکھا؟ میرے زوج کو کس نے اور کیسے بنایا میرے زوج کو اور مجھے کس مقصد کیلئے بنایا گیا؟ میری تخلیق سے پہلے کون کون سی بڑی مخلوقات اس کائنات میں موجود تھیں؟ زمین کو کب اور کیسے بنایا گیا؟ کیا زمین کا کوئی بنانے والا ہے یا یہ محض حادثات کا نتیجہ ہے؟ زمین میں موجود نباتات۔ جمادات اور حیوانات کا خالق کون ہے یا یہ بھی حوادث زمانہ سے وجود میں آ گئیں ہیں؟ چاند سورج۔ ستارے سیارے اور کہکشائیں کیسے وجود میں آ گئیں ہیں کیا ان کا بھی کوئی خالق ہے یا یہ بھی حادثات کی پیداوار ہیں؟ انسان زمین پر کیسے آیا اور کب آیا؟ انسان کو زمین پر کیا کیا مشکلات پیش آئیں اور اس نے ان پر کیسے قابو پایا؟ انسان کا دشمن کون ہے اور اس نے انسان کو کس کس طرح نقصان پہنچایا؟ انسان نے اپنے دشمن پر کس طرح قابو پایا اور اسے شکست فاش دی؟ انسان نے اپنی نسل کی افزائش کس طرح کی اور ترقی کی منازل کو کس طرح طے کیا؟

انسان کیا پیدائش (تخلیق) کے وقت ترقی یافتہ اور مہذب تھا یا جاہل اور گوار تھا؟ کیا انسان کے مقابلے میں کوئی اور مخلوق انسان سے زیادہ مہذب اور ترقی یافتہ تھی؟ انسان کا درجہ دوسری مخلوقات کے مقابلے میں کیا تھا؟ زمین پر آنے کے وقت انسان کی کیا حالت تھی؟ وہ زمین پر آنے کے بعد دوبارہ کس طرح مہذب اور ترقی یافتہ بن گیا؟ انسان نے زمین پر جو قابل تعریف کارنامے انجام دیئے ان کے پیچھے کونسی طاقت مصروف کار تھی۔ ان سے جو قابل مذمت کام سرزد ہوئے وہ کیوں اور کیسے ہوئے؟ کیا آج کا انسان واقعی مہذب اور ترقی یافتہ ہے؟ کیا آج کا انسان مزید ترقی یافتہ اور مہذب ہو رہا ہے یا وہ زوال اور انحطاط کا شکار ہے؟ کیا انسان مزید ترقی کر کے اور مہذب ہو سکتا ہے؟ کیا انسان جس

زوال اور انحطاط کا شکار ہے وہ اس سے نجات پا سکتا ہے؟ انسان کے زوال اور انحطاط کا سبب کیا ہے؟ یہ اربوں انسان، انسان کو کیوں پریشان کر رہے ہیں؟ انسان ہر دوسرے انسان سے کیوں خوف زدہ ہے؟

یہ اربوں انسان انسان کی مدد کیوں نہ کر رہے ہیں؟ یہ اربوں انسان مادی وسائل رکھنے کے باوجود کیوں پریشان اور خوف زدہ ہیں؟ انسان اپنے حال اور مستقبل سے کیوں خوف زدہ ہے؟ انسان کیوں اپنے ماضی کی طرف لوٹ جانا چاہتا ہے؟ انسان کو اپنا ماضی کیوں شدت سے یاد آ رہا ہے؟ حالانکہ مادی طور پر وہ پہلے سے کہیں زیادہ خوش حال ہے؟ انسان کیوں خوش اور مطمئن نہ ہے؟ کیا انسان کبھی خوش اور مطمئن نہ ہو سکے گا؟ کیا انسان خوش اور مطمئن ہو سکتا ہے اور اگر ہو سکتا ہے تو کیسے؟ کیا کسی زمانے کا انسان کبھی خوش اور مطمئن رہا ہے؟ کیا کسی زمانے کا انسان کبھی خوش اور مطمئن بھی ہوا ہے اور اگر ہوا ہے تو ان کی خوشی اور اطمینان کا کیا راز تھا؟ کیا انسان اس زمانے کو واپس نہ لا سکتا ہے یا خود اس زمانے میں واپس نہ جا سکتا ہے؟ کیا انسان کے پاس کوئی ایسے وسائل موجود ہیں جو اس زمانے کو دوبارہ واپس لے آئیں یا اسے اس زمانے میں واپس لے جائیں اور اگر ہیں تو وہ کون سے وسائل ہیں۔ اور انسان انہیں کس طرح بہتر انداز میں استعمال کر سکتا ہے؟

کیا اس دنیا میں انسان کا کوئی دشمن نہ ہے اور اگر انسان کے دشمن اس دنیا میں کثیر تعداد میں موجود ہیں تو انسان ان سے کیسے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے؟ انسان اپنے دشمنوں کو کیسے شکست فاش دیکر اپنے آپ کو محفوظ کر سکتا ہے؟ دنیا میں فساد اور بدامنی کون پھیلا رہا ہے اور اس فساد اور بدامنی کو کیسے روک کر دنیا کو ایک امن کا گہوارہ بنایا جا سکتا ہے؟ کیا انسان نے ہمیشہ کیلئے اس دنیا میں رہنا ہے یا اسے کسی اور دنیا میں بھی جانا ہے؟ اگر انسان نے کسی اور دنیا میں جانا ہے تو وہ دنیا کہاں ہے اور انسان وہاں کب اور کیسے جائے گا؟ وہ دنیا کیسی ہے اور انسان اس دنیا میں کب تک اور کیسے رہے گا؟ انسان اس دنیا میں رہتے ہوئے آسمان پر کہاں کہاں تک جا سکتا ہے اور وہاں سے کیا کچھ حاصل کر سکتا ہے؟ آسمان کیا ہے اور آسمان

پر کیسی کیسی دنیائیں آباد ہیں؟ کیا انسان موت سے پہلے پہلے زندہ سلامت ان دنیاؤں میں جا کر آباد ہو سکتا ہے؟

انسان کیوں مرتا ہے اور وہ مرنے کے بعد کہاں چلا جاتا ہے؟ کیا انسان کبھی موت سے نجات پا سکے گا؟ کیا دنیا کا کوئی انسان مرنے سے بچ سکے گا؟ کیا مرنے کے بعد انسان کبھی زندہ نہ ہوگا؟ اور اگر زندہ ہوگا تو کس کے سامنے پیش ہوگا؟ کیا انسان سے اس کی دنیاوی زندگی کے بارے میں کوئی باز پرس کرنے والا ہوگا اور ہوگا تو وہ کون ہوگا؟ کیا وہاں اچھے اور برے انسان سب برابر ہوں گے یا اچھے اور برے انسانوں میں امتیاز ہوگا؟ کیا وہاں اچھے اور برے انسان اس دنیا کی طرح ایک ہی جگہ رہ سکیں گے یا ان کے رہنے کیلئے مختلف دنیائیں ہوں گی؟ کیا یہ سب دنیائیں ایک ہی طرح کی ہوں گی یا ان میں کوئی فرق ہوگا؟ کیا تمام انسان اپنی دنیاؤں میں خوش ہوں گے یا صرف ایک دنیا میں رہنے والے خوش ہوں گے؟ کیا انسان کو وہاں کبھی موت آئے گی یا انسان کو وہاں ہمیشہ کیلئے ہی زندہ رہنا ہوگا؟ کیا انسان وہاں تکلیف اور اذیت والی زندگی گذار سکے گا؟ انسان کو اس تکلیف دہ اور اذیت والی زندگی سے بچنے کیلئے دنیاوی زندگی میں کیا کچھ کرنا ہوگا؟

کیا یہ زمین کبھی تباہ نہ ہوگی اور اگر یہ زمین تباہ ہوگئی تو انسان کہاں جائے گا؟ کیا انسان خود ہی اس زمین کو تباہ کرنے کے منصوبے نہ بنا رہا ہے؟ کیا انسان خود ہی انسان کو ہلاک نہ کر رہا ہے؟ کیا انسان کم از کم اپنے ہاتھوں سے تو اس زمین کو تباہ ہونے سے بچا سکتا ہے؟ کیا انسان اپنے ہاتھوں سے انسان کو ہلاک ہونے سے نہیں بچا سکتا؟ انسان اپنی زمین کو اپنے ہاتھوں سے تباہ ہونے سے کیسے بچا سکتا ہے اور انسان انسان کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک ہونے سے کیسے بچا سکتا ہے؟ کیا انسان اس دنیا کو امن کا گہوارہ نہ بنا سکتا ہے اور اگر بنا سکتا ہے تو وہ کیسے؟ کیا انسان اس دنیا میں حقیقی خوشی اور خوش حالی حاصل کر سکتا ہے اور اگر کر سکتا ہے تو کیسے؟ کیا انسان اپنے مسائل کو حل کر سکتا ہے اور اگر کر سکتا ہے تو کیسے؟ کیا انسان نئے مسائل پیدا کرنے سے بچ سکتا ہے تو کیسے؟ کیا انسان، انسان بن سکتا ہے تو وہ کیسے؟ اور کیا

انسان انسان کامل بن سکتا ہے تو وہ کیسے؟ کیا کسی زمانے میں انسان کامل ہوئے ہیں اگر ہوئے ہیں تو وہ کون مبارک اور متبرک انسان ہیں؟ وہ کیسے انسانِ کامل بنے؟ انہوں نے کس طرح انسان کو انسان کامل بنایا اور ان انسانوں نے کس طرح دنیا کو امن کا گہوارہ بنایا؟ کیا وہ نسخہء کیمیا اس وقت دنیا میں موجود نہ ہے اور اگر ہے تو انسان اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھا رہا ہے؟ انسان اس نسخہء کیمیا سے کس طرح فائدہ اٹھا سکتا ہے؟ انسان کس طرح خود بھی مامون ہو سکتا ہے اور دنیا کو بھی امن کا گہوارہ بنا سکتا ہے۔ انسان کس طرح خود بھی خوش اور خوش حال ہو سکتا ہے اور دوسرے انسانوں کو بھی حقیقی خوشی اور خوشی حالی دے سکتا ہے۔ انسان کس طرح اپنی پریشانی اور خوف سے نجات پا سکتا ہے اور دوسرے انسانوں کو بھی ان کی پریشانیوں اور الجھنوں سے آزاد کرا سکتا ہے انسان کس طرح زمین پر حکمرانی کرنے کے بعد آسمان پر بھی حکمرانی حاصل کر سکتا ہے؟

میں ایک پڑھا لکھا، گناہ گار اور دنیا دار انسان ہوں۔ میں نہ مصنف ہوں نہ مقرر۔ میرا تعلق ایک دیندار گھرانے سے ہے۔ میں اللہ عزوجل کے فضل و کرم سے مسلمان ہونے کا دعوے دار ہوں۔ میں ایک بہت بڑے اسلامی ملک پاکستان کا ایک معزز شہری ہوں۔ میں نے اپنے آپ کو ایک اچھا انسان، ایک اچھا مسلمان اور ایک اچھا شہری بنانے کی مقدور بھر کوشش بھی کی ہے مگر بدقسمتی سے ابھی تک نہ میں ایک اچھا انسان، نہ ایک اچھا مسلمان اور نہ ہی ایک اچھا پاکستانی بن سکا ہوں۔ اس ناکامی میں میری اپنی بے شمار کمزوریوں اور کوتاہیوں کا ہاتھ ہے لیکن اس کے علاوہ وہ ناسازگار ماحول بھی ہے جو مجھے ورثے میں ملا ہے اور جس کو ناسازگار رہنانے میں میرا اپنا بھی کردار ہے۔ میں تقریباً پینتالیس سال کا ہو چکا ہوں اور اگر اب بھی میری یہی حالت ہے تو پھر آگے چل کر میں کیا کر سکوں گا جب مجھ میں نہ کچھ سوچنے اور نہ کچھ کرنے کی ہمت اور طاقت ہوگی۔ اور ان لاکھوں بچوں کا کیا بنے گا جنہیں یہ ناسازگار ماحول وراثت میں ملے گا؟ لہٰذا میں نے محض اپنی اصلاح کیلئے اور اپنے بچوں کی بہتر تعلیم و تربیت کیلئے اور اپنی طرف سے ماحول کو زیادہ ناسازگار بننے سے

روکنے کیلئے تحریر کا یہ سلسلہ شروع کیا ہے اور اسے شائع اس لئے کر رہا ہوں تا کہ میرے بھائی اس کارِ خیر میں اپنا اپنا حصہ ڈالنے کے بارے میں غور و خوض کر کے کوئی فیصلہ جلد کر سکیں تا کہ اس ناسازگار ماحول کو سازگار بنا دیا جائے اور ہم سب اور ہمارے بچے اچھے انسان، اچھے مسلمان اور اچھے پاکستانی بن جائیں۔ اگر ہم اس میں کامیاب ہو گئے تو ان شاء اللہ ہم دنیا بھر کے انسانوں کو اچھے انسان، اچھے مسلمان اور ایک اچھی قوم اور ملت بنانے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ اور اگر کبھی ایسا ہو گیا تو یہ دنیا امن کا گہوارہ بن کر دار السلام بن جائے گی اور انسان اس میں قیامت تک حقیقی خوش حال زندگی گزارنے کے قابل ہو جائے گا اور انسانیت کا دشمن ابلیس انسان کے ہاتھوں شکست کھا جائے گا۔ اور انسان اپنی موت کے بعد ایک ایسی دنیا میں منتقل ہو جائیگا جس کا نام ہی جنت ہے۔

تسخیر کائنات کا راز۔ اتحاد بین المسلمین کا راز۔ اسوۂ حسنہ ﷺ اہمیت اور افادیت۔ اسلامی نظام معیشت (ایک جائزہ) اور حیوان ناطق، اللہ کے فضل و کرم سے مکمل ہو چکی ہیں۔ الکتاب پر کام شروع ہے جس کو مکمل ہونے میں ایک عمر درکار ہے۔ اگر زندگی نے وفا کی تو ان شاء اللہ یہ بھی مکمل ہو جائیگی۔ انسان کو خوش و خرم، پر امن اور پر سکون دیکھنا۔ ہر گھر، خاندان، محلے، شہر اور ملک کو خوش اور خوش حال دیکھنا میری زندگی کا ایک سہانا خواب ہے۔ معلوم نہیں میں اس خواب کو شرمندہ تعبیر ہوتے دیکھ سکوں گا یا نہیں لیکن میری یہ شدید خواہش ہے کہ انسانیت قیامت سے پہلے پہلے اس خواب کو حقیقت کے روپ میں ضرور دیکھ لے اگر کسی ایک انسان بھی اس خواب کو حقیقت کے روپ میں دیکھ لیا تو میں سمجھ لونگا کہ میری کوشش رائیگاں نہ گئی ہے اور اگر کوئی انسان بھی اس خواب کو حقیقت کے روپ میں نہ دیکھ سکا تو اس سہانے خواب کی بدولت ہی مجھے یقینِ کامل ہے کہ اللہ اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کے صدقے میری خطاؤں سے درگزر فرما دیں گے اور اگر ایسا بھی ہو گیا تو میرے لئے یہ ایک بہت بڑی کامیابی ہو گی۔

پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ انبیاء کے سردار اور امام ہیں جن کی رسالت کی حقیقت

کے بارے میں مجھ جیسا گناہ گار اور ان پڑھ انسان کچھ نہ جان اور سمجھ سکتا ہے آپ ﷺ کی عبدیت کے بارے میں میں صرف اتنا جانتا ہوں۔ بعد از خدا بزرگ تو ہی ایں قصہ مختصر۔ لیکن بحیثیت انسانِ الکتاب اور تاریخ کے ذریعے صرف میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے تمام انسان جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نہ صرف انسانِ کامل تھے بلکہ آپ ﷺ نے انسانِ کامل کی ایک ایسی جماعت تیار کی جنہوں نے دنیا کو امن کا گہوارہ بنا دیا۔ میں اپنی گذارشات کا انتساب امن کے اس عظیم پیغمبر حضرت محمد ﷺ اور ان انسانِ کامل کی طرف کرنے کی جسارت کر رہا ہوں جنہوں نے نام نہاد انسان کو حقیقی انسان بنا دیا۔ اللہ سے دعا ہے کہ میری اس گستاخی کو معاف فرما دے چونکہ میری گذارشات اس قابل ہی نہیں کہ ان کا انتساب ایسی مبارک اور متبرک ہستی کی طرف کیا جا سکے۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ مجھے اور میرے بھائیوں کو کم از کم انسان تو بنا دے چونکہ مسلمان بننا تو بہت مشکل ہے اور اگر ہم انسان بن گئے تو پھر مسلمان بننا بھی آسان ہو جائیگا۔

دار الامن
چک عبد الخالق جہلم
حال: 412,E-2، واپڈا ٹاؤن، لاہور

احقر
سید عبد الخالق خوارزمی

سائنس اور ٹیکنالوجی کا فروغ اور ترقی

آج کا ترقی یافتہ انسان کائنات کو تسخیر کرنے کا عزم رکھتا ہے۔اس تسخیر سے ایک تو وہ یہ ثابت کرنے کا ارادہ رکھتا ہے کہ وہ واقعی اشرف المخلوقات ہے۔ دوسرے اس پر یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ زمین بڑی تیزی سے اپنے وسائل ختم کرکے تباہی کی طرف بڑھ رہی ہے۔اس طرح زمین پر انسان کا زیادہ مدت تک قیام اور زندہ رہنا ناممکن ہوتا جارہا ہے۔ انسان زندہ رہنا چاہتا ہے اور صرف زندہ ہی نہیں رہنا چاہتا بلکہ ایک خود مختار بادشاہت قائم کرنا چاہتا ہے۔انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے زندہ رہنے اور کائنات پر اپنی حکومت اور بادشاہت قائم کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔

انسان اپنے اس جائز حق اور مقام کو حاصل کرنے کیلئے دن رات مصروف عمل ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی اور فروغ نے اسے بہت حد تک اس جانب اطمینان دلایا ہے۔اور آج انسان اس کی بدولت چاند پر قدم رکھنے میں کامیاب ہوگیا ہے۔چاند پر انسان کی رسائی واقعی ایک اہم کامیابی ہے۔ یہ کامیابی سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کی بدولت حاصل ہوئی ہے۔زمین پر۔فضا میں۔خلا میں۔زمین کے اندر اور سمندر پر اور اس کے اندر اسی طرح انسان نے حیران کن کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔اس طرح انسان کو اب یقینِ کامل ہوگیا ہے کہ وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کو مزید فروغ دیکر اور ترقی یافتہ بنا کر ایک نہ ایک دن کائنات کو مسخر کرنے،اپنے آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے زندہ رکھنے اور کائنات پر اپنی حکمرانی قائم کرنے کے دیرینہ خواب کو ضرور شرمندہ تعبیر کرلے گا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان نے آج تک جو کامیابیاں حاصل کی ہیں کیا وہ سب کامیابیاں سائنس اور ٹیکنالوجی کی بدولت ہیں یا اس میں چند دوسرے امور اور محرکات بھی شامل ہیں؟ان کامیابیوں میں سائنس اور ٹیکنالوجی کا تناسب کیا ہے؟ کیا یہ کامیابیاں ایسی ہیں کہ ان کو کائنات کی تسخیر کا ایک اہم پیش خیمہ قرار دیا جاسکتا ہے؟ مزید برآں یہ جائزہ بھی لینا ہے کہ کیا تنہا سائنس اور ٹیکنالوجی اس مشن کو حاصل کرنے کے قابل ہے یا اس کے ساتھ

ساتھ دوسرے اموراور محرکات کو بھی بروئے کار لانا، فروغ دینا اور ترقی دینا ضروری ہے۔
اور اگر دوسرے اموراور محرکات کو بروئے کار لانا، فروغ دنیا اور ترقی دینا ضروری ہے تو ان اموراور محرکات کی نشاندہی، فروغ اور ترقی کس طرح ممکن ہے؟ اس کے علاوہ یہ بھی دیکھنا ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کو دوسرے اموراور محرکات سے کس طرح مربوط کیا جائے کہ مطلوبہ نتائج برآمد ہوسکیں اور انسان اپنے خوابوں کی تعبیر پا سکے۔

ان تمام امور کا منصفانہ اور عادلانہ جائزہ لینے کیلئے یہ ضروری ہے کہ ہم پہلے اس امر کا جائزہ لیں کہ آج تک انسان نے تسخیرِ کائنات کی جانب جو کامیابیاں حاصل کی ہیں ان میں سائنس اور ٹیکنالوجی کا کتنا حصہ ہے اور دوسرے اموراور محرکات کا کیا تناسب ہے؟ ہمیں یہ جائزہ بھی لینا ہے کہ ان حاصل کردہ کامیابیوں کو تسخیرِ کائنات کی جانب ایک اہم قدم قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں۔

تسخیر کائنات کی آرزو انسان کی ہے۔ انسان کیا ہے جسم اور روح کا ایک مجموعہ ہے۔
جسم کیا ہے چند مادوں کا مرکب ہے۔ روح کیا ہے انسان اسے آج تک جان نہ سکا ہے۔
انسان نے اپنے سائنسی علم سے ایک مبہم، فرضی اور ظن وتخمین پر مبنی تخلیقِ آدم کے بارے میں توضیع کی ہے جسے آج کا ترقی یافتہ انسان ماننے کو تیار نہیں۔ آج کا ترقی یافتہ انسان آج بھی تخلیقِ آدم کو اللہ کا ایک کرشمہ قرار دیتا ہے جس طرح آج سے ہزاروں سال پہلے قرار دیتا تھا۔

انسان نے اپنی افزائشِ نسل کے عمل کی سائنسی وضاحت ضرور کی ہے مگر اپنی افزائشِ نسل کیلئے آج تک قدرتی نظام کو ہی اس نے اپنائے رکھا۔ وہ صنفِ نازک کو اس تکلیف دہ صورت سے نکالنا چاہتا ہے لیکن افزائشِ نسل کی خاطر نہ تو صنفِ نازک خود ہی اس صورتحال سے نکلنا چاہتی ہے اور نہ ہی مرد اسے اس صورت حال سے نکالنے میں رضامند نظر آتا ہے۔
انسان بہت عقلمند ہے۔ وہ اپنی بقا چاہتا ہے بھلا وہ اس قدرتی نظام کو چھوڑ کر اپنی نسل کو کیسے ختم کرسکتا ہے۔

سائنس اور ٹیکنالوجی نے اسے روبوٹ تیار کر کے دیا ہے لیکن وہ روبوٹ کو اپنا وارث تسلیم نہیں کرتا اور نہ ہی اسے اعتماد ہے کہ روبوٹ اس کی جانشینی کا حق ادا کرنے کے قابل ہے۔ روبوٹ اسے بے حد پیارا اور عزیز ہے چونکہ اسے اس نے خود اپنے ہاتھوں سے تیار کیا ہے اور یہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا ایک قیمتی تحفہ ہے لیکن انسان اسے اپنی اولاد بنانے پر تیار اور آمادہ نہیں۔ وہ خوبصورت، قوی، ذہین وفطین روبوٹ کے مقابلے میں ایک بدصورت، کمزور و لاچار اور دیوانے بچے کو اپنا وارث اور جانشین بنانا پسند کرتا ہے۔ انسان ایسا کیوں کرتا ہے؟ وجہ صاف ظاہر ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی اس جانب اس کی کوئی خاطر خواہ حوصلہ افزائی نہ کر سکی ہے۔ اس طرح وہ چاروناچار اللہ کے افزائش نسل کے قدرتی نظام کو اختیار کئے ہوئے ہے۔

انسان پیدائش کے بعد عمر کے مختلف مدارج سے گزرتا ہے وہ پہلے بچہ ہوتا ہے۔ پھر لڑکپن کے دور سے گزرتا ہے۔ پھر جوان ہوتا ہے۔ اور عمر کے آخری حصہ میں بڑھاپے کی نظر ہو جاتا ہے۔ قدیم دور کا انسان عمر کے ان مدارج سے گزرتا رہا ہے اور آج کا ترقی یافتہ انسان بھی ان مدارج سے گزر رہا ہے اور آئندہ بھی انسان ان مدارج سے گزرنے کا پابند نظر آتا ہے۔ ترقی یافتہ انسان چاہتا تو ہے کہ انسان جوان پیدا ہو اور ہمیشہ جوان رہے اور کبھی بڑھاپا اس کے قریب نہ پھٹکے مگر وہ اپنی خواہش کو پورا نہیں کر سکتا چونکہ وہ قدرت کے ہاتھوں مجبور ہے اور سائنس اور ٹیکنالوجی بھی اس کی اس خواہش کو پورا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتی ہے۔

انسان کو جو جسم ملتا ہے۔ جو رنگ نصیب ہوتا ہے اور جو شکل وصورت عطا ہوتی ہے اسی کے ساتھ اسے تمام عمر گزارہ کرنا پڑتا ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو ناپسند کرنے کے باوجود پسند کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی اسے اپنے ناپسندیدہ جسم اور شکل و صورت سے نجات نہیں دلا سکتی۔

انسان کو جو آنکھ، کان اور دماغ ملتا ہے انہی سے وہ کام لیتا ہے اور اگر قدرت اسے

پیدائش کے وقت ان نعمتوں سے محروم کردے تو وہ تمام عمر ان سے محروم ہی رہتا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی پیدائشی اندھے کو نہ آنکھ دے سکتی ہے۔ نہ پیدائشی بہرے کو سماعت دے سکتی ہے۔ اور نہ ہی پیدائشی دیوانے کو عقل اور شعور عطا کرسکتی ہے۔ اس طرح انسان ان نعمتوں کیلئے اللہ ہی کے فضل اور مہربانی کا محتاج رہتا ہے۔

انسان جو خوراک استعمال کرتا ہے ان میں ہوا اور پانی نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ ہوا اور پانی زمین پر وافر مقدار میں موجود ہے۔ ہوا تو ہر جگہ موجود ہے جبکہ صاف پانی زمین میں کچھ جگہوں پر آسانی سے دستیاب نہیں۔ انسان اپنی سائنسی ترقی کے باوجود تمام انسانوں کو صاف پانی مہیا کرنے سے قاصر رہا ہے۔ جہاں تک مصنوعی پانی اور ہوا تیار کرنے کا تعلق ہے تو لیبارٹری میں محدود پیمانے پر انسان ایسا کرسکا ہے لیکن اربوں انسانوں اور جانوروں کیلئے وہ مصنوعی پانی اور ہوا تیار کرنے میں بالکل ناکام ہوچکا ہے۔ اس طرح دنیا میں موجود تمام انسان اور جاندار قدرتی ہوا اور پانی کی وجہ سے زندہ ہیں اور اگر کسی وقت قدرت ان نعمتوں سے انسان کو محروم کردے تو آنِ واحد میں تمام انسان اور جاندار ہلاک ہو جائیں گے۔

انسان اپنی خوراک زمین سے حاصل کرتا ہے۔ زمین میں خوراک پیدا کرنے کی صلاحیت اللہ نے رکھی ہے۔ اگر اللہ زمین کی یہ صلاحیت ختم کردے تو کیا انسان اپنی سائنس اور ٹیکنالوجی کی مدد سے زمین کے اندر یہ صلاحیت پیدا کرسکتا ہے اور وہ کتنے انسانوں کو خوراک فراہم کرسکتا ہے؟ کیا وہ اربوں انسانوں اور کھربوں جانوروں کو خوراک دے سکتا ہے؟ انسان ایسا نہیں کرسکتا۔ کیا انسان مصنوعی خوراک تیار کرکے انسانوں اور جانوروں کو زندہ رکھ سکتا ہے؟ انسان ایسا بھی نہیں کرسکتا۔

انسان مصنوعی خوراک پیدا کرنا تو درکنار قدرتی خوراک کو دنیا کے تمام انسانوں میں منصفانہ طور پر تقسیم کرنے میں ناکام ہوچکا ہے۔ انسان خوراک کو سمندر میں پھینک کر ضائع کردیتا ہے تاکہ خوراک کے بھاؤ سستے نہ ہو جائیں اور اسے مالی نقصان برداشت نہ کرنا

پڑے چاہے لاکھوں انسان بے شک خوراک نہ ملنے کیوجہ سے ہلاک ہو جائیں۔ انسان بے پناہ سائنسی ترقی کے باوجود خوراک کے عالمی مسئلہ کو حل نہ کر سکا ہے۔ حالانکہ خوراک کی دنیا میں کوئی کمی نہیں بلکہ دنیا میں موجود تمام انسانوں کو خوراک دینے کے بعد بھی فاضل مقدار میں موجود ہے۔

اس طرح انسان دنیا میں خوراک موجود ہونے کے باوجود خوراک نہ ملنے کی وجہ سے ہلاک ہو رہے ہیں۔ دوسری طرف جانور، پرندے، کیڑے مکوڑے اور آبی مخلوقات کھربوں کی تعداد میں موجود ہیں اور جن کے پاس کوئی سائنس اور ٹیکنالوجی نہیں وہ مسلسل خوراک حاصل کر رہے ہیں اور ان میں سے شاذ و نادر ہی کوئی خوراک نہ ملنے کی وجہ سے ہلاک ہوتا ہے۔

ایسا کیوں ہے کہ انسان خوراک رکھنے کے باوجود خوراک سے محروم ہے۔ ایسا صرف اس وجہ سے ہے کہ انسان خوراک کی پیداوار کو سائنس اور ٹیکنالوجی کا ثمرہ خیال کرتا ہے اور جو انسان اس شعبے میں پسماندہ ہیں یا جن کو جان بوجھ کر پسماندہ رکھا گیا ہے ان تک ان ثمرات کو پہنچانا انسان اپنی ذمے داری خیال نہ کرتا ہے بلکہ سمجھتا ہے کہ جو انسان پسماندہ ہیں انہیں سائنس اور ٹیکنالوجی کے ثمرات سے مستفید ہونے کا حق نہ ہے بلکہ ان کیلئے موت ہی بہتر ہے تاکہ انسان ایسے جاہل اور پسماندہ انسانوں سے نجات حاصل کر کے اپنی سائنسی ترقی کو تسخیرِ کائنات کی جانب زیادہ آزادی اور فخر سے استعمال کر سکے۔ لیکن انسان یہ بھول جاتا ہے کہ انسان کی تسخیر تسخیرِ کائنات کا ایک نہایت اہم حصہ ہے اور انسان دوسرے انسانوں کو ہلاک کر کے تسخیرِ کائنات کے خواب کو پورا نہیں کر سکتا بلکہ وہ انسانوں کو زندگی دے کر اور زندہ رکھ کر ہی اس جانب مزید پیش رفت کر سکتا ہے۔ اگر انسان اپنے انسان بھائیوں کو مسخر کرنے کے قابل نہیں تو وہ بھلا کائنات کو کیسے تسخیر کر لے گا۔ انسان اپنے انسان بھائیوں کو زندگی دیکر اور زندہ رکھ کر ہی ان کو مسخر کر سکتا ہے۔ اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ انسانوں کو ہلاک کر کے ان کو تسخیر کر لے گا تو یہ صرف اس کا ایک وہم ہے۔ اگر انسان انسان

کو تسخیر نہیں کرسکتا بلکہ ان کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے تو پھر وہ اپنے آپ کو اس زمین پر اشرف المخلوقات کہلانے کا حقدار نہیں رہتا اور اگر اسے اپنے بھائی اشرف المخلوقات نہیں سمجھتے بلکہ اپنا دشمن خیال کرتے ہیں تو پھر کائنات اسے کیونکر اشرف المخلوقات تسلیم کرنے پر رضامند ہو جائے گی۔ اور انسانیت کے قاتل اور دشمن کے سامنے مسخر ہو جائے گی۔ کائنات انسان کے سامنے اس طرح بے بس اور مجبور نہیں جس طرح کہ انسان انسان کے سامنے بے بس اور مجبور ہے۔ اگر انسان بے بس اور مجبور انسان کو ہلاک کرنے کے باوجود تسخیر نہ کرسکا ہے تو وہ کائنات کی تسخیر کیسے کرسکتا ہے؟

انسان کو تسخیر کیا جاسکتا ہے اگر انسان سائنس اور ٹیکنالوجی کے ساتھ ساتھ یہ نہ بھولے کہ وہ انسان ہے اور اس پر انسانیت کو زندہ رکھنے اور زندگی دینے کے چند بنیادی تقاضے ہیں جن کو وہ کبھی اور کسی حالت میں فراموش نہ کرسکتا ہے۔ اگر انسان ان انسانی تقاضوں کو پورا کرتا ہے تو وہ نہ صرف انسان کو تسخیر کرلے گا۔ بلکہ اس قابل بھی ہوسکتا ہے کہ کبھی اور کسی وقت کائنات کو بھی تسخیر کرلے۔

انسان کو تسخیر کرنے کیلئے اسے سائنس اور ٹیکنالوجی کے ثمرات سے تمام انسانوں کو مستفید کرنا ہوگا اور اس کو تمام دنیا میں فروغ دیکر ترقی دینا ہوگی۔ اگر انسان ایسا کرلیتا ہے تو پھر وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی مدد سے اپنا سفر جاری رکھ سکتا ہے۔ لیکن اگر انسان ایسا نہیں کرتا تو پھر انسان کبھی بھی انسانوں کو تسخیر نہ کرسکے گا۔ چاہے وہ دنیا کے تمام انسانوں کو ہلاک ہی کیوں نہ کردے اور اگر انسان انسانوں کو تسخیر کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا تو پھر وہ تسخیرِ کائنات کے قابل اور اہل ہی نہیں رہتا۔ اس طرح تسخیرِ کائنات اس کے لئے نہ صرف مشکل ہو جائے گا بلکہ ناممکنات میں سے ہو جائے گا۔

اب فیصلہ انسان نے خود کرنا ہے کہ کیا وہ تسخیرِ کائنات کا خواہشمند ہے۔ اگر ہے تو پھر اسے سب سے پہلے انسانوں کو تسخیر کرنا ہوگا۔ اگر وہ اس مشن میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر اسے تسخیرِ کائنات کی جانب اپنے سفر کا آغاز کرنا چاہیے لیکن اگر وہ اس مشن میں ہی ناکام ہو

جاتا ہے جیسا کہ وہ ہو چکا ہے تو پھر تسخیرِ کائنات کے عزم کو اسے اپنے خیال سے نکال دینا چاہیے اسی میں اس کا اپنا بھلا اور انسانیت کا بھلا ہے۔

انسان نے سائنس اور ٹیکنالوجی کے بے دریغ استعمال سے فضا، ماحول اور ہوا کو آلودہ کردیا ہے۔ اوزون کی تہہ نہ صرف کمزور ہوگئی ہے بلکہ اس میں شگاف پڑ گیا ہے۔ اور انسان اس شگاف کو بھرنے میں ناکام ہو چکا ہے۔ اس طرح انسان آج ماحول کی آلودگی کے مسئلہ سے دوچار ہو گیا ہے جو حل ہوتا نظر نہ آتا ہے اور اس مسئلہ کی وجہ سے زمین پر انسان اور جانداروں کی بقا خطرہ میں پڑ چکی ہے۔ کیمیائی فضلات اور تابکاری اثرات ماحول کو آلودہ کر رہے ہیں لیکن انسان ان کو کم کرنے کی بجائے ترقی کے زعم میں ان کو مزید ترقی اور فروغ دے رہا ہے۔ اس طرح وہ جان بوجھ کر اجتماعی خودکشی کی جانب گامزن ہے۔ قدیم انسان کم ازکم آلودگی سے پاک ماحول میں سانس تو لے سکتا تھا لیکن آج کے ترقی یافتہ انسان کو آج یہ نعمت بھی حاصل نہ ہے۔

اسی طرح انسان خالص خوراک اور صحتمند پانی سے بھی محروم ہو گیا ہے۔ کیا ان ناکامیوں کی موجودگی میں انسان کو کامیاب قرار دیا جاسکتا ہے اور ان ناکامیوں کی موجودگی میں کیا اسے تسخیرِ کائنات کا دعویٰ کرنا زیب دیتا ہے۔

انسان اپنی جسمانی قویٰ اوذہنی صلاحیتوں کیلئے بھی اللہ کا محتاج ہے اور سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی اس کی ممد اور معاون ثابت نہ ہوسکی ہے۔ اس طرح انسان اپنی تخلیق پیدائش، نشو ونما، افزائش نسل، خوراک، جسمانی قویٰ اور ذہنی صلاحیتوں کیلئے قدرت کے نظام کے سامنے مسخر نظر آتا ہے۔ اور جو انسان قدرت کا خود مسخر ہو وہ قدرت یا کائنات کو جو اللہ کے عجائبات کا مظہر ہے، کیسے تسخیر کرسکتا ہے۔ اگر سائنس اور ٹیکنالوجی اسے قدرتی نظام سے آزاد نہ کراسکی ہے تو وہ کائنات کو تسخیر کرنے میں اس کی کیا امداد کرسکتی ہے۔

انسان نے طب کے میدان میں بھی بے پناہ ترقی کی ہے مگر وہ بیماریوں پر قابو پانے میں ناکام ہو چکا ہے۔ آج بھی انسانوں کی اکثریت ان بیماریوں کی وجہ سے ہلاک ہو رہی

ہے۔ آلودہ ماحول، کثیف پانی اور ناخالص ہوا وغذا نت نئی بیماریوں سے انسان کو دوچار کر رہی ہے۔ آج بھی وہ انسان جو قدرتی ماحول میں زندگی گزار رہے ہیں وہ ان انسانوں کی نسبت زیادہ عمر پا رہے ہیں جو سائنس اور ٹیکنالوجی کی سہولت اور مراعات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ قدیم انسان ان سہولیات اور مراعات کے بغیر آج کے ترقی یافتہ انسان سے کئی گنا زیادہ زندگی گزار رہا ہے۔ مزید برآں جس طرح قدیم انسان موت کے آگے بے بس تھا اسی طرح آج کا انسان موت کے سامنے عاجز اور مجبور ہے۔ قدیم انسان وباؤں اور قدرتی آفات سے ہلاک ہوتا تھا۔ آج کا انسان بھی ان وباؤں اور آفات کا شکار ہے۔ قدیم انسان صرف وباؤں اور آفات۔ درندوں اور وحشی جانوروں سے خائف تھا لیکن آج کا انسان انسانوں سے زیادہ ڈرتا ہے۔ انسان نے ایک بے رحم وحشی درندے کا روپ دھار لیا ہے۔ سائنسی ترقی نے انسان کو انسان کم اور ایک بے حس مشین زیادہ بنا دیا ہے۔ اس مشین کی خوراک، پانی، ہوا اور غذا نہیں بلکہ انسان ہے۔ کیا یہ بے حس اور ظالم مشین تسخیر کائنات کی صلاحیت رکھتی ہے؟ کیا انسان نے جو تباہ کن ہتھیار بنائے ہیں اور جن کو مزید تباہ کن بنانے کیلئے وہ زمین کے وسائل بے جا ضائع کر رہا ہے انسان کو زندہ رکھنے کیلئے بنائے گئے ہیں یا یہ اس کی موت کا انتظام ہے۔ آج کا انسان انفرادی اور اجتماعی طور پر صرف انسان سے خائف ہے۔ انسانی خوف اور ڈر کے سامنے اب اس کے لئے وبائیں، قدرتی آفات اور وحشی درندے کوئی معنی نہ رکھتے ہیں۔ کیا یہ صورتحال افسوس ناک نہیں اور اگر یہ افسوسناک ہے تو کیا ایسا ظالم اور بے رحم انسان تسخیر کائنات کا فریضہ سرانجام دے سکتا ہے۔ تسخیر کائنات ایک انسان یا چند انسانوں کے بس کی بات نہیں بلکہ یہ اجتماعی انسانی کوشش سے ہی ممکن ہے اور اجتماعی انسانی کوشش تب ہی ممکن ہے جب انسان دوسرے انسان سے پیار کرے اور ایک دوسرے پر مر مٹنے کو تیار ہو۔ انسان کا پیار اسے ڈرا کر نہیں بلکہ خوش کر کے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ انسان کا پیار اسے ہلاک کر کے نہیں بلکہ قربانی دے کر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ایسا تبھی ممکن ہے اگر انسان ایک بے حس مشین بننے کی بجائے ایک

حساس اور فرض شناس انسان بنے۔ انسان یہ مقصد بڑی آسانی سے حاصل کر سکتا ہے اگر وہ انسان کو اپنے جیسا انسان سمجھے اور کائنات کو تسخیر کرنے میں ایک رکاوٹ خیال کرنے کی بجائے اسے اپنا رفیق اور رفیقِ کار سمجھے۔ وہ انسان کا دشمن بننے کی بجائے اسکا دوست بن جائے۔ وہ اس کا قاتل بننے کی بجائے اس کا مسیحا بن جائے۔ وہ اس کا استحصال کرنے کی بجائے اسکا غم خوار اور مددگار بن جائے۔ اگر انسان ایسا کرلے تو وہ دفاع پر خرچ ہونے والے وسائل کو انسان کی بھلائی پر خرچ کر کے تسخیرِ کائنات کی اولین منزل تسخیرِ انسان کو پا سکتا ہے۔ زمین سے انسان کا واسطہ زمانہ قدیم سے ہے۔ زمین کائنات کا ایک نہایت چھوٹا سا حصہ ہے۔ زمین نظام شمسی کا ایک اہم جزو ہے۔ زمین ایک قدرتی نظام کے تحت مصروفِ گردش ہے۔ زمین ایک وقتِ مقررہ تک گردش کرتی رہے گی اس کے بعد تباہ ہو جائے گی۔ کیا انسان زمین کے نظام کو چلا رہا ہے؟ کیا زمین کا خالق انسان ہے؟ کیا انسان زمین کو اپنی مرضی سے گردش دے رہا ہے؟ کیا انسان زمین کی گردش میں اپنی مرضی سے ردو بدل کر سکتا ہے؟ کیا انسان اس زمین کو تباہ ہونے سے بچا سکتا ہے؟ کیا انسان نے اس زمین کو زیست کے قابل بنایا ہے؟ کیا انسان موسم اپنی مرضی سے تبدیل کر سکتا ہے؟ کیا انسان دن رات اپنی مرضی سے پیدا کر سکتا ہے؟ کیا انسان تمام دنیا میں ایک ہی وقت دن اور ایک ہی وقت رات لانے کی صلاحیت رکھتا ہے؟ کیا انسان اپنی مرضی سے بارش برسا سکتا ہے؟ کیا انسان اپنی مرضی سے سمندر کو خشکی اور خشکی کو سمندر میں تبدیل کر سکتا ہے؟ کیا انسان اپنی مرضی سے پہاڑ اور میدان بنا سکتا ہے؟ کیا زمین پر جو نباتات ہے وہ سب انسان کی کاشت کردہ ہے؟ کیا زمین کے اندر جو معدنیات ہے وہ انسان نے خود زمین کے اندر دفن کی ہوئی ہیں؟ کیا زمین پر موجود پانی انسان نے ذخیرہ کیا ہوا ہے؟ کیا زمین پر کرہ ہوائی انسان کا تیار کردہ ہے؟ کیا زمین کی قوت ثقل انسان کی عطا کردہ ہے؟ ان تمام سوالوں کے جواب نفی میں ہیں۔ انسان کا ان امور میں بالکل کوئی عمل دخل نہ ہے۔ اگر انسان کا ان امور میں کوئی عمل دخل نہ ہے تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ انسان نے زمین کو تسخیر کر لیا ہے۔ اگر انسان

زمین کو ہی تسخیر نہ کر سکا ہے تو وہ سیاروں، ستاروں اور کہکشاہوں کو تسخیر کرنے کی صلاحیت کیسے حاصل کر سکتا ہے جن کو اس نے ابھی دیکھا تک نہ ہے۔ کیا صرف سائنس اور ٹیکنالوجی اس قابل ہے کہ وہ انسان کو ان کی تسخیر کے قابل بنا سکے؟ اگر سائنس اور ٹیکنالوجی زمین کو تسخیر کرنے میں ناکام ہو چکی ہے تو وہ ان ستاروں، سیاروں اور کہکشاؤں کی تسخیر میں بھلا انسان کی کیا مدد کر سکتی ہے۔ اس طرح سائنس اور ٹیکنالوجی کی مدد سے ان ستاروں اور سیاروں کو تسخیر کر لینا انسان کا ایک بے بنیاد خواب ہے جس کی تعبیر ایک سراب سے زیادہ اہمیت کی حامل نظر نہیں آتی۔ کیا انسان اس سراب پر اپنی دنیا کے قیمتی وسائل کو ضائع کر دے گا؟ کیا ایسا کرنا انسان کا دانشمندانہ اقدام ہوگا۔

انسان چاند پر قدم رکھنے کو بجا طور پر ایک اہم کامیابی قرار دیتا ہے۔ لیکن کیا محض قدم رکھنے سے انسان نے چاند کو تسخیر کر لیا ہے۔ اگر ہزاروں سال زمین پر رہنے کے باوجود انسان زمین کی تسخیر نہ کر سکا ہے تو اسے خود سوچنا چاہیے کہ وہ چاند کو تسخیر کیسے کر سکتا ہے۔ انسان چاند کو زیست کے قابل بنا کر اس پُر آباد ہونا چاہتا ہے۔ کیا انسان نے زمین کو خود زیست کے قابل بنایا تھا۔ اگر انسان نے زمین کو زیست کے قابل نہیں بنایا تھا تو وہ بھلا چاند کو زیست کے قابل کیسے بنا سکتا ہے؟ انسان اب چاند کی حقیقت سے واقف ہو چکا ہے۔ چاند ویراں، بے آب و گیاہ، بے روح پہاڑوں اور کھنڈرات کا ایک ٹکڑا ہے۔ انسان کو اب سمجھ لینا چاہیے کہ دوسرے قریبی سیارے جو چاند کے ہمسائے ہیں اور جن تک رسائی کیلئے انسان تگ و دو کر رہا ہے چاند سے مختلف نہ ہوں گے۔ چونکہ آسمان پر اس وقت صرف نوری مخلوق، فرشتے یا مردہ انسانوں کی روحیں ہی رہائش پذیر ہیں جن کے زیست کے ہی تقاضے زمین پر رہنے والے انسانوں اور دیگر مخلوقات سے بالکل مختلف ہیں۔ اس طرح اگر انسان ایسے کسی سیارے کو دریافت کر بھی لیتا ہے۔ تو پھر بھی انسان کا اس سیارے پر منتقل ہو کر آباد ہونا ممکن نہ ہوگا چونکہ وہاں وہ زمین کی طرح زندہ نہ رہ سکے گا۔ بلکہ اسے اس سیارے پر آباد ہونے کیلئے اپنی موت کا انتظار کرنا ہوگا اور اس زندگی کا آغاز کرنا ہوگا جو موت کے بعد شروع

ہوتی ہے۔ کیا ایسی زندگی اور آبادی کیلئے زمینی وسائل کو ضائع کرنا عقلمندی ہے۔ یہ زندگی تو انسان زمین پر رہ کر اور انسانوں کو زمین پر خوشحالی دیکر بڑی آسانی سے حاصل کر سکتا ہے۔ اگر انسان انسانوں کو زمین پر خوش حال بنا دے تو مرنے کے بعد وہ ایسے سیارے پر ایک خوش حال زندگی گزار سکتا ہے۔

اگر بالفرض کسی سیارے پر انسان زندہ منتقل ہو کر آباد ہو جائے تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ سیارہ کبھی تباہی سے دوچار نہ ہوگا یا وہ سیارہ زمین کے بعد ہی تباہ ہوگا۔ اگر اس سیارے نے بھی تباہ ہی ہونا ہے۔ اور انسان نے اسے تباہی سے بچانے سے معذور ہی ہونا ہے تو پھر ایسے سیارے پر آباد ہونے کا آخر فائدہ کیا ہے؟

انسان کا زندہ رہنا کسی سیارے کے زندہ رہنے سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا بلکہ انسان کو زندہ رکھنے کیلئے ہی کسی سیارے کو زندگی سے نوازا جاتا ہے۔ چونکہ انسان کو زمین پر زندہ رکھنا مقصود ہے لہٰذا زمین کو زندہ کر دیا گیا ہے اگر کسی اور ستارے یا سیارے پر انسان کو زندگی دینا ضروری ہوگا تو اس ستارے اور سیارے کو زندہ کر دیا جائے گا یہ کام انسان کا نہیں بلکہ انسان کے خالق کا ہے لہٰذا انسان کو اس بارے میں فکر مند ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ زمین پر بھی انسان خود نہ آیا تھا۔ بلکہ لایا گیا تھا اس طرح کسی دوسرے ستارے یا سیارے پر انسان خود نہ جا سکتا ہے بلکہ اسے وہاں پہنچا دیا جائے گا۔ انسان کو جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے بلکہ صبر و تحمل سے زمین پر اپنی ذمے داریوں کو پورا کرنا چاہیے۔ یہ زمین تباہ ضرور ہوگی لیکن انسان تباہ نہ ہوگا بلکہ کسی نہ کسی جگہ زندہ ضرور رہے گا۔ یہ فیصلہ انسان نے خود کرنا ہے کہ وہ اپنی آئندہ زندگی دوزخ یا جنت میں گزارنا چاہتا ہے اور اسی کے مطابق اسے اس زمین پر ابھی ایک مدت تک زندگی گزارنی ہوگی۔

اب آئیں ہم دیکھیں کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کیا شے ہے اور انسان نے اس کا علم کہاں سے کب اور کیسے حاصل کیا ہے؟ سائنس اور ٹیکنالوجی کا علم سادہ الفاظ میں اشیاء اور چیزوں کے ناموں اور ان میں اندر پوشیدہ حکمتوں اور طاقتوں کا علم ہے۔ کائنات کی ہر

شے اور چیز کا کوئی نہ کوئی نام ہے۔ اور ہر چیز کسی نہ کسی مقصد کیلئے وجود میں آئی ہے۔ اور ہر چیز میں بے شمار حکمتیں اور قوتیں پوشیدہ ہیں۔ اشیاء کے ناموں کا علم انسان نے کب کہاں اور کیسے حاصل کیا۔ چونکہ انسان کا اپنا سائنسی علم قدیم انسان کے بارے میں حقیقت پر مبنی نہ ہے اور اس کی بنیاد قیاس اور ظن و تخمین پر ہے لہٰذا انسان کے اس علم کو سائنسی علم قرار نہ دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ایسے علم پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح انسان کو الہام اور وحی کے ذریعے جو علم دیا گیا ہے اسی علم کو حقیقی علم قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس علم کے مطابق یہ علم پہلے انسان حضرت آدمؑ جو نہ صرف انسان تھے بلکہ اللہ کے زمین پر خلیفہ اور نبی تھے، کو اللہ نے دیا تھا۔ اسی علم سے متصف کرنے کے بعد انسان کو مسجودِ ملائیک بنایا گیا تھا۔

انسان پیدائش کے فوراً بعد ہی الہام کے ذریعے ضروری اشیاء کا علم حاصل کر لیتا ہے۔ اسے ماں کے پستانوں کے اندر پوشیدہ دودھ نظر آجاتا ہے اور وہ دودھ چوسنے کے علم سے بھی آگاہ ہو جاتا ہے۔ اسے یہ بھی علم ہو جاتا ہے کہ ماں کو متوجہ کرنے کیلئے اسے رونا ہے اور اسے رونا بھی آجاتا ہے۔ انسان کو الہام کے ذریعے کون یہ علم دیتا ہے؟ ظاہر ہے یہ علم خدا ہی کی طرف سے انسان کو دیا جاتا ہے۔

حواس خمسہ اور چھٹی حس انسان کہاں سے حاصل کرتا ہے جن پر تمام علوم کا دارومدار ہے۔ یہ حواس بھی انسان کو اللہ ہی دیتا ہے۔ انسان کو عقل و شعور کون دیتا ہے؟ یہ نعمتیں بھی انسان اللہ سے ہی لیتا ہے۔ انسان عقل و شعور حاصل کرنے کے بعد زمین پر موجود چیزوں کو دیکھتا ہے۔ اور ان کے ناموں سے آگاہ ہوتا ہے۔ یہ نام انسان خود نہیں سیکھتا بلکہ پڑھے لکھے انسان اسے یہ علم سکھاتے ہیں۔ اس طرح انسان اپنے علم کیلئے دوسرے انسانوں کا محتاج ہوتا ہے جو زیادہ علم رکھنے والے ہوتے ہیں۔ دنیا میں ایک بڑے سے بڑا عالم موجود ہوتا ہے۔ اور کوئی انسان بھی اپنے آپ کو سب سے بڑا عالم قرار نہیں دے سکتا۔ ان عالموں کے پاس وہی علم ہوتا ہے جو انہوں نے یا تو اپنے بزرگوں سے حاصل کیا ہوتا ہے یا اپنے گردو پیش چیزوں میں غور و خوض اور تجربات و مشاہدات کے ذریعے حاصل کیا ہوتا ہے۔ اس

84951

طرح انسان جو بھی علم حاصل کرتا ہے وہ یقینی اور حتمی علم نہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے انسانوں کے علم میں تضاد ہوتا ہے۔ کسی کی رائے ایک ہوئی ہے تو دوسرے کی دوسری۔ ایک دور کا انسان ایک رائے پیش کرتا ہے دوسرے دور کا انسان اس کی تردید کر کے ایک نئی رائے دے دیتا ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ آج تک چلتا آرہا ہے اور قیامت تک چلتا رہے گا۔

انسان کائنات کے بارے میں جو علم حاصل کرتا ہے وہ اس کے مشاہدات سے حاصل کرتا ہے۔ پھر وہ اس علم کو تجربات کے ذریعے جانچتا ہے۔ وہ ایسا اس وجہ سے کرتا ہے کہ قدرت نے جو نظام وضع کیا ہوا ہے اس میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اور جن چیزوں کو جس مقصد کیلئے تخلیق کیا گیا ہے وہ اپنے مقاصد پورے کر رہے ہیں۔ یہ تمام نظام اپنے خالق کے سامنے مسخر ہے۔

انسان جو علم اپنے مشاہدے اور تجربے سے حاصل کرتا ہے اسے وہ سائنس کا نام دیتا ہے۔ اس طرح جتنے شعبے ہوتے ہیں اتنی ہی سائنسیں ہوتی ہیں۔ انسان چیزوں کے اندر پوشیدہ حکمتوں کا مشاہدہ کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وہ چیز کس طرح عمل کر کے اپنے تخلیقی مقصد کو پورا کر رہی ہے۔ اس طرح وہ چیزوں کی ٹیکنالوجی کو جان جاتا ہے۔ اس طرح وہ مادے کی مدد سے مصنوعی چیزیں ایجاد کر لیتا ہے اور اسی علم کو وہ ٹیکنالوجی کا نام دیتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اپنی ایجاد کردہ اشیاء کا خالق قرار دیتا ہے۔ اور ان چیزوں کے مختلف نام رکھ کر پہلے سے موجود قدرتی اشیاء میں مصنوعی چیزوں کا اضافہ کرتا چلا جاتا ہے۔ آج اس وقت دنیا میں قدرتی اشیاء کے علاوہ بے شمار ایسی چیزیں موجود ہیں جن کو انسان نے اس علم اور مادے سے بنایا ہے جن کا علم حقیقت میں انسان کو اللہ ہی نے دیا ہے۔ اور مادے اور انسان کا خالق بھی اللہ ہے۔

لیکن یہ عجیب معاملہ ہے کہ انسان اس خداداد علم کو اللہ کا عطا کیا ہوا علم قرار نہیں دیتا بلکہ اپنے آپ کو موجد سمجھنے کی بجائے نعوذ باللہ خالق سمجھنا شروع کر دیتا ہے اور اپنے خالق کا ہی انکار کر دیتا ہے۔ وہ اپنی ایجادات کو بنانے اور دیکھنے کے باوجود خیال کرتا ہے کہ کائنات خود

بخودوجود میں آ گئی ہے۔ وہ اپنی ایجاد کردہ اشیاء کو خود چلاتا ہے۔ اور ان کو مسخر کرتا ہے لیکن سمجھتا ہے کہ کائنات کا نظام خود بخود چل رہا ہے۔ اور اسے چلانے والا کوئی نہ ہے۔ وہ صرف چند اشیاء کا موجد ہے لیکن خالق سمجھتا ہے جبکہ کائنات کی بے شمار اشیاء کو وہ اللہ کی تخلیق نہیں سمجھتا ہے۔ اس کے پاس صرف چند اشیاء کا محدود حد تک علم ہے۔ لیکن وہ اپنے آپ کو ان اشیاء کا ڈاکٹر قرار دیتا ہے اور دوسرے انسانوں کو جاہل سمجھتا ہے لیکن وہ اللہ کو کائنات کے علم کا جنکا وہ خالق ہے نعوذ باللہ ڈاکٹر قرار نہ دیتا ہے اور نہ ہی اپنے آپ کو کائنات کے علم سے بے خبر خیال کرتا ہے۔ کیا ترقی یافتہ انسان کا یہ رویہ عادلانہ اور منصفانہ ہے؟ کیا سائنس اور ٹیکنالوجی کا علم اسے اایسا رویہ اختیار کرنے کی اجازت دیتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر انسان اپنے رویے کی اصلاح کیوں نہیں کرتا ہے اور وہ اس حقیقت کو کیوں تسلیم نہیں کرتا کہ کائنات کا حقیقی علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے جس کا وہ خالق ہے اور کائنات خود بخود نہیں چل رہی بلکہ اللہ ہی اسے چلا رہا ہے۔ اور انسان کے پاس جو علم ہے وہ اسی کا عطا کردہ ہے اور اللہ جس کو چاہتا ہے اس علم کی معرفت دے دیتا ہے۔

اس طرح انسان سائنس اور ٹیکنالوجی حاصل کرنے کے باوجود کائنات کی حقیقت کو جان نہ سکا ہے۔ اور وہ قدیم انسان کی طرح جاہلانہ رویہ اپنائے ہوئے ہے جو ہر طرح کے علم سے محروم تھا۔ انسان کا علم رکھنے کے باوجود جاہل ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا انسان اپنے رویہ کو عادلانہ اور منصفانہ خیال کرتا ہے؟ اور اگر یہ رویہ محض ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہے۔ تو پھر انسان اس ہٹ دھرمی اور ضد کو ترک کیوں نہیں کر دیتا ہے؟ کیا اس طرح کی ہٹ دھرمی اور ضد ترقی یافتہ انسان کو زیب دیتی ہے؟ کیا اللہ کو خالق مان لینے میں انسان کی سبکی ہوتی ہے؟ جس کے سامنے کائنات کا ذرہ ذرہ مسخر ہے۔ کیا انسان اپنے خالق کا انکار کر کے اس کی کائنات کو تسخیر کر سکتا ہے؟ انسان موت کے سامنے بے بس ہے بھلا کائنات پر غلبہ کیسے پا سکتا ہے؟ اگر آج اللہ نے زمین کو انسان کے مصرف میں دے دیا ہے تو کیا وہ اسے اس نعمت سے محروم نہیں کر سکتا۔ کیا اللہ اپنے انکار کرنے والے ناشکرے انسان کو اس قابل سمجھے

گا کہ کائنات کو اس کے تصرف میں دے دیا جائے۔ زمین آج انسان کے مصرف میں ہے تو اللہ کی وجہ سے ہے اور اگر کائنات کبھی انسان کے مصرف میں آئیگی تو اللہ ہی کی وجہ سے آئے گی۔ اللہ کا منکر نہ صرف کائنات کے تصرف سے محروم ہو گا بلکہ وہ زمین کے تصرف سے بھی محروم کر دیا جائیگا۔ اور یہ زمین جس پر آج حکومت کر رہا ہے اس کو نگل لے گی اور اس کا نام ونشان مٹا دے گی۔

انسان کا یہ رویہ کس وجہ سے ہے؟ انسان کا یہ رویہ رسالت اور وحی کے انکار کیوجہ سے ہے۔ انسان رسالت کا اس وجہ سے انکار کرتا ہے۔ چونکہ تمام نبی اور رسول انسان تھے۔ حالانکہ وہ اپنے جیسے انسانوں کو دنیا میں محض اس وجہ سے برتر اور بہتر انسان سمجھتا ہے۔ چونکہ ان کے پاس علم زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن وہ انبیاء کو اپنے اوپر ترجیح دینے کیلئے تیار نہیں جن کے پاس کائنات کا حقیقی علم ہے جو انہیں کسی انسان نے نہیں دیا ہوتا بلکہ خالق کائنات نے وحی کے ذریعے دیا ہوتا ہے۔ اگر اللہ عام انسانوں کو الہام اور حواس خمسہ کے ذریعے زمین اور اس کے گرد و پیش ستاروں اور سیاروں کا علم دے سکتا ہے تو پھر وہ وحی کے ذریعے اپنے انبیاء کو کائنات کا حقیقی علم کیوں نہیں دے سکتا؟ اگر انسان انسان کے فراہم کردہ علم پر یقین کر لیتا ہے تو پھر انبیاء کے علم پر یقین کیوں نہیں کرتا؟ کیا آج تک انبیاء نے کائنات کے بارے میں جو علم دیا ہے انسان اسے جھٹلا سکا ہے؟ کیا سائنس اور ٹیکنالوجی نے جہاں تک اس کی رسائی ہے اس علم کو سچا ثابت نہ کیا ہے؟ اگر ایسا ہو چکا ہے تو پھر انسان رسالت اور وحی پر ایمان لا کر تسخیر کائنات کی منزل کی طرف کیوں قدم نہیں اٹھاتا۔ انسان جتنی جلدی اپنی اصلاح کرلے گا تسخیر کائنات کی منزل اس کے اتنا قریب ہو جائیگی۔ لیکن اگر انسان نے اپنی اصلاح نہ کی تو یہ منزل دور سے دور ہوتی چلی جائے گی اور وہ کبھی اس منزل کو پا نہ سکے گا۔

انسان انسان کے ہاتھوں اور آرا سے لکھی ہوئی کتابوں کو پڑھتا ہے، پڑھاتا ہے اور ان کتابوں کو اپنا مسیحا قرار دیکر پرستش کی حد تک ان کو مقدس جانتا ہے۔ وہ ان کتابوں کے مصنفوں کو اعزازات اور میڈلوں سے نوازتا ہے۔ وہ ان کتابوں کی تشریح اور توضیح کرنے

والوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ مقام دیتا ہے۔ وہ ان کتابوں کے پڑھنے اور پڑھانے والوں پر اپنے وسائل خرچ کرتا ہے۔ وہ ان انسانوں کو ناخواندہ، جاہل اور پسماندہ قرار دیتا ہے جو ان کتابوں میں موجود علم کو حاصل نہیں کرتے۔ وہ ان ناخواندہ، جاہل اور پسماندہ انسانوں کو کسی اہم عہدہ اور ذمے داری کے قابل نہیں سمجھتا بلکہ ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تمام انسان اس کتابی علم کو حاصل کرلیں اور وہ اس مقصد کیلئے ہر وقت مصروف عمل رہتا ہے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ وہ قرآن حکیم جوام الکتاب ہے اور جس میں دنیا جہاں کے علوم کے خزانے پوشیدہ ہیں اور جس کا مصنف خالقِ کائنات ہے کو پڑھنا تک پسند نہیں کرتا؟ ایسا انسان کیوں کرتا ہے؟ کیا یہ ہٹ دھرمی اور ضد نہیں؟ اگر یہ ہٹ دھرمی اور ضد ہے تو پھر انسان اس مقدس کتاب کو کیوں نہیں پڑھتا جو خاص طور پر اس کیلئے ہے اور جس میں تسخیر کائنات کے راز پوشید ہیں؟ کیا آج تک کوئی انسان اس کتاب کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد اس کی حقیقت سے انکار کر سکا ہے۔ اگر اس کتاب کے ایک ایک حرف کے اندر ایک حقیقت پوشیدہ ہے تو پھر انسان ان حقیقتوں کو تسلیم کیوں نہیں کرتا اور اپنی سائنس اور ٹیکنالوجی کو ان حقیقتوں کے تابع کر کے اپنے معاشی، معاشرتی اور سماجی مسائل کو تسخیر کیوں نہیں کر لیتا ؟ وہ اب جان چکا ہے کہ تنہا سائنس اور ٹیکنالوجی اس کے ان مسائل کو حل نہ کر سکی ہے۔ اگر وہ واقعی ان مسائل کا حل چاہتا ہے تو اسے چاہیئے کہ اپنی تمام تر توانائیاں اور وسائل اس کتاب کو عام کرنے اور سمجھنے میں خرچ کر دے وہ نہ صرف اپنے مسائل کو حل کر لے گا بلکہ اس راستے کو بھی پالے گا جو تسخیرِ کائنات کی طرف جاتا ہے۔ وہ ان وسائل کو بھی حاصل کر لے گا جن کا حاصل کرنا اس سفر کیلئے ضروری ہے۔ اس طرح وہ صراطِ مستقیم پر چل کر اور ضروری وسائل جمع کر کے تسخیر کائنات کی اس منزل کو پالے گا جو ابھی تک ایک خواب ہے اور جو تنہا سائنس اور ٹیکنالوجی کی مزید ترقی سے بھی حقیقت میں تبدیل ہوتا نظر نہ آتا ہے۔

انسان اس کتاب کے مصنف کی پرستش کیوں نہیں کرتا حالانکہ وہ کائنات کا خالق اور مالک ہے۔ وہ حضرت محمد ﷺ کی اطاعت کیوں نہیں کرتا حالانکہ وہ اللہ کے آخری رسول

اور اس مقدس کتاب کے شارح ہیں اور اللہ نے اس کتاب کی تشریح خود ان کو بتائی ہے۔ کیا ایسے اللہ کو خالق ماننا انسان کیلئے ضروری نہیں؟ کیا ایسے رسول ﷺ کو اللہ کا آخری رسول تسلیم کرنا ضروری نہیں ہے؟ کیا ایسی کتاب کو الہامی کتاب ماننا ضروری نہیں؟ اگر یہ سب ضروری ہے تو پھر انسان اللہ کی عبادت اور پرستش کیوں نہیں کرتا اور حضرت محمد ﷺ کی اطاعت کو لازمی قرار دیکر اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اطاعت کیوں نہیں کرتا؟ کیا ایسا نہ کرنا صرف ضد اور ہٹ دھرمی ہے یا اس کی کوئی اور وجہ ہے۔ اور اگر کوئی وجہ ہے تو وہ کیا ہے؟ اگر صرف یہ ضد اور ہٹ دھرمی ہے تو انسان کو اسے ترک کر دینا چاہیے اور اگر کوئی اور وجہ ہے تو انسان کو اس کا برملا اظہار کرنا چاہیے تاکہ دوسرے انسان اسے جان کر پرکھ سکیں۔ اگر یہ وجہ انسان کی غلامی اور استحصال ہے تو خدارا اس روش کو بدل لیا جائے چونکہ انسان آزاد پیدا ہوا ہے اور زمین پر اسے خلافت کا اعزاز دیا گیا ہے۔ اس سے یہ آزادی اور اعزاز چھین لینا مناسب نہیں ورنہ انسان کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے والے کو اللہ آزادی اور خلافت سے محروم کر دے گا۔ اور سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی اس کی کوئی مدد نہ کر سکے گی۔ اور تسخیرِ کائنات کا خواب دیکھنے والا انسان زمین کی گہرائیوں میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے گم ہو جائے گا۔

تسخیر کائنات کے میدان میں انسان کی حقیقی کامیابیاں

تسخیر کائنات کے میدان میں انسان آج سے چودہ سو سال قبل چند حقیقی اور بے مثال کامیابیاں حاصل کر چکا ہے۔ یہ کامیابیاں اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے حاصل کی ہیں۔ انہوں نے یہ کامیابیاں اللہ کی اطاعت، اللہ کی بندگی اور کتاب کے علم کی وجہ سے حاصل کی ہیں۔ آپ ﷺ کے پاس موجودہ دور کی سائنس اور ٹیکنالوجی نہ تھی اس کے باوجود انہوں نے جو کامیابیاں حاصل کی ہیں آج کا ترقی یافتہ انسان انکے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ آپ ﷺ نے اللہ کی بندگی اور کتاب کے علم سے انسان کی کایا پلٹ دی اور انسانوں کو مکمل طور پر تسخیر کر لیا چودہ سو سال گزرنے کے باوجود آج بھی اس وقت دنیا میں ایک ارب سے زیادہ انسان ایسے موجود ہیں جو آپ ﷺ پر اپنی جان تک قربان کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ دنیا کے باقی انسان جوان کے بارے میں خاطر خواہ معلومات رکھتے ہیں وہ آپ ﷺ کی عزت اور تکریم کرنے پر مجبور ہیں۔ دنیا میں موجود کسی انسان کی جرات اور ہمت نہ ہے کہ وہ اپ ﷺ کی شان میں معمولی سی بھی گستاخی کر سکے۔ کیا ترقی یافتہ انسان نے کسی ایسے لیڈر اور انسان دوست انسان کو پیدا کیا ہے؟ کیا وہ ایسا کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

آپ ﷺ نے اپنی انگلی کے اشارے سے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا تھا۔ کیا آج کا انسان ایسا کر سکتا ہے؟ بالکل نہیں۔

اپ ﷺ نے ڈوبے ہوئے سورج کو واپس لوٹا دیا تھا۔ کیا آج کا انسان ایسا کر سکتا ہے؟ قطعاً نہیں۔

آپ ﷺ نے چند لمحوں میں زمین سے لامکان تک سفر کیا اور کائنات کے خفیہ اور سربستہ رازوں کو اپنی آنکھ سے دیکھا۔ کیا آج کا ترقی یافتہ انسان ایسا سفر کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

آپ ﷺ کائنات کے اس آخری کنارے تک آنِ واحد میں پہنچ گئے جہاں نوری

مخلوق بھی رسائی حاصل نہ کرسکی تھی۔ کیا آج کا ترقی یافتہ انسان کائنات کی ان حدوں کو چھونے کا تصور بھی کرسکتا ہے؟ ناممکن۔

آپ ﷺ نے اہلِ بیت اور صحابہ کی ایک جماعت پیدا کی جن کے کارنامے آج تک تاریخِ انسانی میں سنہری حروف سے لکھے جارہے ہیں۔ آپ ﷺ نے وہ معاشرہ اور ریاست قائم کی جو بے مثال ہے۔ آپ ﷺ کے خلفاء نے جنہیں خلفائے راشدین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ دنیا میں اس طرح حکومت چلائی کہ انسانیت نے نہ صرف اسے دل و جان سے قبول کیا بلکہ آج تک انسان ایسے حکمرانوں کی تلاش میں ہے۔ انسان بے پناہ ترقی کرنے اور زندگی کی بے شمار آسائشیں حاصل کرنے کے باوجود مطمئن نہ ہوسکا ہے اور وہ ایسے حکمرانوں کو اپنا حکمران اور ایسے دور کو اپنا زمانہ دیکھنے کا دلی آرزومند ہے۔ کیا یہ حقائق یہ ثابت کرنے کیلئے کافی نہیں کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی انسان کو تسخیر کائنات کی جانب لے جانے کی بجائے اسے تباہی اور بربادی کی طرف لئے جارہی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان سائنس اور ٹیکنالوجی کو کس طرح استعمال کرکے تسخیر کائنات کی جانب اپنے سفر کا آغاز کرسکتا ہے۔

آئیں اب ہم دیکھیں کہ تسخیرِ کائنات کی کلید اور کنجی کہاں ہے اور اسے کس طرح استعمال کرکے کائنات کو تسخیر کیا جاسکتا ہے؟

تسخیر کائنات کی کنجی

کائنات کا خالق اور مالک اللہ ہے۔ اس طرح اس نے اپنے خلیفہ انسان کو اس کلید اور کنجی کا پتہ بتایا ہے جس سے انسان زمین میں ایک پرامن، پرسکون، پرلطف اور خوش حال زندگی گزارنے کے بعد ستاروں، سیاروں اور کہکشاؤں میں ایک ابدی مثالی زندگی گزار سکتا ہے۔ اگر انسان اپنے علم سے اسے تلاش کرنے کی کوشش کرتا تو شاید قیامت تک تلاش نہ کرسکتا۔ انسان بے پناہ ترقی کے باوجود ابھی تک اسے اپنے سائنسی علم سے تلاش نہ کر سکا ہے۔

یہ کنجی ایک کلمہ پاک ہے جسے کلمہ طیبہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ پڑھنے اور دیکھنے میں چند الفاظ کا ایک مجموعہ نظر آتا ہے لیکن مفہوم کے اعتبار سے اس کے اندر کائنات کے راز پوشیدہ ہیں۔ اس ایک کلمے میں کائنات کو ایسے بند کیا گیا ہے جیسے کوزے میں دریا کو بند کر دیا جائے۔ اس کلمے کے صرف پڑھنے میں یہ تاثیر ہے کہ اس کے پڑھنے سے انسان کا رشتہ اپنے خالق سے قائم ہو جاتا ہے اور انسان آنِ واحد میں زمین سے لامکان کا سفر طے کر لیتا ہے۔ دوسری طرف انسان کا رشتہ اللہ کے اس رسولِ محترم سے قائم ہو جاتا ہے جن کا نام مبارک حضرت محمد ﷺ ہے، جن کے پاس کائنات کا حقیقی علم ہے جو خالق کائنات نے ان کو دے رکھا ہے۔ اس طرح انسان ایک طرف اللہ کی بادشاہی کو جان جاتا ہے۔ دوسری طرف علم کے سمندر سے اس کا رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ اللہ کو اپنا خالق اور مالک مان کر، کائنات کو اس کی تخلیق تسلیم کر کے اور حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا رسول مان کر اور حقیقی علم سے مستفید ہو کر تسخیر کائنات کے سربستہ اور پوشیدہ رازوں سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ یہ کلمہ انسان کا رشتہ زمین سے مستحکم کرتا ہے۔ اور آسمان پر اس کی رسائی آسان بنا دیتا ہے۔ اس طرح انسان زمین پر رہتے ہوئے آسمان تک کا سفر کر سکتا ہے۔ اور مرنے کے بعد اس کی روح آسمانوں کی سیر کر سکتی ہے اور قیامت کے بعد زندہ سلامت آسمانوں پر ایک ابدی خوش حال زندگی پا سکتا ہے۔ کیا زمین سے آسمان تک کا یہ سفر اور پھر آسمان پر ابدی زندگی

عطا کرنے والا کلمہ تسخیرِ کائنات کی کنجی نہیں۔ بلاشبہ یہ کلمہ تسخیرِ کائنات کی کنجی ہے جو انسان کو اس کے خالق نے خود عطا کی ہے۔ کیا انسان اس کنجی کو حاصل نہیں کرنا چاہتا؟ تو پھر وہ اس کے بغیر کائنات کو کیسے تسخیر کر سکتا ہے؟

یہ عظیم کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔

ترجمہ: (انسان) عبادت کیلئے صرف اللہ کی عبادت کرنے کا پابند ہے اور (انسان اطاعت کے لئے) صرف اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کی اطاعت کرنے کا پابند ہے۔

اس طرح اس پاک کلمے کے ذریعے اللہ نے انسان کو انسان کی پرستش اور عام انسان کی اطاعت سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آزاد کر دیا ہے۔ انسان اس کلمے کو اختیار کرنے کے بعد انسان کی اور کائنات کی غلامی سے اپنے آپ کو آزاد کروالیتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی غلامی اختیار کر لیتا ہے جو حقیقت میں غلامی نہیں بلکہ حقیقی آزادی کا پروانہ ہے۔ جس غلامی سے انسان دنیا تو کیا کائنات کو تسخیر کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ جو اشرف المخلوقات ہونے اور اللہ کا نائب ہونے کی وجہ سے اسکا ایک بنیادی حق ہے۔ کیا انسان اپنے اس حق کو دوسرے انسانوں، مظاہر فطرت یا سائنس اور ٹیکنالوجی کے بت کے حوالے کر سکتا ہے اور اگر کوئی انسان اسکا یہ حق سلب کر لے تو وہ اسے اپنا دوست، مشفق اور مہربان قرار دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر وہ اس کلمے کو اختیار کر کے اور عام کر کے اپنی آزادی کا اعلان کر کے دنیا پر اپنی خلافت قائم کر کے کائنات کی تسخیر کے سفر پر کیوں روانہ نہیں ہوتا؟ اس کے سامنے کونسی رکاوٹ ہے؟ رکاوٹ تو وہ خود ہے اور اگر انسان اپنے مشن کے سامنے خود رکاوٹ بن جائے تو پھر وہ تسخیرِ کائنات کے سفر کا آغاز کیسے کر سکتا ہے؟ اگر انسان اس سفر کا آغاز خود ہی نہ کرے تو پھر وہ منزل تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟ انسان کو اس بارے میں غور و خوض کر کے جلد ہی فیصلہ کر لینا چاہیے ورنہ موت اسے زیادہ دیر تک مہلت نہ دے گی اور قیامت زیادہ مدت تک انسان کا انتظار کرنے کی پابند نہ ہے۔

کلمہ طیبہ میں دو حقیقتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ ایک اللہ کا الہ ہونا اور دوسرے حضرت محمد

ﷺ فخر انسانیت اور محسن انسانیت کا اللہ کا رسول ہونا۔

اب آئیں ہم ان حقیقتوں کا ادراک حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

پہلا حصہ: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

اللہ: اللہ خدا کا ذاتی نام ہے۔ انسان آج تک مکمل طور پر اللہ کی حقیقت سے واقف نہ ہو سکا ہے۔ اللہ کے پیارے اور آخری رسول جو انسان کامل ہیں اور عبدیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے اور اللہ کو باطن کی نظر سے دیکھنے کے باوجود بھی پوری طرح اللہ کی حقیقت سے انسان کو آگاہ نہ کر سکے ہیں۔ چونکہ آپ کا ارشادِ مبارک ہے کہ میں اللہ کی ثناء کا حق ادا نہ کر سکا ہوں۔ آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ محشر کے دن مجھے اللہ تعالیٰ ایسی ثناء بتائے گا جو میں پڑھ کر سجدہ میں گر جاؤں گا اور شفاعت کی اجازت کی استدعا کرونگا جو اجازت عطا کر دی جائے گی، حالانکہ اللہ اس روز غصے کی وجہ سے اپنے پورے جلال میں ہوں گے اور کسی نبی یا رسول کی جرات نہ ہوگی کہ وہ اللہ سے کلام کر سکیں۔

آپ ﷺ نے بھی اللہ کی اپنی بیان کردہ صفات پر ہی اکتفا کیا ہے۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ نے اللہ کے صرف صفاتی ناموں کو ہی بیان کیا ہے۔ جن کی تعداد ننانوے ہے۔ جہاں تک اللہ کی صفات کا تعلق ہے وہ لامحدود ہیں جن کا شمار انسان کے بس کی بات نہ ہے، اگرچہ وہ ان کے شمار کیلئے جدید ترین کمپیوٹر کو استعمال ہی کیوں نہ کر لے۔ بے شک اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ سے برائے راست کلام کی ہے، اور اس کے جلوے کو قریب سے دیکھا ہے پھر بھی وہ اللہ کی مکمل حقیقت کو اپنے الفاظ میں بیان نہ کر سکے، حالانکہ ان کے پاس الفاظ کے خزانے تھے۔ اللہ پر بالغیب ایمان لانا اب بھی ایمان کی ایک بنیادی شرط ہے۔ اللہ کی حقیقت ایک راز ہے جو ابد تک ایک راز ہی رہے گا۔ اگر عام انسان اللہ کی حقیقت سے آگاہ ہو جائیں تو پھر کائنات کے دیگر رازوں کو راز رکھنے کا کوئی جواز نہ رہتا ہے۔ اللہ کی حقیقت ہی کائنات کا ایک اہم راز ہے جس کی وجہ سے کائنات کے دوسرے راز راز ہیں۔ اور اگر یہ راز ہی کھول دیا جائے تو پھر کسی اور راز کو راز کیسے رکھا جا سکتا ہے؟

اللہ کی حقیقت کا علم نہ ہونے کے باوجود انسان اللہ کی بے شمار صفات سے کتاب وسنت کے ذریعے یا سائنس اور ٹیکنالوجی کے ذریعے اتنی معلومات حاصل کر چکا ہے کہ اب اللہ کی حقیقت ایک پوشیدہ راز نہ رہا ہے بلکہ ایک کھلا راز ہے اور اگر انسان اس کھلے راز کے باوجود اللہ کی حقیقت سے واقف نہ ہو سکے تو یہ اس کی اپنی جہالت، ناشناسی، کم علمی، کم فہمی اور بدقسمتی ہے۔

اگر انسان ترقی یافتہ ہونے کے باوجود جہالت، ناشناسی۔ کم علمی اور کم فہمی کا مظاہرہ کرے تو اس میں قصور صرف انسان کا اپنا ہے۔ اگر انسان اللہ کے وجود کو کائنات کے ذرے ذرے بلکہ ایٹم ایٹم میں پاتا ہے تو پھر اسکا انکار کیسے کر سکتا ہے؟

اگر انسان حقیقتِ حال سے واقف ہونے کے باوجود اس کا انکار کرے تو پھر اپنے آپ کو اشرف المخلوقات کہلانے کا کہاں تک حقدار ہے اور کس بل بوتے پر وہ کائنات کو تسخیر کرنے کا خواب دیکھ رہا ہے۔ جو انسان حقیقت کا منکر ہو وہ بھلا خواب کو کیسے سچا ثابت کر سکتا ہے اور اگر بالفرض اپنے خواب کو حقیقت کے روپ میں دیکھ لیتا ہے تو پھر وہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے کا حوصلہ اور طاقت کہاں سے لائے گا؟ اللہ سے دعا ہے کہ وہ انسان کو حقیقت شناس بنا دے چونکہ ایسا بننا بھی اللہ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔ اللہ کے تمام صفاتی ناموں اور ان میں پوشیدہ حکمتوں اور حقیقتوں سے اس مختصر کتاب میں آگاہ ہونا ممکن نہ ہے لہٰذا اللہ کی چند اہم صفات کا ذکر کیا جاتا ہے اور ان میں پوشیدہ حکمتوں اور حقیقتوں کا ایک طائرانہ جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

ا۔ اَحَدٌ

اللہ یکتا، یگانا، اکیلا اور تنہا ہے۔ اللہ واحد ہے اور اس کی ذات میں کثرت کا شائبہ تک نہ ہے۔ وہ قابلِ تقسیم اور قابلِ تجزیہ نہیں۔ اس کی کوئی شکل وصورت نہیں۔ اس کے اندر کوئی چیز سما نہ سکتی ہے لیکن وہ ہر چیز کے اندر سما سکتا ہے۔ اللہ کے جسمانی اعضاء نہ ہیں اور نہ ہی کوئی رنگ ہے۔ وہ ہر جگہ موجود ہے مگر کسی جگہ محدود نہیں۔ اللہ کی ذات کے اندر کسی قسم کا تغیر

وتبدل نہیں ہوتا۔ وہ تمام قسم کی کثرتوں سے پاک اور منزہ ہے۔ اللہ اکیلا کائنات کا خالق ہے۔ تخلیق کے عمل میں اس کا کوئی حصے دار نہ ہے۔ وہ اکیلا ہی کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔ اللہ ہی نے تمام مخلوقات کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ اور اسی نے ان کے رزق کا انتظام کیا ہے۔ اللہ ہی تمام کائنات اور مخلوقات کی حفاظت کر رہا ہے۔ اللہ ہی کائنات اور مخلوقات میں ردوبدل کر رہا ہے۔ اللہ ہی مخلوقات کو موت اور زندگی دے رہا ہے۔ کائنات کا قائم رہنا یا مخلوقات کا زندہ رہنا صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ ہی کائنات اور مخلوقات کا حقیقی حاجت روا ہے۔ اللہ ایک نور ہے جو انسان کی آنکھ اور ذہن میں نہ سما سکتا ہے۔

کیا انسان آج تک اللہ کی ان صفات کو کائنات کی کسی مخلوق میں پا سکا ہے؟ کیا انسان اللہ کی ان صفات کا انکار کر سکتا ہے؟ کیا انسان نے یہ دیکھ نہ لیا ہے کہ کائنات کی کوئی چیز احد کی صفت سے متصف نہ ہے؟ کیا اسے یہ معلوم نہ ہو چکا ہے کہ کائنات میں موجود ہر چیز ایک مرکب ہے؟ کیا انسان ایٹم کی طاقت سے واقف نہ ہو سکا ہے؟ جو ایٹموں کا مجموعہ ہے۔ کیا انسان یہ جان نہ چکا ہے کہ کسی مرکب یا مجموعے کو واحد کی حد تک تقسیم کرنا یا توڑنا اس کے دائرہ اختیار میں نہ ہے؟ کیا اسے معلوم نہ ہو چکا ہے کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اور جو نعوذ باللہ، اللہ کا شریک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے مرکبات کا مجموعہ ہے جس کا ایک اہم حصہ روح ہے۔ کیا انسان کائنات میں کسی ایسی چیز کو دریافت کر سکا ہے جو کثرت سے پاک اور ناقابلِ تقسیم ہو۔ کیا انسان اللہ کی ذات کا تجزیہ کر سکتا ہے جبکہ وہ اپنے اندر موجود روح کو ہی اپنے قابو اور کنٹرول میں نہ لا سکا ہے۔ کیا انسان کے پاس کوئی ایسا ثبوت موجود ہے جس کی بنا پر وہ اللہ کی اس صفت کا انکار کر سکے یا اس صفت کا وجود کسی اور شے میں ثابت کر سکے۔ کیا انسان کی سائنس اور ٹیکنالوجی نے اسے بتا نہ دیا ہے کہ احد کی صفت میں وہ طاقت اور قوت ہے جس کے بارے میں وہ سوچ بھی نہ سکتا ہے۔ کیا انسان کائنات کے مشاہدہ سے اللہ کی اس صفت کا مظاہرہ نہ کر چکا ہے۔ پھر انسان اللہ کو اپنا رب تسلیم کیوں نہیں کرتا؟ کیا ایسی عظیم ذات کو ہی انسان کا رب نہیں ہونا چاہئے؟ اگر ایسی عظیم ہستی موجود ہو تو پھر انسان کسی

اور کو اپنا رب کیسے مان سکتا ہے اور اگر وہ کسی اور چیز یا ذات کو اپنا رب نہیں بنا سکتا تو پھر ان کی پرستش اور عبادت کیسے کر سکتا ہے؟ اگر انسان ایسا کرتا ہے تو پھر وہ اپنے آپ کو تسخیر کائنات کا اہل کیسے ثابت کر سکتا ہے؟ انسان اللہ کو احد تسلیم کر کے واحد کا مقام حاصل کر سکتا ہے جو بے شک کثرتوں کا مجموعہ ہے لیکن اس طرح وہ ایک ایسی طاقت اور قوت حاصل کر لے گا جو ایٹم کی طاقت سے بھی زیادہ طاقتور اور قوی ہوگی۔ اگر انسان دھاتوں کو توڑ کر اور ان کو تقسیم کر کے ایٹمی طاقت حاصل کر سکتا ہے تو وہ اپنی روح کو جسم کے بندھنوں سے آزادی دلا کر وہ طاقت حاصل کیوں نہیں کر سکتا جو زمین کی حدوں سے نکل کر کائنات کی حدوں تک پہنچ سکے۔ انسان ایسا کر سکتا ہے لیکن اسے زندہ رہتے ہوئے اللہ کو اپنا رب ماننا ہوگا اور پھر اپنی روح کو جسم کی قید سے آزاد کرانا ہوگا۔ اگر انسان ایسا کر لے تو پھر وہ زمین پر رہ کر کائنات کے پوشیدہ رازوں سے آگاہ ہو سکتا ہے۔ اور یہ آگاہی ان معلومات سے کہیں بہتر اور برتر ہوگی جو وہ سائنسی آلات کی مدد سے حاصل کر رہا ہے۔ انسان نے اپنی روح کو جسم کی قید سے آزادی دلانے کی بجائے اسے سائنسی آلات میں قید کرا یا ہے اور اگر انسان کا جسم کائنات کے رموز کو جان نہیں سکتا تو بھلا بے جان اور بے حس سائنسی آلات اسے ان رموز سے آگاہ کیسے کر سکتے ہیں؟ اگر انسان ایٹم کی قوت سے چاند پر جا سکتا ہے تو وہ یقیناً روح کی قوت سے اس سے آگے کا سفر بڑی آسانی سے کر سکتا ہے۔ ایٹمی ترقی کی بجائے اگر انسان اپنی روح کو ترقی دے تو وہ اپنے مادی جسم کے ساتھ ستاروں اور سیاروں پر پہنچ سکتا ہے لیکن پھر وہ ان فرائض کو سرانجام نہ دے سکے گا جن کیلئے وہ زمین پر آیا ہے۔ اگر وہ ان فرائض سے پہلوتہی کرتا ہے تو پھر اس کی زندگی کا مقصد فوت ہو جاتا ہے اور انسان دنیا میں ناکام ہو جاتا ہے۔ اور ناکام نائب کبھی ترقی کی منازل طے نہ کر سکتا ہے۔ اللہ نے انسان کو ستاروں اور سیاروں پر لے جانیکا انتظام کر رکھا ہے لیکن اس کیلئے انسان کو انتظار کے ساتھ ساتھ اپنے تخلیقی مقاصد کو پورا کرنا ہوگا۔ اگر انسان اپنے تخلیقی مقاصد پورے کئے بغیر اپنی پرواز پر روانہ ہو جاتا ہے تو شاید وہ ستاروں اور سیاروں تک پہنچ تو جائے لیکن وہ نہ تو ان کو مسخر کر سکتا

ہے۔ اور نہ ہی ان میں ایک مثالی زندگی بسر کر سکتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ پرواز اس کی تباہی کا پیش خیمہ بن جائے۔ اس طرح انسان روح کو ترقی دے کر یا ایٹم کو مزید ترقی دیکر ستاروں اور سیاروں کی سیر تو کر سکتا ہے لیکن اللہ کو اپنا رب مانے بغیر اور اپنے تخلیقی مقاصد کو پورے کئے بغیر اس سیر کے ثمرات سے مستفید نہ ہو سکتا ہے۔ اس طرح یہ تگ ودو اور کوشش ایک فضول مشغلہ کے سوا کچھ نہیں اور انسان کو اس مشغلے کی نظر نہیں ہو جانا چاہیے وگرنہ وہ زندگی اور زمین دونوں سے محروم ہو جائیگا اور جسم اور زمین سے آزادی حاصل کرنے کے باوجود انہی میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مقید ہو جائیگا۔

انسان کو چاہیے کہ وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے ساتھ ساتھ روح کی بالیدگی اور ترقی کو فروغ دے تاکہ کائنات اور جسم کی مادی حقیقتوں کو جاننے کے ساتھ کائنات اور جسم کی اصل حقیقتوں کو جانا جا سکے۔ چونکہ سائنس اور ٹیکنالوجی مادے کا علم رکھتی ہے اور انسان کی روح اس نور کا علم رکھتی ہے جو مادے کی جان ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کا علم رکھنے والوں اور روح کی بالیدگی کا علم رکھنے والوں کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس علم کو چھپانے کی بجائے انسانوں پر ظاہر کریں اور ان کو روحانی سیر اور چاند کی سیر کرانے کی بجائے کائنات، اللہ، دنیا، آخرت اور انسان کی حقیقت سے آشنا کرائیں تاکہ وہ دنیا میں ایک کامیاب زندگی گزارنے کے بعد حقیقی کامیاب حیات کو پاس کیں۔ تمام انسانوں پر بھی یہ لازم ہے کہ وہ ان دونوں علوم کو حاصل کر کے اور فروغ دیکر دنیا میں اپنے آپ کو خوش حالی سے ہمکنار کر کے اپنے جسم اور روح کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے زندہ جاوداں بنا کر آخرت کی ابدی خوشحال زندگی حاصل کر سکیں۔ یہ علوم انسان کو اللہ نے عطا کئے ہیں اور ان کو حاصل کرنا انسان کا حق ہے۔ اگر ان علوم کے ماہروں نے انسان کو ان کا یہ حق نہ دیا تو پھر وہ نہ خود تسخیر کائنات کے قابل ہوں گے اور نہ ہی انسانیت کبھی اس خواب کی تعبیر پاس کے گی۔ اس طرح وہ اپنے خالق اور اپنے انسان بھائیوں دونوں کے مجرم ہوں گے اور انہیں سزا سے کوئی بچا نہ سکے گا۔ کیا انسان کو ان علوم سے محروم کرنیوالے اس کے دوست ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ایسے

لوگ انسان کے دشمن ہیں اور وہ ان علوم کی مدد سے صرف انسان کو غلام بنا کر اس کا استحصال کرنا چاہتے ہیں اور کر رہے ہیں۔ اللہ اپنی مخلوق کو ان بھیڑیا صفت درندوں کے شیطانی علم سے محفوظ رکھے۔ جہاں تک خالقِ کائنات کا تعلق ہے، اس نے اپنا یہ علم اپنے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کے ذریعے انسانوں تک پہنچا دیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بھی یہ علم من وعن انسانوں کو دے دیا ہے جو کتاب اور سنت کی شکل میں موجود ہے۔ لیکن آج کا انسان اس علم کو درست طور پر انسانوں تک نہ پہنچا رہا ہے اور نہ ہی انسان خود اس علم کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ تو پھر وہ زمین، دنیا اور کائنات کو کس طرح تسخیر کر سکتا ہے۔ آج کا انسان خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہی کی طرف لے جا رہا ہے۔ کاش انسان صراطِ مستقیم پر چل سکے اور دوسروں کو اس پر چلانے کا حق اچھی طرح ادا کر سکے۔ آج وہ اگر انسانوں کو اپنے علم کی وجہ سے غلام بنا رہا ہے تو کل اس علم کا صحیح حق ادا نہ کرنے کی وجہ سے مجرم بھی بن سکتا ہے۔ مجرم انسان نہ انسانوں کو تسخیر کر سکتا ہے نہ کائنات کو۔ آج وہ انسانوں کو حقیقی علم دیکر ان کو مسخر کر سکتا ہے اور کل وہ اسی علم اور فرض کی ادائیگی کی بنا پر کائنات کو تسخیر کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ اللہ صاحبانِ علم کو اس کی توفیق دے چونکہ اس کی توفیق کے بغیر انسان ایسا نہ کر سکتا ہے۔

انسان کی حقیقی کامیابی کیلئے جسم اور روح دونوں کی مثالی زندگی نہایت ضروری ہے۔ انسان اپنے جسم کو مثالی طور پر زندہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے ذریعے رکھ سکتا ہے۔ اور اپنی روح کی مثالی زندگی کتاب وسنت کے علم اور عمل سے پا سکتا ہے۔ اس طرح دونوں شعبوں میں کام کرنے والوں کو ایک دوسرے کے وجود اور اہمیت کو تسلیم کر کے مل جل کر کام کرنا چاہئے تا کہ تسخیرِ کائنات کے خواب کو حقیقت بنایا جا سکے۔ کتاب وسنت اور سائنس اور ٹیکنالوجی دو مختلف چیزیں نہیں بلکہ انسان اور کائنات کی حقیقت کے راز داں ہونے کی وجہ سے ایک ہی ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی تردید نہیں بلکہ تائید کرتے ہیں۔ انسان کا جسم اگر روح کے بغیر نامکمل ہے تو سائنس اور ٹیکنالوجی کتاب وسنت کے علم کے بغیر ادھوری

ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کو زندہ کرنے کیلئے اس کے اندر کتاب وسنت کی روح ڈالنا ضروری ہے اور کتاب وسنت کی روح کو جاننے کیلئے سائنس اور ٹیکنالوجی کے جسم کے اندر ڈال کر دیکھنا ضروری ہے تا کہ انسان کائنات کی حقیقت کو بہتر طور پر جان سکے۔ اس طرح کتاب وسنت کے عالموں اور سائنس اور ٹیکنالوجی کے ڈاکٹروں کو مل جل کر کام کر کے انسان کو کائنات کا حقیقی علم دینے کی جانب جلد ہی پیش قدمی کر لینی چاہیے تا کہ انسان اپنے جسم اور روح کے ساتھ اس دنیا میں بھی زندگی کا مزہ لے سکے اور آخرت میں ایک مثالی زندگی کو اپنا مقدر بنا سکے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو انسان نہ اس دنیا میں آرام وسکون سے رہ سکے گا۔ اور نہ ہی اخروی زندگی کو پر سکون بنا سکے گا۔ اگر انسان انسان کو پر سکون زندگی نہ دے سکا تو پھر اور کیا دے سکتا ہے؟ انسان کا مطالبہ صرف پر سکون زندگی ہے۔ اگر انسان اسے یہ دے دیتا ہے تو پھر اس کے لئے یہ حقیقت بے معنی ہے کہ وہ زمین پر رہ رہا ہے یا آسمان پر کسی سیارے یا ستارے پر۔ اگر انسان انسان کو پر سکون زندگی کا تحفہ دینے میں کامیاب ہو گیا تو پھر خالقِ کائنات اس تحفہ دینے والوں کو تسخیر کائنات کا پروانہ ضرور دینگے۔ کیا دین کے عالم اور دنیا کے ڈاکٹر یہ میڈل اور اعزاز حاصل نہیں کرنا چاہتے؟ کیا اس میڈل اور اعزاز سے کوئی اور بڑا میڈل یا اعزاز ہو سکتا ہے۔ تو پھر دنیا کے دانشور یہ میڈل اور اعزاز حاصل کرنے کیلئے تگ ودو کیوں نہیں کرتے۔ وہ ایک دوسرے کو اپنے اپنے علم سے مستفید کیوں نہیں کرتے۔ اور حقیقت شناسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایکدوسرے کی تردید کرنے کی بجائے تائید کیوں نہیں کرتے۔ وہ دنیا اور دین کو الگ الگ دو متضاد شعبوں میں کیوں تقسیم کرتے ہیں۔ وہ دین کو دنیا اور دنیا کو دین کا لازمی جزو قرار کیوں نہیں دیتے؟ وہ روح کو جسم اور جسم کو روح سے علیحدہ کیوں کرتے ہیں؟ وہ اس حقیقت کو تسلیم کیوں نہیں کرتے کہ انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے؟ وہ اس حقیقت سے کیوں انکار کرتے ہیں کہ دنیا کا کائنات سے ایک مضبوط رشتہ ہے اور تباہی کے بعد بھی اسکا کائنات سے کوئی رشتہ ضرور رہے گا۔ وہ اس بات کو تسلیم کیوں نہیں کرتے کہ انسان مرنے کے بعد زندہ ہو سکتا ہے اور اپنی دوسری زندگی

کسی اور سیارے اور ستارے میں گزار سکتا ہے۔ وہ اس حقیقت سے کیوں انکار کرتے ہیں کہ انسان کی دنیاوی زندگی کا اس کی اخروی زندگی سے ایک گہرا رابطہ ہے۔ اور اخروی زندگی کا دارومدار دنیاوی زندگی پر ہے۔ اگر دنیا کے دانشور کائنات کی حقیقتوں کو تسلیم کر کے قدم سے قدم ملا کر اپنے سفر کا آغاز کریں تو وہ اپنی منزل کو آسانی سے حاصل کر سکتے ہیں۔ باہمی میل جول ربط اور باہمی افہام و تفہیم آج کے دانشوروں کیلئے ایک چیلنج ہے۔ امید ہے وہ اسے قبول کر کے اسے جلد ہی تسخیر کر لیں گے۔ اگر وہ اس چیلنج کو تسخیر کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو انسان ستاروں اور سیاروں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اسے اس رسائی کی ضرورت نہ رہے چونکہ اس صورت میں اس کی اپنی دنیا اتنی خوبصورت اور پرسکون ہو جائے گی کہ اسے کسی سیارے اور ستارے پر جانے کی ضرورت نہ رہے گی۔ کیا زمین کسی اور سیارے اور ستارے سے کم خوبصورت ہے؟ انسان چاند کو دیکھ چکا ہے۔ وہ اس کا موازنہ خود کر سکتا ہے۔ کیا انسان اس خوبصورت زمین کو چھوڑ کر چاند پر منتقل ہونا پسند کرے گا؟ جہاں زندگی کا نام و نشان تک نہ ہے۔ دنیا کے دانشور اس زمین کو اور خوبصورت بنا سکتے ہیں مگر وہ اسے تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ کیا وہ دانشور ہیں اور اگر وہ دانشور ہیں تو پھر جاہل اور احمق اس دنیا میں کون ہے؟ کیا انسان اس جاہل اور احمق کو تلاش کر سکتا ہے؟ بالکل نہیں۔ کاش دانشور اپنے آپ کو دانشور ثابت کر سکیں یا وہ اس حقیقت کو تسلیم کر لیں کہ جاہل اور احمق ان کے سوا دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔

اس طرح اگر انسان واحد کی حقیقت کو پا لے تو وہ اللہ کی صفتِ احد سے بڑی حد تک واقفیت حاصل کر لے گا۔ اور اللہ کو کائنات کا مالک اور خالق ماننے پر تیار ہو جائے گا اور اس کی عبادت کر کے تسخیرِ کائنات کی منزل کو حاصل کر لے گا۔ کاش انسان اس حقیقت کو پا لے۔

2۔ الصَّمَدُ

اللہ کائنات کی ہر شے سے مکمل طور پر بے نیاز ہے۔ اسے کائنات کی کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ اگر تمام کائنات فنا ہو جائے پھر بھی اس کی ذات اور صفات میں کوئی کمی

نہیں آتی۔ اگر وہ کائنات کی ہر شے کو اپنی صفات دے بھی دے پھر بھی اس کی ذات اور صفات میں کوئی کمی، نقص یا کمزوری واقع نہ ہوتی ہے۔ اللہ اس وقت بھی موجود تھا جب یہ کائنات نہ تھی اور اس وقت بھی موجود رہے گا جب یہ کائنات نہ رہے گی۔ جہاں تک کائنات کا تعلق ہے وہ اپنے وجود کیلئے اللہ کی نیازمند تھی، نیازمند ہے اور نیازمند رہے گی۔

انسان کو اللہ نے اپنا نائب اور خلیفہ قرار دے دیا ہے اس طرح انسان کائنات کا نیاز مند نہ ہے بلکہ کائنات کو اس کا نیازمند بنا دیا گیا ہے۔ انسان اس کائنات میں اگر کسی کا نیاز مند ہے تو وہ صرف اللہ کی ذات ہے یا پھر ان انسانوں کی اطاعت کا پابند ہے جس کی اطاعت کرنے کا اس نے انسان کو حکم دیا ہے۔ اس طرح اللہ کے بعد کائنات میں انسان اللہ کا صمد ہے اور انسانوں میں سے اللہ کے صمد اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اس طرح انسان اس کائنات کے تابع نہ ہے بلکہ کائنات اس کے تابع ہے۔ لیکن انسان کائنات کو اپنے تابع اس طریقے سے رکھ سکتا ہے جس طرح اللہ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کے ذریعے انسان کو بتایا ہے اور وہ طریقہ یہ ہے کہ انسان نے عبادت صرف اللہ کی کرنی ہے۔ اور اطاعت صرف اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کی کرنی ہے۔ اگر انسان ایسا کر لیتا ہے تو وہ کائنات کو تسخیر کر لیتا ہے۔ لیکن اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو پھر وہ کائنات میں موجود دوسرے بے شمار صمدوں کا غلام بن جاتا ہے۔ اب یہ فیصلہ انسان نے خود کرنا ہے کہ وہ صمد بن کر کائنات پر حکمرانی کرنا چاہتا ہے یا کائنات کو صمد مان کر اس کی غلامی کرنا چاہتا ہے۔

اگر انسان کائنات کو اپنا صمد مان لیتا ہے تو پھر وہ کائنات کو تسخیر نہیں کر سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ اللہ کو کائنات کا الصمد تسلیم کر کے اپنے آپ کو صمد مان لیتا ہے تو وہ کائنات کو بڑی آسانی سے تسخیر کر سکتا ہے چونکہ اللہ جو الصمد ہے نے کائنات کو بتایا ہوا ہے کہ انسان کائنات میں اس کا سب سے بڑا صمد ہے اور اس کا خلیفہ اور نائب ہے۔ اگر انسان اپنے آپ کو اس اعلیٰ اور ارفع مقام سے نیچے گرا لے تو پھر وہ کائنات کو کیسے تسخیر کر سکتا ہے اور اس پر اپنی حکومت کیسے قائم کر سکتا ہے؟

انسان نے اپنے آپ کو صمد کے درجے سے بہت نیچے گرا لیا ہے اسی وجہ سے وہ کائنات کی حقیر سے حقیر شے کا غلام اور اسیر بن گیا ہے۔ اور کیا ایسا انسان کائنات کو تسخیر کر سکتا ہے؟

لہٰذا انسان کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے رتبے اور مقام کو سمجھے اور اس طریقے کار سے آگاہی حاصل کرے جس کو اختیار کر کے وہ کائنات کو اپنی گرفت میں لا سکتا ہے۔ اگر انسان اس طریقے کو اختیار نہیں کرتا ہے تو جتنی چاہے وہ مادی ترقی کر لے اپنے آپ کو کائنات کی حقیر مخلوقات سے بھی آزادی دلانے کے قابل نہ ہو سکے گا۔ کائنات کو تسخیر کرنا یا اس پر حکومت قائم کرنا تو بہت دور کی بات ہے بلکہ ناممکنات میں سے ہے۔ اس طرح انسان اللہ کو الصمد مان کر، اس کی عبادت کر کے اور اللہ کے رسول ﷺ کو کائنات کا صمد تسلیم کر کے اور ان کی اطاعت کر کے اپنے آپ کو صمد ثابت کر سکتا ہے۔ اگر انسان اپنے آپ کو اس طرح صمد ثابت کر سکے تو وہ نہ صرف کائنات کی غلامی سے نجات پا لے گا۔ بلکہ کائنات کو اپنا غلام بنا کر اس پر اپنی حکومت اور حکمرانی بھی قائم کر سکے گا۔ جیسے آج اسنے زمین پر حکومت اور حکمرانی قائم کی ہوئی ہے۔ دنیا کے تمام انسان اپنے اندر یہ اہلیت اور قابلیت پیدا کر سکتے ہیں۔ لیکن جو انسان اپنے اندر صمد کی صفت زیادہ سے زیادہ پیدا کریں گے وہ دوسرے انسانوں سے ممتاز نظر آئیں گے اور جو بھی مثالی انسان ہوں گے کائنات ان کے سامنے ایک نہ ایک دن ضرور مسخر ہو جائے گی۔

کیا انسان ایک ایسا مثالی انسان نہیں بننا چاہتا؟ کیا وہ کائنات کو تسخیر نہیں کرنا چاہتا؟ اگر وہ ایسا انسان بننا چاہتا ہے اور کائنات کو تسخیر کرنا چاہتا ہے تو پھر وہ اللہ کو اپنا رب اور اللہ کے رسول ﷺ کو اللہ کا رسول کیوں تسلیم نہیں کرتا؟ اگر انسان اپنے اندر صمد کی صفت بدرجہ اتم پیدا کر لے تو وہ دوسرے صمدوں چاہے وہ دوسرے انسان ہوں یا کائنات کی دوسری مخلوقات سے بے نیاز ہو سکتا ہے لیکن اگر انسان اپنے اندر اس خوبی کو پیدا نہیں کرتا تو وہ دوسرے انسانوں اور مخلوقات کی غلامی سے نجات حاصل نہیں کر سکتا اور وہ انسان اور کائنات

کا بدستور غلام ہی رہے گا۔ جو انسان دوسرے انسانوں اور کائنات اور اس کی مخلوقات کا غلام ہو وہ انسانوں کو یا کائنات کو تسخیر کرنے کے قابل کیسے ہو سکتا ہے؟ انسان اپنی تاریخ پر غور کر کے معلوم کر سکتا ہے کہ ان ہی انسانوں نے انسان کو اور زمین کی مخلوقات کو تسخیر کیا جن کے اندر صمد کی صفت زیادہ سے زیادہ موجود تھی۔ جن انسانوں میں یہ صفت موجود نہ ہے وہ مادی ترقی کے باوجود آج تک دوسرے انسانوں کو ہی تسخیر نہ کر سکے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہی تسخیر نہ کر سکے ہیں۔ اگر وہ اپنے آپ کو تسخیر کر چکے ہوتے تو وہ کم از کم اپنی روح کو ہی مادی جسم سے آزاد کروا چکے ہوتے۔ اگر وہ اپنی روح کو اپنے مادی جسم سے آزاد نہ کروا سکے ہیں تو وہ اپنی زمین کو کائنات کے نظام سے بھلا کیسے آزاد کروا سکتے ہیں۔

اور اگر وہ زمین کو کائنات کے نظام سے الگ نہ کر سکے ہیں تو پھر وہ تسخیرِ کائنات کا دعویٰ کس طاقت کی بنا پر کرتے ہیں؟ ان کا یہ دعویٰ ایک کھوکھلا دعویٰ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اگر انسان واقعی تسخیرِ کائنات کا آرزومند ہے تو اسے کم از کم اپنے آپ کو آزاد کروانے کے لئے اللہ کی صفت الصمد سے فیض حاصل کر کے اپنے آپ میں صمد کی خوبی پیدا کر لینی چاہیے۔ پھر اس صفت کو فروغ دیکر اور ترقی دیکر پہلے اپنے آپ کو مادی جسم سے نجات حاصل کرنی چاہیے اور اگر وہ ایسا کر لیتا ہے تو پھر اسے دوسرے انسانوں کو تسخیر کرنا چاہیے۔ اس کے بعد زمین کی تسخیر اس طرح سے کرنی چاہیے کہ اسے اس کی تباہی اور بربادی کا کوئی اندیشہ نہ رہے۔ اگر وہ زمین کو، زمینی مخلوقات کو اور انسانوں کو تباہی اور بربادی کے اندیشہ سے محفوظ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر وہ اس قابل ہو جائیگا، کہ زمین کے علاوہ کسی اور سیارے اور ستارے کو تسخیر کرنے کا مشن اپنا سکے، لیکن اگر وہ زمین پر یہ کامیابیاں حاصل نہیں کر سکتا تو پھر وہ دوسرے سیاروں اور ستاروں کے بارے میں یہ کیسے گمان کر سکتا ہے کہ وہاں وہ ضرور کامیاب ہوگا؟ زمین پر ناکام انسان ستاروں سیاروں پر بھلا کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟ انسان کو پہلے زمین پر کامیاب ہونا پڑیگا پھر وہ ستاروں اور سیاروں پر بھی کامیاب ہو سکتا ہے۔ مادی ترقی کے باوجود انسان زمین پر ناکام ہو چکا ہے۔

وہ ستاروں اور سیاروں کی تلاش میں اس وجہ سے نہیں کہ وہ ان کو تسخیر کرنا چاہتا ہے بلکہ وہ اس وجہ سے ان کو تلاش کر رہا ہے کہ زمین کو تباہ کرنے کے بعد وہ اپنے لئے وہاں کوئی جائے پناہ حاصل کر سکے جہاں صرف چند مخصوص انسان یا انکے زرخرید غلام ہی زندہ رہ سکیں۔ اس طرح کیا یہ مشن انسان کی بقا کا ہے یا بربادی کا؟ اگر یہ مشن حقیقت میں انسان کی بربادی کا مشن ہے۔ تو پھر چند مخصوص انسانوں کو اس کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے کہ وہ زمین پر اربوں انسانوں کو ہلاکت کے منہ میں دھکیل کر اپنے لئے سیارے پر محل بنائے۔ کیا وہ انسانوں کے ساتھ مخلص ہیں اور وہ یہ مشن انسانوں کی بھلائی کیلئے جاری رکھے ہوئے ہیں تو وہ اپنی توانائیاں اور وسائل زمین کو آباد کرنے پر کیوں خرچ نہیں کرتے؟

انہوں نے انسانوں کی تباہی کیلئے تباہ کن ہتھیار کیوں بنا کر ذخیرہ کئے ہوئے ہیں اور وہ انسانوں کے مطالبہ کے باوجود ان خطرناک ہتھیاروں کو کیوں تلف نہیں کرتے ان حقائق کے باوجود اگر وہ اس مشن کو انسان کی بھلائی اور خوش حالی کا مشن قرار دیتے ہیں تو پھر دنیا کے انسانوں کو جان لینا چاہیے کہ چاند یا کسی اور سیارے پر ان کی زندگی یا منتقلی ممکن ہو یا نہ ہو وہ دنیا میں زمین پر زندہ رہنے اور آباد رہنے کے حق سے ضرور محروم ہو جائیں گے اور اگر وہ اس حق سے از خود دستبردار ہو کر خوش ہیں تو کل وہ مرتے وقت ضرور پشیمان ہوں گے، مگر اس وقت ان کی پشیمانی انہیں تباہی سے نہ بچا سکے گی اور وہ سیارے پر آباد ہونے کی حسرت دل میں لے کر اسی زمین میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دفن ہو جائیں گے۔ کاش انسان حقیقت کو جان سکے اور زمین میں اپنی زندگی کو محفوظ کر سکے۔ اگر انسان نے آج زمین پر اپنی زندگی اور بقا کا تحفظ نہ کیا تو پھر وہ کسی سیارے میں اپنی زندگی کو نہ قائم رکھ سکے گا، اور نہ ہی بقا دے سکے گا۔

زمین پر زندگی کو زیادہ مدت تک قائم رکھنے اور تحفظ دینے کیلئے ضروری ہے کہ انسان زمین کو آباد کرے تباہ نہ کرے۔ وہ انسان کو زندہ رکھنے کا انتظام کرے اس کی ہلاکت کا بندوبست نہ کرے۔ اللہ زمین پر انسان کی ایک مدت تک بقا چاہتا ہے۔ انسان اس مدت کو وسعت دینے کی بجائے کم سے کم کرنے پر کیوں تلا ہوا ہے۔ کیا ایسا کرنا انسان کی زندگی اور

بقا کیلئے ضروری ہے؟ کاش انسان ایسا نہ کرے تاکہ انسان ایک طویل مدت تک ایک خوشحال زندگی اس کرۂ ارض پر گزار سکے جس کا حق اسے الصمد اللہ نے دیا ہے۔ کیا انسان نعوذ باللہ الصمد ہے۔ تو پھر وہ صمد بنکر انسان کو زمین پر زندہ رکھنے کا بندوبست کیوں نہیں کرتا؟ اگر وہ حقیقی صمد بن جائے تو دنیا کے انسان اسے ایسا تسلیم کرنے پر اپنی آزاد مرضی سے راضی ہو جائیں گے، اور ان کو تسخیر کرنے کیلئے ان کو ہلاک کرنا ضروری نہ رہے گا۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ انسان کو صمد بنا دے یا پھر الصمد کا بندہ بنا دے چونکہ اسی میں انسان کی بھلائی اور انسانیت کی بقا کا راز پوشیدہ ہے۔ صمد بننے کیلئے انسان کو سخت محنت اور عظیم قربانی کی ضروری ہے لیکن الصمد کا بندہ بننے میں اسے صرف کلمہ طیبہ کو پڑھنے اور اس کا عامل بننے کی ضرورت ہے۔ کیا انسان یہ بھی نہیں کرسکتا؟ تو پھر وہ تسخیر کائنات کیسے کرسکتا ہے؟

3۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ

اللہ نہ کسی کی اولاد ہے اور نہ ہی اللہ کی کوئی اولاد ہے۔ اللہ تمام کائنات کا خالق اور مالک ہے اور جو ذات کائنات کی خالق اور مالک ہو اسے اپنی بقا کیلئے اولاد پیدا کرنے یا اولاد بنانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اللہ کائنات کا خالق اور مالک ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ چونکہ اللہ کسی کی مخلوق نہ ہے اس طرح وہ کسی کی اولاد نہیں۔ اولاد کی ضرورت صرف مخلوقات کو ہوتی ہے چونکہ وہ خود کسی کی اولاد ہوتی ہیں۔

انسان چونکہ ایک مخلوق ہے لہٰذا اسے اولاد کی ضرورت ہے اور وہ بھی کسی کی اولاد ہے۔ انسان اپنی تخلیق اور پیدائش دونوں کیلئے کسی نہ کسی کا محتاج ہے۔ وہ اپنی تخلیق کیلئے اللہ کا محتاج تھا اور اپنی پیدائش کیلئے اللہ کے علاوہ اپنے والدین کا محتاج ہے۔ اس طرح وہ اپنی نسل کی بقا کیلئے اپنی اولاد کا محتاج ہے۔ اگر انسان کی افزائشِ نسل بند ہو جائے تو انسان اس دنیا سے معدوم ہو جائے۔ لیکن چونکہ انسان کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے تخلیق کیا ہے اور اس میں اپنی روح ڈالی ہے اس طرح نہ تو انسان کی افزائش کبھی بند ہوگی اور نہ ہی انسان مرنے کے بعد کبھی فنا ہوگا۔ ہم ان شاء اللہ انسان کی بقا کے بارے میں موت و حیات کی حقیقت

کے تحت عنوان میں ذرا تفصیل سے غور کرینگے۔

انسان کا اللہ سے صرف مخلوق اور خالق کا تعلق ہے۔ اللہ خالق ہے اور انسان مخلوق ہے، لیکن چونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اس وجہ سے اللہ نے انسان کو اسے اپنا نائب بنا کر زمین پر بھیجا ہے اور وہ زمین پر حکمرانی کر رہا ہے۔ اللہ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو اپنا حبیب بنا رکھا ہے اس طرح تمام کائنات انسان کو ان کا امتی ہونے کی وجہ سے اپنا آقا اور حاکم تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ اگر اللہ کا انسان کے ساتھ صرف خالق اور مخلوق کا رشتہ ہے تو پھر کسی اور مخلوق سے اللہ کا کوئی اور رشتہ کیسے ہوسکتا ہے۔ مخلوقات کو اپنا وجود قائم رکھنے کی خاطر اللہ کی ضرورت ہے، لیکن اللہ کو ایسی کوئی ضرورت نہ ہے۔ وہ ان تمام ضرورتوں اور حاجتوں سے پاک اور منزہ ہے۔

اولاد نرینہ انسان کی بقا کا ایک نہایت اہم ستون خیال کیا جاتا ہے لیکن اللہ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو اس سے محروم کرنے کے باوجود انہیں وہ بقا عطا کی ہے جو بے مثل اور بے مثال ہے۔ اس طرح اگر اللہ کے رسول ﷺ کو اپنی بقا کیلئے اولاد نرینہ کی ضرورت نہیں تو پھر اللہ کو بھلا اولاد کی کیا ضرورت ہے؟

انسان اپنی اولاد کا مجازی خالق ہونے کے باوجود اس کا مالک نہیں ہوتا۔ اللہ جب چاہتا ہے اس سے اس کی اولاد چھین لیتا ہے لیکن اللہ اپنی مخلوق کا حقیقی مالک ہے اور اس ملکیت میں کوئی حصے دار نہ ہے۔

انسان اگر اللہ کو اپنا خالق تسلیم کر لے تو پھر اسے بھی اپنی بقا کیلئے اولاد کی ضرورت نہیں رہتی اور وہ بے اولاد ہوتے ہوئے ایسی بقا حاصل کر سکتا ہے جو بڑے سے بڑے صاحبِ اولاد حاصل کرنے کی سوچ بھی نہیں سکتے۔ صاحب اولاد اور صاحبِ والدین ہوتا البتہ انسان کی ایک فطری ضرورت ہے جس سے وہ بے نیاز نہ ہوسکتا ہے اور اپنی بقا کیلئے وہ اس فطری ضرورت کو پورا کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ لیکن یہ سوچ کہ وہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے بعد بقا حاصل کر لے گا درست نہ ہے۔ اسے اپنی بقا کیلئے اللہ کو اپنا خالق اور مالک ماننا ہوگا

اور اللہ کے رسول ﷺ کو اللہ کا رسول تسلیم کرنا ہوگا۔ اگر ان حقیقتوں کو انسان تسلیم نہیں کرتا تو وہ بے شک اربوں انسان پیدا کر لے اور ان کو زمین کے علاوہ کسی اور سیارے میں آباد کر لے وہ اپنی بقا کو محفوظ نہیں کر سکتا۔ کیا انسان اپنی بقا نہ چاہتا ہے؟ کیا وہ اپنی بقا کی جنگ نہ لڑ رہا ہے؟ اگر وہ اپنی بقا چاہتا ہے اور بقا کی جنگ میں کامیاب ہونا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ بقا دینے والے اللہ سے اپنا رشتہ مستحکم کرے اور بقا حاصل کرنے والے رسول کی اطاعت کر لے۔ کاش انسان اس حقیقت کو جان سکے اور اپنی بقا کا انتظام کر سکے۔ اگر انسان اپنی حقیقی بقا کا خاطر خواہ انتظام کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ تو پھر وہ تسخیر کائنات کے سفر پر روانہ ہونے کا آغاز کر سکتا ہے۔ لیکن اگر انسان اسی میں ناکام ہو جاتا ہے تو وہ نہ تو اپنے جسم کو اس زمین سے آزاد کروا سکے گا۔ اور نہ ہی اس دنیا کے قید خانے سے کبھی رہائی حاصل کر سکے گا۔

4۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

کائنات میں اگر کوئی حقیقی سپر طاقت ہے تو وہ اللہ ہے۔ اللہ کے برابر اس کائنات میں کوئی ہستی نہیں۔ اس کائنات میں اللہ کا کوئی ہمسر نہیں۔ انسان اللہ کا نائب اور خلیفہ ہونے کی وجہ سے کائنات میں ایک یکتا اور بے مثال حیثیت رکھتا ہے۔ اس طرح اللہ کے بعد اس کائنات میں انسان ایک سپر طاقت ہے۔ کائنات میں انسان کے برابر کوئی نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی ہم سر ہے۔ انسانوں میں اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کائنات کی سپر طاقت ہیں اور ان کے برابر اور ہم سر کوئی انسان نہ ہے۔

اس طرح انسان اگر ایک سپر طاقت بن سکتا ہے تو صرف حقیقی سپر طاقت کو اپنا رب اور مجازی سپر طاقت کو اللہ کا رسول تسلیم کر کے بن سکتا ہے۔ اگر انسان اس طرح ایک سپر طاقت بن جاتا ہے وہ کائنات کو تسخیر کر سکتا ہے۔ اگر وہ ایک ایسی سپر طاقت نہیں بن سکتا تو پھر کائنات کیا وہ زمین کو بھی تسخیر نہیں کر سکتا۔

انسان اپنے آپ کو آج ایک سپر طاقت قرار دیتا ہے لیکن کیا وہ اپنے آپ، دوسرے

انسانوں، دوسری مخلوقات اور زمین کو مسخر کر سکا ہے۔ ظاہر ہے وہ ان کو تسخیر کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا ہے تو وہ پھر کس طرح کائنات کو تسخیر کر سکتا ہے؟ آج کا سپر انسان مظاہر فطرت کے سامنے بے بس ہے تو پھر وہ کائنات پر کیسے حاوی ہو سکتا ہے؟

اللہ کی یہ چار صفات اللہ کی آخری اور مکمل الہامی کتاب قرآن مجید کی ایک مختصر سورہ میں بیان کی گئیں ہیں جس کو سورہ اخلاص کا نام دیا گیا ہے۔ اس سورہ کو قرآن مجید کا ایک تہائی حصہ قرار دیا گیا ہے۔

اس سورہ کو جو انسان اخلاص سے پڑھ لیتا ہے یعنی تعصب کی عینک اتار کر اسے پڑھتا ہے اور اس میں بیان کی گئی حقیقتوں پر سچے دل سے عادلانہ اور منصفانہ طور پر غور کرتا ہے تو وہ یہ ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کہ واقعی اللہ ہی کائنات کا خالق اور مالک ہے اور وہ ہی اس کا رب ہو سکتا ہے۔ اس طرح وہ ان صفات کو تسلیم کر کے اللہ کی وحدانیت کو مان لیتا ہے۔ اللہ کی توحید کو تسلیم کرنا قرآن مجید کے ایک تہائی کو تسلیم کرنا ہے۔ یہ صفات آج کے ترقی یافتہ انسان کیلئے ایک چیلنج کا درجہ رکھتی ہیں۔

کیا انسان ان صفات کو اللہ کے علاوہ کسی اور ہستی یا ذات میں موجود پاتا ہے؟ اگر اللہ کے علاوہ کائنات میں کوئی اور ہستی ہے تو اس کی نشاندہی کرے۔ انسان قدرت میں ان صفات کا موجود ہونا تسلیم کرتا ہے تو کیا وہ یہ بتا سکتا ہے کہ کیا قدرت حقیقت میں اللہ ہی نہیں اور اگر قدرت حقیقت میں اللہ ہی ہے تو پھر وہ اللہ کو اس کے ذاتی نام سے کیوں نہیں پکارتا؟ وہ اللہ کو قدرت اور فطرت کا نام دیکر اپنے آپ اور دوسرے انسانوں کو کیوں دھوکہ دیتا ہے اور گمراہ کرتا ہے؟ کیا اللہ کے منکر قدرت اور فطرت کا انکار کر سکتے ہیں؟ اور اگر وہ یہ انکار نہیں کر سکتے تو پھر وہ اللہ کے وجود سے کیسے انکار کر سکتے ہیں؟ لیکن اس کے باوجود وہ اللہ کے وجود کا انکار کرتے ہیں تو کیا ان کا رویہ عادلانہ اور منصفانہ ہے؟ اگر یہ رویہ عادلانہ اور منصفانہ نہیں تو وہ اسے تبدیل کیوں نہیں کر لیتے؟ کیا ان کو یہ ڈر ہے کہ اللہ کو تسلیم کرنے سے وہ سپر طاقت نہ رہیں گے؟ لیکن کیا وہ اس حقیقت سے انکار کر سکتے ہیں کہ وہ آج اللہ ہی کی

وجہ سے زمین پر ایک سپر طاقت ہیں اور اگر آج وہ موت سے ہمکنار ہو جائیں تو دنیا میں انہیں کون سپر طاقت کے نام سے یاد رکھے گا؟

آج انسان دنیا میں اگر سپر طاقت ہے تو محض اللہ کی وجہ سے ہے۔ جب تک اللہ چاہے گا وہ سپر طاقت رہے گا اور جب چاہے گا اس سپر طاقت کو زمین کی خاک بنا دے گا۔ اگر انسان دنیا کی ایک مستقل سپر طاقت بننا چاہتا ہے تو اسے اللہ کو اپنا رب تسلیم کرنا ہوگا اور اس کی بندگی کرنا ہوگی۔ اور وہ ایسا کر لیتا ہے تو وہ نہ صرف دنیا کی ایک سپر طاقت بن جائے گا بلکہ کائنات کی ایک سپر طاقت بن جائیگا۔ مزید برآں اسے یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ اللہ کے بعد کائنات کی ایک سپر طاقت ہیں۔ اس طرح ان کی اطاعت کر کے ہی وہ دنیا کی اور کائنات کی ایک سپر طاقت بن سکتا ہے۔ اگر اس طرح وہ ایک سپر طاقت بن جاتا ہے تو وہ تسخیر کائنات کے ناممکن مشن کو ممکن بنا سکتا ہے۔ اس کے لئے اسے صرف کلمہ طیبہ کو خلوص کے ساتھ پڑھنا ہے اور اس پر خلوص دل کے ساتھ عمل کرنا ہے۔ اگر انسان سورۃ اخلاص کو خلوصِ دل سے پڑھ لے اور اس پر خلوص دل سے عمل کر لے تو اسے یہ جان لینا چاہیے کہ اس نے قرآن پاک کے ایک تہائی حصہ کو پڑھ کر اس پر عمل کر لیا ہے۔ لیکن اگر وہ اس سورہ کو اخلاص سے نہ پڑھ سکا اور اس پر خلوصِ دل سے عمل نہ کر سکا تو پھر وہ بیشک قرآن کو حفظ کر لے یا اس کے لاکھوں ختم کر لے یا ہزاروں تفسیریں کر لے وہ دنیا کی ایک سپر طاقت نہ بن سکتا ہے۔ اگر وہ دنیا کی سپر طاقت نہ بن سکا تو کائنات کی سپر طاقت بھلا کیسے بن سکتا ہے؟

اگر انسان نے یہ دیکھنا ہو کہ کیا وہ اس سورہ کو اخلاص سے پڑھ سکا ہے یا اخلاص سے اس پر عمل کر سکا ہے تو پھر اسے اپنا محاسبہ خود کرنا چاہیے اور سورہ الکافرون کو پڑھ کر اور اس میں غور و خوض کر کے اپنے بارے میں خود ہی فیصلہ کر لینا چاہیے۔ اگر تو اس کا کردار اللہ کے رسول ﷺ کے کردار سے مطابقت رکھتا ہے تو پھر اس نے اس سورہ کو اخلاص سے پڑھ اور سمجھ لیا ہے لیکن اگر اس کا کردار انکار کرنیوالوں سے مشابہت رکھتا ہے تو اسے جان لینا

چاہیے کہ ابھی اس نے سورہ اخلاص کی تلاوت اخلاص سے نہ کی ہے۔ اسے چاہیے کہ پہلے اس سورہ کی اخلاص سے تلاوت کرے، اس کو حفظ کرے، اس کی تفاسیر کر لے، اس کے ختم کر لے پھر وہ قرآن کی دوسری سورتوں کی تلاوت کرے۔ لیکن اگر وہ سورہ اخلاص کی تلاوت اور اس کے مطالب سمجھنے میں ناکام ہو گیا تو پھر وہ پورے قرآن مجید سے کوئی خاطر خواہ فایدہ حاصل نہ کر سکے گا۔ ایک تہائی قرآن کی تلاوت اور تفہیم کیلئے سورہ اخلاص کی تلاوت اور تفہیم نہایت ضروری ہے۔ اس سورہ کی تفہیم کلمہ طیبہ ہے، اور کلمہ طیبہ کی تفہیم سورہ کوثر ہے جس کے حقائق کا جائزہ اللہ کی چند اہم صفات بیان کرنے کے بعد پیش کیا جائے گا۔ البتہ یہاں اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ سورہ کوثر مکمل قرآن ہے۔ اور اس کی تفہیم مکمل قرآن کی تفہیم ہے۔

5۔ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ

اللہ ازل سے زندہ ہے اور ابد تک زندہ رہیگا۔ اللہ اپنی زندگی کیلئے کسی کا محتاج نہیں۔ اللہ کی زندگی کو کسی سے کوئی خطرہ اور اندیشہ نہیں۔ اللہ نہ صرف ازل سے زندہ ہے اور ابد تک زندہ رہے گا بلکہ اس نے کائنات کو زندگی دی ہوئی ہے اور اسکی زندگی کو قائم بھی رکھا ہوا ہے۔ اگر اللہ چاہے تو آنِ واحد میں یہ کائنات مردہ ہو سکتی ہے۔ کائنات اپنی زندگی کیلئے ہر وقت اور ہر لحہ اللہ کی محتاج ہے، لیکن اللہ کو اس کی کوئی حاجت نہ ہے۔ انسان بھی اپنی زندگی کیلئے اللہ کا محتاج ہے۔ وہ اپنی زندگی کو از خود قائم نہ رکھ سکتا ہے۔ جب تک اللہ چاہتا ہے وہ زندہ رہتا ہے، اور جب اللہ کا حکم آ جاتا ہے وہ مر جاتا ہے۔ جب اللہ کا حکم آ جائیگا وہ زندہ ہو جائیگا، اور جب تک اللہ چاہے گا زندہ رہے گا۔ کیا کائنات میں اللہ کے سوا کوئی ہستی اور ذات ہے جو انسان کو زندگی دے سکتی ہے، اور اس کی زندگی کو قائم رکھ سکتی ہے۔ نہیں بالکل نہیں۔ پھر انسان اللہ کو اپنا رب تسلیم کیوں نہیں کرتا؟

کائنات کو محض انسان کیلئے زندہ کیا گیا ہے اور انسان کی زندگی کیلئے ہی اس کی زندگی کو قائم رکھا گیا ہے۔ وہ انسان اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ ہیں تو کیا انسان کائنات کی

جان کو اللہ کا رسول تسلیم نہیں کریگا۔ اگر انسان ان کو اللہ کا رسول تسلیم نہیں کرے گا تو پھر وہ کائنات کو کس طرح اپنے تسلط میں لا سکے گا؟ انسان ان کو اللہ کا رسول تسلیم کیے بغیر نہ زندہ رہ سکتا ہے۔ اور نہ ہی اپنی زندگی کو قائم رکھ سکتا ہے۔

زمین کو انسان کیلئے زندہ کیا گیا ہے، اور اس کی زندگی کو قائم رکھا گیا ہے۔ جب تک انسان اللہ کو اپنا رب اور حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا رسول تسلیم کرتا رہیگا یہ زمین خود بھی زندہ رہے گی اور انسان بھی اس پر زندہ رہ سکیں، لیکن جب انسانوں کی غالب اکثریت ایسا کرنا چھوڑ دے گی تو یہ زمین بھی مردہ ہو جائیگی اور انسان بھی اس زمین پر زندہ نہ رہ سکے گا۔

انسان نے چاند کو دیکھا ہے وہ بظاہر زندہ نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں مردہ ہے۔ وہ مردہ نظر آتا ہے لیکن وہ حقیقت میں زندہ ہے چونکہ وہ اپنے تخلیقی مقاصد کو پورا کر رہا ہے۔

چاند زمین کو زندہ رکھنے اور انسان کو ماہ و سال کا حساب کتاب بتانے کیلئے زندہ ہے اور وہ اپنا یہ کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام دے رہا ہے۔ جب زمین کو زندہ رکھنے کی ضرورت نہ رہے گی یا انسان موت کی آغوش میں جاکر ماہ سال کے حساب کتاب سے بے نیاز ہو جائیگا تو زمین کے ساتھ ساتھ چاند بھی تباہ ہو جائے گا۔ اس طرح انسان کو جان لینا چاہیے کہ چاند کا وجود زمین کے وجود کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ اسے یہ بھی جان لینا چاہیے کہ جب تک اسے زندہ رہنا ہے زمین پر ہی زندہ رہنا ہے۔ لہٰذا اسے اللہ کو اپنا رب تسلیم کر لینا چاہیے تاکہ وہ زمین کو زیادہ مدت تک زندہ رکھے۔

اسی طرح انسان کو انسانوں کی جان اللہ کے رسول ﷺ کو اللہ کا رسول تسلیم کر لینا چاہیے تاکہ وہ زمین پر زیادہ سے زیادہ دیر تک آباد رہ سکے۔ اگر انسان ان دونوں حقیقتوں کا انکار کرتا ہے تو اسے ہر وقت اپنی موت اور زمین کی بربادی کا انتظار کرنا چاہیے چونکہ یہ لمحہ کسی وقت بھی آ سکتا ہے پھر وہ کائنات کو تسخیر کرنے کی بجائے زمین کی خوراک بن کر اس آگ کا ایندھن بن جائیگا جسے دوزخ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اب انسان نے یہ فیصلہ خود کرنا ہے کہ وہ زندہ رہنا چاہتا ہے یا مرنا چاہتا ہے۔ زمین کو آباد رکھنا چاہتا ہے یا تباہ کرنا چاہتا

ہے؟اس طرح اگر اس نے موت اور تباہی کا راستہ اختیار کیا جو اس نے کیا ہوا ہے تو پھر کوئی سیارہ اور ستارہ اسے بچا نہ سکے گا، جن کو مسخر کرنے کا اس پر بھوت سوار ہے۔کاش انسان حقیقتِ حال کو جان کر اپنی اصلاح کر سکے۔

6۔لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ

اللہ اونگھ اور نیند سے بے نیاز ہے۔دنیا کی تمام جاندار چیزیں سوتی اور اونگھتی ہیں۔اگر اللہ ان کی یہ نعمت سلب کر لے تو وہ زیادہ دیر تک زندہ نہ رہ سکتیں ہیں۔لیکن دنیا میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو ہمیں بے جان نظر آتی ہیں لیکن وہ حقیقت میں زندہ ہوتی ہیں لیکن وہ نہ سوتی ہیں اور نہ اونگھتی ہیں۔اگر بالفرض زمین کو اونگھ آ جائے یا وہ سو جائے تو کیا وہ اپنی گردش کو قائم رکھ سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔اگر ایک سیکنڈ کیلئے زمین کی گردش بند ہو جائے تو کیا زمین اپنی موجودہ حالت کو برقرار رکھ سکتی ہے؟ بالکل نہیں۔اگر زمین کی موجودہ حالت برقرار نہ رہے تو کیا انسان اس پر زندہ رہ سکتا ہے؟ قطعاً نہیں۔اسی طرح چاند کی مثال ہمارے سامنے ہے۔سورج بھی اسی طرح کی ایک مثال ہے۔پورا نظام شمسی اس کی زندہ مثال ہے۔اس طرح اللہ جسے چاہتا ہے اپنی اس صفت میں سے ایک حقیر سا حصہ دے دیتا ہے تاکہ نظام کائنات کو قائم رکھا جا سکے۔

اس طرح انسان کو بھی اللہ نے اپنی اس صفت میں سے ایک معمولی سا حصہ عطا کیا ہے۔اسی وجہ سے انسان اونگھنے اور سونے کے باوجود زندہ رہتا ہے۔سونے کے عمل کو عارضی موت کا نام دیا جاتا ہے۔اگر اللہ انسان کو عارضی موت کے بعد زندگی دے سکتا ہے تو پھر حقیقی موت کے بعد بھی اسے کیوں زندہ نہیں کر سکتا ہے۔انسان سونے کی حالت میں بظاہر مردہ ہوتا ہے۔لیکن حقیقت میں زندہ ہوتا ہے۔اس طرح انسان مرنے کے بعد مردہ نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں وہ زندہ ہی ہوتا ہے اور ایک طویل نیند کی حالت میں ہوتا ہے۔ اس طرح تمام انسان ازل سے زندہ ہیں اور ابد تک زندہ رہینگے چونکہ وہ اشرف المخلوقات ہیں۔اس طرح اللہ نے تمام انسانوں کو اپنی اس صفت سے متصف کیا ہوا ہے لیکن انسان کی

یہ صفت عطائی ہے اور محدود مقاصد کیلئے ہے جبکہ اللہ کی یہ صفت ذاتی اور لامحدود ہے۔

اللہ نے تمام انسانوں میں سے جس انسان کو زیادہ اس صفت سے نوازا ہے وہ اللہ کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ کائنات کی تخلیق سے پہلے بھی اللہ کے رسول تھے۔ کائنات کی تخلیق کے بعد بھی اللہ کے رسول رہے ہے۔ حضرت آدم کی تخلیق کے وقت بھی اللہ کے رسول تھے۔ ان کے زمین پر آنے کے وقت بھی اللہ کے رسول تھے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اور رسول جب دنیا میں آئے اس وقت بھی اللہ کے رسول تھے۔ اپنی پیدائش سے پہلے بھی اللہ کے رسول تھے۔ نبوت کا اعلان کرنے سے قبل بھی اللہ کے رسول تھے۔ اپنی موت کے بعد بھی ابتک اللہ کے رسول ہیں۔ قیامت تک اللہ کے رسول رہیں گے۔ اور یوم محشر تک اللہ کے رسول رہیں گے۔ اس کے بعد اللہ کے حبیب ہو جائیں گے۔ اسی وجہ سے آپ کی رسالت کا اعلان آسمانوں پر اللہ نے کیا جس کی تائید انبیاء نے کی۔ زمین پر رسالت کا اعلان انبیاء نے کیا اور ان کی امتوں نے ان کی تائید کی اور آج سے چودہ سو سال قبل آپ نے خود اپنی رسالت کا اعلان کیا جس کی تائید صحابہ اور اہل بیت نے کی۔ آج بھی آپ ﷺ کی رسالت کا اعلان ہو رہا ہے۔ اور خوش قسمت انسان تائید کر رہے ہیں۔ قیامت تک آپ ﷺ کی رسالت کا اعلان ہوتا رہے گا۔ اور خوش نصیب انسان اس کی تائید کرتے رہیں گے۔ کیا انسان اللہ کو اپنا رب مان کر اور اللہ کے رسول ﷺ کو ان کا رسول مان کر زندہ جاوید نہیں ہونا چاہتا۔ کیا وہ ان حقیقتوں کو تسلیم کر کے اللہ کے حبیب کا حبیب نہیں بننا چاہتا۔ اگر انسان اپنے آپ کو موت کے جنگل سے آزاد کروانا چاہتا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ایک مثالی زندگی چاہتا ہے۔ تو اسے کلمہ طیبہ کو خلوص دل کے ساتھ پڑھنا ہوگا۔

اگر انسان نے ایسا نہ کیا تو وہ جاگ کر بھی سوتا ہوا پایا جائے گا۔ اور زندہ ہوتے ہوئے بھی ایک مردہ قرار دیا جائے گا۔ اور ایک سویا ہوا انسان یا مردہ انسان جسے اپنے حال کی خبر نہیں ہوتی کائنات کو کیسے تسخیر کر سکے گا؟ انسان بے شک اپنے آپ کو جاگتا اور زندہ ثابت

کرتا رہے لیکن کائنات اسے کبھی زندہ تسلیم نہیں کرے گی۔ کیا نفسانی خواہشات کا اسیر اور توہمات کا غلام انسان اپنے آپ کو زندہ کہلانے کا حقدار ہے۔ اگر انسان اس قید سے رہائی نہ پا سکا ہے۔ تو وہ زمین و آسمان کے قید خانے سے کیسے آزاد ہو سکتا ہے؟

اگر انسان زندہ ہے تو پھر اسے اللہ کیوں نظر نہیں آتا جو اونگھنے اور سونے سے بھی بے نیاز ہے۔ اور اسے اللہ کے رسول ﷺ کیوں دکھائی نہیں دیتے جن کی زندگی اور حیات کا اعلان خود اللہ کر رہا ہے۔ کاش انسان زندہ ہوتا تاکہ وہ ان زندہ حقیقتوں کو جان جاتا۔

کائنات کا نظام خود بخود نہ چل رہا ہے بلکہ اسکا چلانے والا اللہ ہے جسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند آتی ہے۔ اگر نعوذ باللہ اسے اونگھ آ جائے تو کائنات آنِ واحد میں درہم برہم ہو جائے اور کائنات کو تسخیر کرنے والا انسان زمین کے پہاڑوں کے نیچے پس کر ریزہ ریزہ ہو جائے۔

7۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

آسمانوں اور زمین کا مالک اللہ ہے۔ آسمانوں اور زمین کے اندر جو کچھ ہے ان کا مالک بھی اللہ ہے۔ اللہ کی اس ملکیت میں کوئی ذات یا ہستی حصے دار نہ ہے۔

زمین کا مالک بھی اللہ ہے اور زمین کے اندر جو خزانے پوشیدہ ہیں ان کا مالک بھی اللہ ہے۔ یہ زمین اور اس کے خزانے اللہ نے اس کے (انسان) تصرف میں دے رکھے۔ انسان ان کا مالک نہیں بلکہ امین ہے۔ اللہ نے انسان کو جسمانی قویٰ اور ذہنی صلاحیتیں عطا کی ہوئی ہیں۔ انسان ان کا مالک نہیں بلکہ امانتدار ہے۔ اللہ نے زمین کی امانت میں انسان کو دے رکھا ہے۔ اس طرح زمین بھی امانت دار ہے۔ زندہ انسان زمین کی امانت میں ہوتا ہے۔ اور مرنے کے بعد دوسرے انسان اسے زمین کی امانت میں دے دیتے ہیں۔ زمین اس امانت کا فرض بڑی خوش اسلوبی سے ادا کر رہی ہے۔ وہ انسان کو ایک مدت تک زندہ رکھتی ہے، اور پھر مرنے کے بعد اسے اپنی امانت میں رکھ لیتی ہے۔ اور جب اللہ کا حکم ہوگا اس امانت کو اس کے خالق کے سپرد کر دے گی۔

سائنس اور ٹیکنالوجی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ زمین ایک اچھی امانت دار ہے۔ اس

نے انسان کی ایک ایک حرکت۔ ایک ایک فعل اور ایک ایک آواز کو محفوظ رکھا ہوا ہے۔ اس نے انسان کے جسم کے ایک ایک ذرے کو کسی نہ کسی حالت میں محفوظ رکھا ہوا ہے۔

انسان اشرف المخلوقات ہے اگر زمین ایک حقیری مخلوق ہونے کے باوجود ایک اچھی امانت دار ہے تو انسان ایک اچھا امانت دار کیوں نہ ہو سکتا ہے؟ اگر وہ ایک اچھا امانت دار ہے تو پھر وہ اپنے آپ کو دوسرے انسانوں کو اور زمین کو تباہ کیوں کرتا ہے۔ اگر زمین اپنے آپ کو امانت دار ثابت کر رہی ہے تو انسان اپنے آپ کو امانت دار کیوں ثابت نہ کر سکا ہے؟ کیا انسان اس ثبوت کے بغیر اپنے آپ کو اشرف المخلوقات ثابت کر سکتا ہے۔ اور اگر وہ ایسا نہ کر سکتا ہے تو پھر کائنات کو اس کی امانت میں کیسے دیا جا سکتا ہے؟ اگر کائنات کو اس کی امانت میں نہ دیا جائے تو وہ کائنات کو کیسے تسخیر کر سکتا ہے؟ زمین کو اللہ نے انسان کی امانت میں دیا ہوا ہے اور کائنات کو بھی اللہ ہی انسان کی امانت میں دے سکتا ہے۔ اگر انسان زبردستی اپنے جسم اور روح کو اپنی امانت میں نہ لا سکتا ہے تو وہ اپنی زمین کو اپنی امانت میں کیسے لا سکتا ہے؟ اور اگر وہ زبردستی زمین کو اپنی امانت میں نہ لا سکتا ہے تو پھر کائنات کو بھلا اپنی امانت میں کیسے لا سکتا ہے؟ جو انسان اپنے جسم اور روح کا مالک نہ ہو سکتا ہے وہ بھلا زمین اور آسمانوں کا مالک کیسے ہو سکتا ہے؟

انسان کا جسم انسان کے پاس اللہ کی امانت ہے۔ انسان کی روح اللہ کی امانت ہے۔ انسان کی اولاد اللہ کی امانت ہے۔ دوسرے انسان اللہ کی امانت ہیں۔ زمین کے خزانے اللہ کی امانت ہیں اور اگر انسان ان امانتوں کے حقوق ادا نہیں کرتا تو پھر وہ کیسے خیال کرتا ہے کہ آسمانوں میں موجود ستاروں، سیاروں، کہکشاؤں اور ان میں موجود خزانوں کو انسان کی امانت میں دے دیا جائے گا؟

اگر انسان نے اپنے آپ کو بد دیانت ثابت کر دیا ہے تو پھر وہ پہلی امانتوں کو اپنے پاس رکھنے کا حقدار نہیں رہتا چہ جائکہ دوسرے خزانوں کو اس کی امانت میں دے دیا جائے۔ اگر انسان حاصل شدہ امانتوں کو اپنے پاس زیادہ دیر تک رکھنا چاہتا ہے اور دوسرے خزانوں

کو اپنی امانت میں لانا چاہتا ہے تو اسے اللہ کے حقِ ملکیت کو تسلیم کر کے اپنے فرض امانت کو پورا کرنا ہوگا۔ اگر وہ ایسا کر لیتا ہے تو حاصل شدہ امانتیں زیادہ مدت تک اس کے پاس رہ سکتیں ہیں اور دوسرے خزانوں کو اس کی امانت میں دیا جا سکتا ہے۔ کیا انسان ایسا نہ چاہتا ہے؟ اگر وہ ایسا چاہتا ہے تو پھر اللہ کے حق ملکیت کو تسلیم کیوں نہیں کرتا اور اپنے فرض امانت کو ادا کیوں نہیں کرتا۔ اگر انسان اس حق ملکیت کو تسلیم نہ کرے گا۔ اور فرض امانت کو ادا نہیں کریگا۔ جیسا کہ وہ کر رہا ہے تو اس کا مالک اور زمین کا مالک اللہ کسی وقت انسان کو اس امانت سے سبکدوش کرنے کیلئے اسے ہلاک کر سکتا ہے اور زمین کو تباہ کر سکتا ہے۔ کیا انسان اپنے آپ کو موت سے اور زمین کو تباہی سے بچانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اگر وہ یہ صلاحیت نہ رکھتا ہے تو پھر کائنات کو تسخیر کرنے کے منصوبے کیوں اور کیسے بنا رہا ہے؟ کاش انسان حقیقت کو سمجھ کر اپنی اصلاح کر سکے۔

اللہ نے کائنات کا خالق اور مالک ہونے کے باوجود انسان کو زمین پر اپنی خلافت دے کر آزادی دے رکھی ہے۔ کائنات میں اس قسم کی آزادی کسی اور شے کو حاصل نہ ہے۔ ہر شے اپنی اس امانت کا پورا پورا حق ادا کر رہی ہے جو اسے سونپی گئی ہے۔ لیکن انسان کو امانت دینے کے بعد آزاد کر دیا گیا ہے۔ چاہے تو امانت کا حق ادا کرے چاہے تو نہ کرے لیکن اسے یہ بتا دیا گیا ہے کہ اگر وہ اس امانت کا حق ادا کریگا تو اسے کائنات کی خلافت دے دی جائے گی اور اگر امانت کے فرض سے پہلوتہی کرے گا یا بددیانتی کا مرتکب ہوگا تو اس کو اس دنیا کی خلافت سے معذور کر کے دوزخ کے قید خانے میں بند کر دیا جائے گا۔ اب یہ فیصلہ انسان نے خود کرنا ہے کہ وہ کائنات کی خلافت چاہتا ہے یا زمین کی خلافت سے محروم ہو کر ایک قیدی کی زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ اس طرح انسان کا امانتدار ہونا زمین پر خلافت حاصل کرنے کیلئے نہایت ضروری ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ میں امانت کی یہ صفت بدرجہ اتم موجود تھی اور نبوت کے اعلان سے قبل ہی سب آپ ﷺ کو امین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ اللہ نے غیوب کا جو علم دیا وہ آپ ﷺ نے انسانوں تک بلاکم و کاست پورا

پورا پہنچا دیا۔ اس طرح اللہ نے اپنی آخری الہامی کتاب قرآن پاک میں بارہا امانت دار کے طور پر آپ ﷺ کی تعریف کی۔ اس طرح انسان آپ ﷺ کی اطاعت کر کے ایک امانت دار انسان بن سکتا ہے اور زمین کی خلافت کا حقدار ہو سکتا ہے۔

کائنات کا نظام خوش اسلوبی سے اسی وجہ سے چل رہا ہے، چونکہ کائنات کی ہر شے اپنا اپنا حقِ امانت پوری طرح ادا کر رہی ہے۔ انسان کی خلافت کا نظام بھی زمین پر مثالی طور پر چلتا رہا جب تک انسان اپنا حقِ امانت خلوص سے ادا کرتا رہا ہے لیکن جوں ہی انسان نے حقِ امانت کو ادا کرنا چھوڑ دیا خلافت کا نظام درہم برہم ہو گیا۔ اور آج تک انسان زمین پر اس نظام کو بحال نہ کر سکا ہے۔ اگر انسان آج بھی خلوصِ دل سے حق امانت کو ادا کرنا شروع کر دے تو خلافت کا وہ مثالی نظام دوبارہ اس زمین پر قائم ہو سکتا ہے۔

انسان کو بارِ امانت اٹھانے اور اس سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برا ہونے کیلئے اسے ایک ضابطہ حیات دیا گیا ہے، جو قرآن اور سنت کی شکل میں انسان کے پاس موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔ اگر انسان نظامِ حیات کو اس کے مطابق بنا لے تو وہ آج بھی امانت دار بن کر زمین کی خلافت حاصل کر سکتا ہے اور اگر وہ خلافت کو کامیابی سے چلا لے تو پھر کائنات کی خلافت حاصل کر کے تسخیرِ کائنات کی منزل کو پا سکتا ہے۔ اگر انسان ایسا نظام حیات قائم کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے تو پھر وہ زمین پر خلافت حاصل نہ کر سکتا ہے اور اگر وہ زمینی خلافت حاصل نہ کر سکا تو پھر وہ کائنات کی خلافت کبھی حاصل نہ کر سکے گا۔

انسان کا امانت دار ہونا اس کے اپنے فائدے اور دوسرے انسانوں کے فائدے میں ہے۔ چونکہ اس طرح انسان صرف وہ کام کر سکتا ہے جس سے اس کی ذات اور دوسرے انسانوں کو فائدہ ہو وہ ایسے کام نہ کر سکتا ہے جن سے اس کی اپنی ذات یا دوسرے انسانوں کو نقصان یا ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اس طرح انسان دوسروں کو فائدہ پہنچا کر اور ان کو نقصان اور ضرر سے محفوظ رکھ کر تسخیرِ انسان کی اولین منزل تک پہنچ سکتا ہے جو اسے بعد میں تسخیرِ کائنات کی جانب لے جا سکتی ہے۔ لیکن اگر انسان دوسرے انسانوں کو نقصان اور ضرر پہنچا

تار ہا۔اوران کی ہلاکت کا سبب بنتا رہا تو وہ کبھی انسان کو تسخیر نہ کر سکے گا اور اگر وہ انسان کو تسخیر کرنے میں ناکام ہو گیا تو وہ زمین کو بھی تسخیر کرنے کے قابل نہ ہو سکے گا۔اب انسان نے یہ فیصلہ خود کرنا ہے کہ کیا اسے امانت دار بن کر انسان کو تسخیر کرنا ہے یا بددیانت بن کر انسان کو اپنا دشمن بنانا ہے۔اگر انسان انسان کو اپنا دوست نہ بنا سکا تو پھر وہ محسن انسانیت اللہ کے رسول ﷺ کو اور اپنے رحمان، خالق کو اپنا مددگار کیسے بنا سکے گا؟ اگر اللہ کے رسول ﷺ اور اللہ انسان کے مددگار نہ ہوں گے تو وہ تسخیرِ کائنات کے ناممکن مشن میں کیسے کامیاب ہو سکے گا؟ کاش انسان حقیقت کو جان جائے اور اپنی اصلاح کر لے۔کاش انسان حقِ امانت ادا کرنے کے قابل ہو جائے۔حقِ امانت انسان تبھی ادا کر سکتا ہے اگر وہ کلمہ طیبہ کے حقوق کو ادا کرنے میں اخلاص سے کام لے اور اس کلمے کو اپنی زندگی بنا لے۔اس کلمے کے انکار سے انسان اپنی ذات کو نہ بچا سکتا ہے بھلا وہ زمین کی یا کائنات کی خلافت کیسے حاصل کر سکتا ہے؟ کائنات کا مالک اللہ اور کائنات کے حقیقی خلیفہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔اللہ کی عبادت اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کے بغیر خلافت بھلا کیسے مل سکتی ہے؟ کاش انسان کلمہ طیبہ کی حقیقت سے واقف ہو سکے اور زمین اور کائنات کی خلافت کے فلسفہ کو سمجھ سکے؟

8۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ

اللہ کے پاس سفارش کرنے کا کسی انسان کو حق نہ ہے۔چونکہ انسان مخلوق ہے اور اللہ خالق ہے۔اس طرح مخلوق کا خالق کے پاس سفارش کرنے کا قطعاً کوئی استحقاقِ ذاتی نہ ہو سکتا ہے۔بے شک اللہ انسان کی شہ رگ سے قریب ہے۔اس کے ظاہر اور پوشیدہ رازوں کو جانتا اور اس کے دل اور زبان کی آواز کو سنتا ہے۔لیکن انسان اللہ کے قریب تب ہی ہو سکتا ہے اگر وہ اس کی عبادت کرے اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے۔اگر بندہ اللہ کی عبادت کرے اور رسول ﷺ کی اطاعت کرے تو اللہ ایسے انسان کا دوست بن جاتا ہے اور وہ بندہ اللہ کا دوست بن جاتا ہے۔اللہ پھر اپنے دوست کو سفارش کا حق دے دیتا

ہے۔ جو انسان اللہ کے زیادہ قریب ہوتا ہے اللہ اس کو سفارش کا حق بھی زیادہ سے زیادہ دیتا چلا جاتا ہے اور ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ اس کا کہا اللہ کا کہا ہو جاتا ہے اور اس کا کیا اللہ کا کیا ہو جاتا ہے۔ ایسے انسان کو اللہ نہ صرف سفارش کی اجازت دے دیتا ہے بلکہ ایسا انسان اللہ کے ہاں سفارش کا استحقاق حاصل کر لیتا ہے۔

اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ اللہ کے حبیب ہیں۔ اس طرح تمام انبیاء اور اولیاء میں آپ ﷺ کا حقِ سفارش اور حقِ شفاعت سب سے زیادہ ہے اور اللہ نے اپنی الہامی کتاب قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ عنقریب آپ ﷺ کو یہ حق اتنا زیادہ دیں گے کہ آپ ﷺ راضی ہو جائیں گے۔ اللہ کے رسول ﷺ اپنی ذات اور آل کیلئے ہر وقت ہر حالت میں اللہ سے راضی رہتے تھے لیکن اپنی امت کے بارے میں آپؐ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میں اس وقت تک اللہ سے راضی نہ ہوں گا جب تک آخری کلمہ گو کو دوزخ سے نکال کر جنت میں نہ پہنچا دونگا۔ یہ مقام انسان کو تبھی مل سکتا ہے اگر وہ کلمہ طیبہ پڑھ کر اپنے آپ کو آپ ﷺ کی امت میں شامل کر لے۔ بے شک یہ کلمہ طیبہ اور اللہ کے رسول کی شفاعت انسان کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دوزخ میں نہ رہنے دینگے لیکن انسان کو دوزخ کی عارضی سزا سے بچنے کیلئے کچھ اور بھی کرنا ہوگا چونکہ دوزخ کی ہلکی سے ہلکی اور کم سے کم سزا بھی دنیا کی بڑی سے بڑی سزا سے بڑی اور طویل سے طویل سزا سے بھی طویل ہوگی۔

انسان کو کلمہ طیبہ کے بعد کم سے کم جو کام کرنا ہے وہ نماز کو قائم کرنا ہے۔ مرنے کے بعد قبر میں سب سے پہلا سوال نماز کا ہوگا۔ اگر انسان اس میں کامیاب ہو گیا تو وہ اللہ کے رسول ﷺ کی سفارش و زیارت سے مستفید ہو کر قبر کے عذاب سے بچ جائیگا۔ محشر کے دن وضو کی وجہ سے اس کے اعضاء نورانی ہوں گے اور اللہ کے رسول ﷺ حوض کوثر پر اس کی سفارش کرینگے اور جام کوثر پلائینگے جو محشر کی وحشت کو دور کر دے گا، اور پیاس کو ختم کر دے گا۔ پھر آپ ﷺ کی شفاعت اور اللہ کی رحمت سے انسان دوزخ کے عذاب سے محفوظ ہو کر جنت میں چلا جائے گا۔ دوزخ کے عذاب سے بچنا انسان کی ایک بہت بڑی

کامیابی ہوگی جو انسان اللہ کا کلمہ طیبہ پڑھ کر اور نماز قائم کر کے حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن جنت میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے کیلئے انسان کو تمام عمر اللہ کی عبادت اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنا ہوگی۔

جہاں تک سفارش کے ضابطہ کا تعلق ہے تو سفارش جائز ہو سکتی ہے ناجائز نہ ہو سکتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کو صرف جائز سفارش کا حق حاصل ہے وہ کسی انسان کی ناجائز سفارش نہ کرتے ہیں نہ کرینگے۔ آپ کی سفارش کو حاصل کرنے کے لئے انسان پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو آپ ﷺ کا امتی ثابت کرے اور ثبوت تبھی فراہم ہو سکتا ہے اگر انسان آپ کی مکمل اطاعت کرلے۔ اگر انسان اپنے آپ کو سفارش کا اہل ثابت نہ کر سکا تو وہ آپ ﷺ کی سفارش اور اللہ کی رحمت دونوں سے اپنے آپ کو محروم کرلے گا۔ حالانکہ اللہ رحمان اور رحیم ہے، اور اللہ کے رسول ﷺ تمام جہانوں کیلئے رحمت ہیں۔ اگر اللہ کے رسول ﷺ جائز سفارش کے پابند ہیں تو پھر اولیاء اللہ یا دوسرے انسان کس طرح کسی انسان کی ناجائز سفارش کر سکتے ہیں۔ اولیاء اللہ کو بھی کسی حد تک سفارش کا استحقاق ہے، لیکن یہ اسی انسان کیلئے ہے جو اپنے آپ کو سفارش کا حقدار ثابت کر سکے اور یہ ثبوت صرف اللہ کی عبادت اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے جو کلمہ طیبہ کو اخلاص سے پڑھتے اور اس پر اخلاص سے عمل کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اس طرح سفارش اور شفاعت کا استحقاق انسان کو تب ہی حاصل ہو سکتا ہے اگر وہ خود بھی اطاعت گزار ہو اور جن کی وہ سفارش یا شفاعت کر رہا ہے وہ بھی اطاعت گزار ہوں۔ اللہ کے باغی اور منکر نہ سفارش کا استحقاق رکھتے ہیں نہ ہی وہ اللہ کے باغیوں اور منکروں کی سفارش کر سکتے ہیں اسے نہ کوئی سفارش کرنے والا ملے گا۔ نہ قیامت کے بعد یوم محشر کو شفاعت کرنے والا، حالانکہ سفارش کرنے والے بیشمار اولیاء اللہ وہاں موجود ہوں گے اور شفاعت کیلئے اللہ کے رسول ﷺ موجود ہوں گے اور اللہ کی رحمت بھی اپنے پورے جوبن پر ہوگی۔ کل پشیمان ہونے کی بجائے انسان کو آج تفکر کر کے اپنی اصلاح کرلینی چاہیے اسی میں اس کی بھلائی ہے۔ کاش

انسان حقیقت کو جان سکے۔ انسان کائنات کو تسخیر کرنا چاہتا ہے تو کائنات کو تسخیر کرنے سے قبل کائنات تک رسائی حاصل کرنا ضروری ہے۔ کائنات تک رسائی کیلئے اللہ تک رسائی ضروری ہے۔ اللہ تک رسائی کیلئے اللہ کے رسول ﷺ تک رسائی ضروری ہے۔ اللہ تک رسائی صرف ولی اللہ کو حاصل ہوسکتی ہے اور ولی اللہ کی پہلی منزل کلمہ طیبہ کو پڑھنا اور اس کی روح کو تسخیر کرنا ہے۔ اگر انسان کلمہ کی روح کو تسخیر کرنے میں کامیاب ہوجائے تو وہ اللہ تک رسائی حاصل کر کے تسخیر کائنات کی جانب کامیابی سے اپنا سفر شروع کرسکتا ہے۔ انسان کلمہ طیبہ کی روح کو تسخیر کرنے میں کامیاب ہوسکتا ہے اگر وہ اللہ کو اپنا رب اور حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا رسول تسلیم کر کے اللہ کی عبادت کرے اور رسول کی اطاعت کرے، اس طرح وہ سفارش اور شفاعت کا مستحق قرار پائے گا اور اگر وہ یہ استحقاق ثابت نہ کرسکا تو پھر بغیر سفارش اور شفاعت کے وہ تسخیر کائنات کی مشکل منزل طے نہ کرسکے گا اور زمین کا سب سے نیچے والا حصہ اس کا مقدر بن جائے گا جو ایک بھیانک دوزخ سے کم نہ ہوگا۔ اللہ انسان کو دوزخ میں گرنے سے بچائے۔ کیونکہ دوزخ سے صرف اللہ ہی انسان کو بچا سکتا ہے۔ اگر انسان دوزخ سے نہ بچ سکا تو پھر کائنات کی تسخیر کا تصور بے معنی ہے۔ بیشک دوسرے انسان کائنات تسخیر کرلیں لیکن اسے دوزخ کے عذاب سے کوئی نکال نہ سکے گا۔ ہر انسان کی ایک اپنی کائنات ہے جسے اسے خود ہی تسخیر کرنا ہے۔ اگر انسان خود اپنی کائنات کو تسخیر نہ کرسکا تو پھر وہ اللہ کی کائنات کو بھلا کیسے تسخیر کرسکے گا؟ انسان اپنی کائنات کی تسخیر اگر سفارش کے بغیر نہیں کرسکتا تو اللہ کی کائنات کو بغیر کسی سفارش سے کیسے تسخیر کرسکے گا۔ انسان اپنی تسخیر کلمہ طیبہ اخلاص سے پڑھ کر کرسکتا ہے اور اللہ کے نظام کو زمین پر نافذ کر کے دوسرے انسانوں کو تسخیر کرسکتا ہے۔ اگر انسان اپنے آپ اور دوسرے انسانوں کو تسخیر کر لیتا ہے تو پھر وہ کائنات کو تسخیر کرنے کے قابل ہوسکتا ہے۔

9۔ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

اللہ حال کو بھی جانتا ہے اور حال کی طرح ماضی قریب، ماضی بعید، مستقبل قریب اور

مستقبل بعید کو جانتا ہے۔انسان پوری طرح اپنے حال کے بارے میں بھی علم نہ رکھتا ہے۔وہ ماضی اور مستقبل کے بارے میں بھلا کیسے جان سکتا ہے۔انسان کی ماضی اور مستقبل کے بارے میں جو معلومات ہیں وہ محض قیاس اور ظن وتخمین پر مبنی ہیں۔ اس طرح ان معلومات کو سائنسی علم کا درجہ نہ دیا جاسکتا ہے۔اس طرح ان معلومات کو سائنسی معلومات نہ کہا جاسکتا ہے۔ چونکہ انسان صرف سائنسی معلومات کو سچا جانتا ہے اس طرح یہ معلومات سو فیصد درست اور سچی نہ ہوسکتیں ہیں۔

انسان دوسرے انسان کی قسمت کا حال ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر یا ستاروں کی مدد سے قسمت کا زائچہ تیار کر کے بتاتا ہے جبکہ انسان کی لکیریں بدلتی رہتی ہیں اور ستارے گردش کرتے رہتے ہیں۔لکیروں کو کون بدلتا ہے؟ ستاروں کو کون گردش دیتا ہے؟ ظاہر ہے اللہ ہی ایسا کرتا ہے۔اس طرح انسان کی قسمت کے بارے میں جس کے پاس سو فیصد حقیقی علم ہے وہ اللہ کی ذات ہی ہے۔

انسان کائنات کے بارے میں جو علم رکھتا ہے وہ محض زمین اور اس کے اردگرد ستاروں اور سیاروں کے سطحی علم پر مبنی ہے۔ انسان یہ تسلیم کرتا ہے۔ کہ زمین اور اس کے اردگرد ستاروں اور سیاروں میں بڑی تیزی سے تبدیلیاں ہورہی ہیں۔انسان یہ بھی تسلیم کرتا ہے۔ کہ زمین اور اس کے اردگرد ستاروں اور سیاروں کی ہزاروں سال قبل یہ حالت نہ تھی جواب ہے۔انسان یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ کائنات مین کوئی ایسی طاقت ضرور موجود ہے جو یہ مسلسل تبدیلیاں لارہی ہے۔انسان اس طاقت کو قدرت کا نام دیتا ہے۔کیا انسان بتا سکتا ہے کہ قدرت کون ہے۔قدرت اللہ کی ذات ہی ہے۔انسان اس کا بھی انکار نہ کرسکتا ہے۔

اللہ کو انسان اور کائنات کے بارے میں مکمل علم ہے۔اللہ نے انسان کے بارے میں اور کائنات کے بارے میں ضروری علوم کے بارے میں انسان کو آگاہ کردیا ہے۔علوم کے یہ خزانے قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ میں موجود ہیں۔ یہ علوم حقیقی علوم ہیں جن کے بارے میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ ہے۔ یہ علوم سائنسی علوم سے بھی زیادہ سچے اور

درست ہیں۔ اگر انسان اپنے ماضی۔ حال اور مستقبل کے بارے میں حقیقی علوم حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے قرآن وسنت سے ضرور رجوع کرنا پڑیگا۔ اگر انسان کائنات کے بارے میں حقیقی معلومات کا کھوج لگانا چاہتا ہے۔ تو پھر بھی اسے قرآن وسنت ہی میں غور وخوض کر کے ان معلومات کو حاصل کرنا ہوگا۔ اگر انسان معلومات کے ان خزانوں کو چھوڑ کر کسی اور علم پر اعتماد کریگا تو وہ کبھی بھی اپنے بارے میں اور کائنات کے بارے میں صحیح معلومات حاصل نہ کر سکے گا۔ اگر انسان کے پاس اپنے بارے میں اور کائنات کے بارے میں صحیح علم نہ ہوگا تو وہ اپنے آپ کو دوسرے انسانوں کو زمین کو اور کائنات کو کیسے تسخیر کر سکے گا۔ علوم کے ان خزانوں تک رسائی کیلئے انسان کو اللہ کو اپنا رب اور حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا رسول تسلیم کرنا ہوگا۔ اگر انسان اس حقیقت کو ہی تسلیم نہ کر سکا تو پھر وہ ان خزانوں تک نہ پہنچ سکے گا جن میں کائنات کے راز پوشیدہ ہیں۔ اس طرح انسان خود بھی تباہ ہوگا اور دوسرے انسانوں کو بھی تباہ کرے گا۔ اس طرح انسان کا تسخیر کائنات کا خواب کبھی اپنی تعبیر نہ پاس کے گا۔

اگر انسان اپنی ایجادات کا موجد ہونے کی وجہ سے اپنی ایجادات کا علم رکھ سکتا ہے، تو پھر خدا کائنات کا خالق ہونے کی وجہ سے کائنات کے بارے میں مکمل علم کیوں نہ رکھ سکتا ہے۔ اگر انسان اپنی ایجادات کا ضروری علم دوسرے انسانوں کو دے سکتا ہے تاکہ وہ ان ایجادات سے پوری طرح مستفید ہو سکیں تو پھر اللہ انسان کو کائنات کے ضروری علوم کیوں نہ دے سکتا ہے۔ اگر انسان اپنی ایجادات کے بارے میں کتابچے جاری کر سکتا ہے۔ تو اللہ اپنی مخلوق انسان اور کائنات کیلئے الہامی کتاب کیوں جاری نہیں کر سکتا۔ اگر انسان اپنی ایجادات کی تربیت کیلئے انجینئروں اور ڈاکٹروں کے وجود کو ضروری خیال کرتا ہے تو پھر وہ اللہ کے رسول ﷺ اور اولیاء اللہ کے وجود سے کیوں انکار کرتا ہے۔ اگر انسان ایجادات کی معلومات کیلئے انجینئروں اور ڈاکٹروں کا محتاج ہو سکتا ہے تو پھر انسان اور کائنات کے بارے میں معلومات کیلئے وہ اللہ، اللہ کے رسول ﷺ اور الہامی کتب کا کیوں محتاج نہیں۔

انسان کو اپنے رویے پر غور کرنا چاہیے اور انصاف سے فیصلہ کرنا چاہیے کہ کیا اس کا

رویہ اللہ کے اور اللہ کے رسول ﷺ اور اللہ کی کتابوں کے بارے میں عادلانہ، منصفانہ اور دانشمندانہ ہے۔ اور اگر یہ رویہ درست نہیں تو پھر وہ اس رویے کو تبدیل کیوں نہیں کرتا اور وہ اپنے آپ کو انسان اور کائنات کا عالم کیوں قرار دیتا ہے۔ وہ یہ حقیقت کیوں تسلیم نہیں کرتا کہ وہ ان امور کے بارے میں جاہلِ مطلق ہے۔ وہ یہ بات کیوں نہیں مانتا کہ ان امور کا ضروری علم قرآن وسنت میں موجود ہے۔

انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے رویہ کو بدل لے تا کہ وہ حقیقی ضروری علوم کو حاصل کر کے کائنات کو تسخیر کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ حقیقی علوم کے بغیر کائنات کو تسخیر کرنا ناممکن ہے۔ ایک ان پڑھ۔ گنوار اور جاہل انسان تعلیم حاصل کر کے ہوائی جہاز تو بنا سکتا ہے لیکن آج کا ترقی یافتہ سائندان ڈاکٹر اور انجینئر کائنات تو کیا زمین کو بھی تسخیر نہیں کر سکتا ہے۔ اگر کائنات کا حقیقی علم حاصل کر لیا جائے تو پھر کائنات کو کسی حد تک تسخیر کیا جا سکتا ہے۔ انسان اللہ کی مخلوق ہے۔ زمین اللہ کی تخلیق ہے۔ کائنات اللہ کی تخلیق کردہ ہے۔ انسان زمین اور کائنات کی تخلیق با مقصد ہے۔ انسان ایک مقصد کے تحت زمین پر آیا ہے۔ وہ ایک مدت کے بعد مر جاتا ہے۔ زمین ایک مدت تک قائم رہیگی، پھر فنا ہو جائیگی۔ انسان مرنے کے بعد زندہ ہوگا اور کائنات کے کسی اور حصے میں آباد کر دیا جائے گا۔ انسان اگر اپنے تخلیقی مقاصد کو پورا نہیں کرے گا تو زندہ ہونے کے بعد دوزخ میں قید کر دیا جائیگا۔ انسان کو اس کے تخلیقی مقاصد بتا دئے گئے ہیں۔ انسان کو جزا اور سزا کا علم بھی دے دیا گیا ہے۔ چونکہ ان تمام امور کا تعلق مستقبل سے ہے لہٰذا بذریعہ وحی انسان کو ان کا علم دے دیا گیا ہے۔ اگر انسان اس علم سے اپنے آپ کو مستفید نہیں کرتا تو نقصان اس کا اپنا ہوگا۔ اگر وہ اس علم سے پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے۔ تو نفع کا حقدار وہ ہی ہوگا۔ اگر انسان اس علم کو مسترد کر دیتا ہے تو پھر وہ اس سے مستفید کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر وہ اس علم کی صحت کے بارے میں شک او رتذبذب میں مبتلا ہو جاتا ہے تو وہ پھر اس سے پوری طرح مستفید نہیں ہو سکتا۔ اگر انسان اس علم کی صحت پر یقین کامل رکھتا ہے اور اس کے مطابق اپنی زندگی گزارتا ہے تو وہ ان

انعامات اور اعزازات کا حقدار ہو جاتا ہے جو خالقِ کائنات نے اسے دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اگر انسان اللہ کے ان انعامات اور اعزازات کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو کائنات اس کے سامنے مسخر ہو جائیگی۔ اگر وہ ان انعامات اور اعزازات کو پانے میں ناکام ہو جاتا ہے تو پھر وہ سزا کا حقدار ہو جاتا ہے اور دوزخ کی آگ اسے اپنے آغوش میں لے کر ہمیشہ کیلئے مسخر کر لے گی۔ اب انسان نے یہ فیصلہ خود کرنا ہے کہ وہ کائنات کو تسخیر کرنا چاہتا ہے یا دوزخ کی آگ کے ہاتھوں تسخیر ہونا چاہتا ہے۔ انسان کو یہ معلومات کوئی انسان نہ دے رہا ہے بلکہ خالق کائنات دے رہا ہے۔ یہ معلومات کوئی وہم اور قیاس نہ ہیں بلکہ حقیقت ہیں۔ اگر انسان ان حقائق سے انکار کرتا ہے تو وہ حقیقت شناس کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر انسان حقیقت شناس نہ ہو تو پھر وہ اپنے آپ کو مہذب اور ترقی یافتہ کیسے قرار دے سکتا ہے۔ کیا انسان اپنے آپ کو جاہل کہلوانا پسند کریگا۔ ہرگز نہیں پھر انسان کو چاہیے کہ جاہلانہ رویہ ترک کر کے حقیقت شناسی کا رویہ اپنا لے۔ اسی میں اس کی بھلائی ہے۔ کاش انسان حقیقت شناس ہو جائے۔ اللہ کا وجود کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے انسان اس حقیقت سے انکار کیسے کر سکتا ہے۔ اس حقیقت کا انکار کرنے والا انسان کہلانے کا حقدار نہیں رہتا، اشرف المخلوقات کیسے ہو سکتا ہے۔ کاش انسان اپنے آپ کو انسان ثابت کر سکے تا کہ وہ اشرف المخلوقات کا اعزاز اپنے پاس رکھ سکے۔ اللہ کی فراہم کردہ معلومات کا انکار حقیقت میں اللہ کا انکار ہے اور اللہ کا منکر اللہ کی کائنات کو تسخیر کبھی نہیں کر سکتا۔

10۔ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ

کائنات میں موجود تمام اشیاء کا حقیقی مکمل علم صرف اللہ کے پاس ہے جو کائنات کو اور کائنات میں موجود تمام چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ اللہ نے انسان کو تمام دوسری مخلوقات سے زیادہ علم دیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اشرف المخلوقات ہے۔ تمام انسانوں میں سے اللہ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کو کائنات میں موجود اشیاء کا سب سے زیادہ علم دیا ہے۔ اللہ عام انسانوں کو حواس خمسہ اور الہام کے ذریعے اشیاء کا علم دیتا ہے۔

جبکہ اپنے انبیاء کو وحی اور آسمانی کتب کے ذریعے بھی علم دیتا ہے، لیکن اللہ نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو اپنے پاس آسمانوں پر بلا کر براہ راست کائنات کا وہ علم دیا جو پہلے کسی نبی اور رسول کو نہ دیا گیا تھا۔ اور نہ دیا جائے گا۔ اللہ نے کائنات کے بارے میں ضروری علم انسان کو اپنی آخری الہامی کتاب قرآن حکیم میں دیا ہے اور ان علوم کی تشریح اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی احادیث میں کی ہے۔ یہ علم چودہ سو سال گزرنے کے باوجود آج تک محفوظ ہے، اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔ یہ علم کائنات اور اشیاء کا حقیقی علم ہے۔

انسان اپنے حواس خمسہ۔ الہام۔ مشاہدات اور تجربات سے اشیاء کا جو علم حاصل کرتا ہے وہ سطحی اور نامکمل علم ہوتا ہے۔ یہ علم مکمل اور حقیقی نہ ہے۔ اسی وجہ سے ان علوم کے بارے میں وقت کے ساتھ ردوبدل ہوتا رہتا ہے اور پرانے نظریات ختم ہوتے رہتے ہیں اور نئے نظریات جنم لیتے رہتے ہیں۔ لیکن اللہ نے اشیاء کا جو حقیقی علم انسان کو دیا ہے اس میں نہ تو کوئی تبدیلی ہوتی ہے نہ ردوبدل ہوتا ہے۔ اس طرح ان علوم کے نظریات ایک اٹل حقیقت ہوتے ہیں جن کو انسان نہ آج تک جھٹلا سکا ہے نہ جھٹلا سکے گا۔ انسان کی تخلیق ایک حقیقت ہے کیا انسان اسے جھٹلا سکا ہے۔ موت ایک حقیقت ہے کیا انسان اسکا انکار کر سکتا ہے۔ زمین چاند۔ سورج۔ ستارے آسمان ایک حقیقت ہے جن کو انسان جھٹلا نہ سکتا ہے۔ ان چند حقیقتوں کے علاوہ کائنات کی اور بے شمار حقیقتیں ہیں جن کو انسان اپنے حواس خمسہ۔ الہام مشاہدات اور تجربات سے نہ دیکھ اور پرکھ سکتا ہے۔ انسان ان حقیقتوں کا انکار کرتا ہے تو محض ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر کرتا ہے۔ اگر آج کا انسان سائنس اور ٹیکنالوجی کی حقیقتوں کو تسلیم نہ کرے تو ترقی یافتہ انسان اسے جہالت کا الزام دیتا ہے۔ لیکن اگر وہ خود کائنات کی حقیقتوں کا انکار کرے تو اپنے آپ کو جدت پسند ترقی یافتہ اور تہذیب یافتہ قرار دیتا ہے اور ان حقیقتوں کے تسلیم کرنے والوں کو دقیانوسی اور بنیاد پرست کہہ کر لعن طعن کا نشانہ بناتا ہے۔ کیا انسان کا یہ رویہ حقیقت پسندانہ ہے اگر یہ رویہ حقیقت پسندانہ نہیں تو انسان اسے چھوڑ کر درست رویہ کیوں اختیار نہیں کر لیتا۔ کیا انسان اپنے اس رویے کے ساتھ اس قابل ہوسکتا

ہے کہ وہ کائنات کو تسخیر کرے۔ کائنات کو تسخیر کرنے سے قبل کائنات کی حقیقتوں سے واقف ہونا ضروری ہے۔ کائنات کی حقیقتوں سے واقف ہونے کیلئے کائنات کے خالق اللہ اور اس کے حبیب حضرت محمد ﷺ کی حقیقت سے واقف ہونا ضروری ہے، اور ان علوم کی تحصیل نہایت ضروری ہے جو انہوں نے انسان کو دے رکھے ہیں۔

انسان بے شک اپنی تمام عمر ضائع کر دے اور اپنے تمام وسائل خرچ کر دے، وہ اپنی ذاتی کوشش سے کائنات کی حقیقتوں سے آگاہ نہ ہو سکے گا، اور اگر وہ کبھی اس منزل کے قریب پہنچ بھی گیا تو ان حقیقتوں سے اپنے آپ کو اور دوسرے انسانوں کو مستفید نہ کر سکے گا، کیونکہ اس کی زمین پر آنے کی مہلت ختم ہو چکی ہوگی، اور قیامت زمین کو فنا کرنے کیلئے آنکھوں کے سامنے ظاہر ہو چکی ہوگی۔ اس طرح کائنات کو تسخیر کرنے والا انسان زمین کی تاریکیوں میں ڈوب جائیگا۔

اگر انسان کائنات کو تسخیر کر کے اس سے مستفید ہونا چاہتا ہے تو اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ قرآن وسنت کے فراہم کردہ علوم سے فیضیاب ہو کر کائنات کی حقیقتوں کو تسلیم کرے اور موت اور قیامت سے پہلے پہلے اتنے وسائل جمع کر لے کہ وہ موت کے بعد اپنے آپ کو زندہ پائے اور اپنے آپ کو زمین کی بجائے آسمان پر موجود پائے۔ اگر انسان موت سے زندگی تک اور زمین سے آسمان تک کا یہ سفر طے کرنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ کائنات کو بھی انشاء اللہ تسخیر کر لے گا۔ لیکن اگر انسان اپنی زندگی کو اور اپنی زمین کو ہی تسخیر نہ کر سکا تو وہ کبھی کائنات کو تسخیر نہ کر سکے گا۔ اگر بالفرض انسان کسی سیارے کو تسخیر کر کے اس پر آباد ہو جاتا ہے، تو کیا وہ موت سے نجات پا لے گا یا اس سیارے کو تباہ ہونے سے بچا لے گا؟ ہرگز نہیں۔ انسان کا مالک اور خالق اللہ ہے۔ زمین کا مالک اور خالق بھی اللہ ہے۔ تمام سیاروں اور ستاروں کا خالق اور مالک اللہ ہے تو پھر وہ اللہ کا انکار کر کے کہاں جا سکتا ہے اور اگر وہ اللہ کی کائنات سے باہر نہ جا سکتا ہے تو پھر زمین پر رہ کر اللہ کو اپنا رب تسلیم کر لینے میں کیا حرج ہے۔ کاش انسان اس حقیقت کو جان سکے۔ کاش انسان اپنے رب کو جان اور

پہچان سکے۔ اگر انسان اپنے رب کو ہی نہ جان سکا تو وہ کائنات کی حقیقت کو کیسے جان سکے گا۔ کائنات کی حقیقت سے ناآشنا انسان اسے کیسے تسخیر کر سکتا ہے۔

11۔ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

اللہ کی حکومت۔ بادشاہت اور حکمرانی کائنات کے ذرے ذرے پر ہے۔ انسانوں اور جنوں کے سوا تمام مخلوقات اللہ کی حکومت۔ بادشاہت اور حکمرانی کو تسلیم کرنے کی پابند ہے۔ زمین۔ چاند۔ سورج۔ ستارے اور سیارے سب اپنے اپنے تخلیقی مقاصد کو پورا کر رہے ہیں کسی کی مجال نہیں کہ اپنے فرائض میں معمولی سی بھی سستی اور کوتاہی کر سکے۔

انسان چونکہ زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے اور اسے عارضی طور پر امتحان کیلئے زمین پر بھیجا گیا ہے، لہٰذا اسے بعض امور میں آزادی دی گئی ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق کام کر سکے۔ جنوں کو بھی اسی زمین پر آباد کیا گیا ہے جو پہاڑوں اور جزیروں میں رہ رہے ہیں لیکن ان کو انسان کے تابع کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کو وہ طاقتیں اور قوتیں حاصل ہیں جن کا انسان تصور بھی نہ کر سکتا ہے۔ انسانوں کی طرح جنوں کو بھی صوابدیدی اختیارات دیئے گئے ہیں، چونکہ ان کو بھی زمین پر آزمائش کیلئے بھیجا گیا ہے۔ جن چشم زدن میں آسمان تک جا سکتے ہیں، لیکن وہ ایک مقرر شدہ حد سے آگے نہ جا سکتے ہیں، لیکن ان کی رسائی آسمانوں پر اس مقام تک ہے جہاں انسان سائنسی ترقی کے باوجود جانے کا خیال بھی نہ کر سکتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ اسی زمین پر آباد ہیں اور قیامت تک اسی زمین پر آباد رہیں گے۔ اگر جن بے پناہ طاقتوں اور وسائل کے باوجود کسی اور سیارے پر آباد نہ ہو سکے ہیں، تو انسان کسی اور سیارے پر کیسے آباد ہو سکتا ہے۔

جن اس زمین پر آباد ہیں وہ کبھی کبھی اپنے وجود کا اظہار بھی کرتے ہیں، لیکن چونکہ یہ ایک پوشیدہ مخلوق ہے لہٰذا انسان سائنسی ترقی کے باوجود اس حقیقت کا کھوج نہ لگا سکا ہے تو وہ ان نوری مخلوقات کو ستاروں اور سیاروں پر کیسے تلاش کر سکتا ہے۔ وہ نوری مخلوق کو موجود ہونے کے باوجود تلاش نہ کر سکے گا، اور وہ ستارہ اور سیارہ اسے بظاہر غیر آباد ہی نظر آئے

گا۔جن اور نوری مخلوق کو انسان نہ صرف دیکھ سکتا ہے۔بلکہ ان کو اپنا خادم اور خدمتگار بھی بنا سکتا ہے، لیکن اس کے لئے اسے کتاب وسنت کا علم حاصل کر کے اللہ کا اطاعت گزار بندہ بننا ہوگا۔سائنسی ترقی سے وہ نہ ان کو دیکھ سکتا ہے نہ ہی ان کو اپنے تابع کر سکتا ہے۔

انسان اگر اپنے آپ کو ایک وفادار اور فرض شناس خلیفہ ثابت کر دے تو پھر وہ زمین پر موجود مخلوقات جنوں اور فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔اور ان کو اپنا مددگار اور معاون بنا سکتا ہے۔اس طرح وہ کائنات کے بے شمار رازوں کو جان کر کائنات کو تسخیر کرنے کا آغاز کر سکتا ہے، لیکن اگر انسان اپنے رب کا ہی انکار کر دے اور اس کی نافرمانی شروع کر دے تو پھر وہ ان طاقتور مخلوقات کو کبھی بھی اپنے قابو میں نہ لا سکتا ہے، اور ان کی موجودگی میں وہ کائنات کو تسخیر نہ کر سکتا ہے۔اگر اللہ ان مخلوقات کو انسان پر غالب آنے کی اجازت دے دے تو انسان ان سے اپنے آپ کو بچا نہ سکتا ہے۔اگر انسان اپنے آپ کو نہ بچا سکا تو پھر وہ کائنات کو قابو میں کیسے لا سکتا ہے۔

12۔ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا

آسمانوں اور زمین کو اللہ نے بنایا ہے۔انسان نے جن چیزوں کو تیار کیا ہے۔ان کو خود تیار کیا ہے۔کوئی چیز ایسی نہیں جو از خود، خود بخود تیار ہوگئی ہو۔کائنات کی ہر چیز اللہ نے بنائی ہے۔انسان جو چیزیں تیار کرتا ہے وہ سب انسانوں کے سامنے تیار کرتا ہے۔انسان ان چیزوں کو تیاری کے مختلف مراحل سے گزرتے دیکھتا ہے۔اس طرح اسے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ چیزیں انسان نے تیار کی ہیں۔اگر بالفرض آج جو چیزیں انسان نے تیار کی ہیں موجود رہیں اور انسان ہلاک ہو جائیں تو ہو سکتا ہے ہزاروں سال بعد میں آنے والا انسان کہے کہ یہ چیزیں انسان نے تیار نہیں کی ہیں، بلکہ اللہ نے تیار کی ہیں لیکن کوئی انسان یہ نہ کہے گا کہ یہ چیزیں از خود تیار ہوگئیں ہیں۔

آسمان اور زمین بہت قدیم ہیں۔انسان نے ان کو بنتے نہ دیکھا ہے۔قدیم انسان نے بھی انہیں نہ بنایا ہے۔یہ خود بخود بھی نہ بن سکتے ہیں تو لامحالہ ان کو اللہ ہی نے بنایا ہے۔

جو انسان یہ کہتے ہیں کہ یہ خود بخود بن گئے ہیں، وہ حقیقت پسند نہیں بلکہ ایسا وہ محض اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس طرح وہ اللہ کی ذات کا انکار کر سکیں۔ کیا انسان کا یہ رویہ ہٹ دھرمی اور ضد پر مبنی نہیں اور اگر یہ رویہ ایسا ہے تو انسان اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتا ہے۔ کیا ایسے انسان کو ترقی یافتہ اور مہذب انسان سمجھنے والے ترقی یافتہ اور مہذب انسان کہلانے کے حقدار ہیں؟ ہرگز نہیں۔

انسان جو چیزیں تیار کرتا ہے۔ وہ ان کی حفاظت بھی کر سکتا ہے اور اگر انسان اپنی تیار کردہ اشیاء کی حفاظت نہ کر سکے یا ان کو اپنے قابو میں نہ رکھ سکے تو انسان اپنے آپ کو ان اشیاء کا خالق اور مالک کہلانے کا حقدار نہیں رہتا ہے۔ اس طرح اللہ آسمانوں اور زمین کا خالق اور مالک ہے۔ اگر اللہ ان کی حفاظت نہ کر سکے تو اللہ کہلانے کا حقدار نہیں رہتا۔ (نعوذ باللہ)۔ اگر انسان اپنی تیار کردہ اشیاء کی حفاظت کر سکتا ہے، اور ان کو اپنے قابو میں رکھ سکتا ہے تو اللہ کیوں آسمانوں اور زمین کی حفاظت نہیں کر سکتا اور ان کو اپنے قابو میں نہیں رکھ سکتا ہے۔

انسان کا یہ خیال کہ آسمان اور زمین کی تخلیق ایک حادثہ کا نتیجہ ہے اور زمین ایک حادثہ کی وجہ سے تباہ ہوگی بالکل لغو اور بے بنیاد ہے۔ آسمان اور زمین کو اللہ نے بنایا ہے۔ ان کو ایک خاص مقصد کے تحت بنایا گیا ہے۔ اللہ ان کی مسلسل حفاظت کر رہا ہے، اور جب اللہ چاہے گا، اور جس طرح چاہے گا، ان کا خاتمہ ہوگا۔ بیشک انسان اس خاتمے کو ایک حادثہ قرار دے دے، لیکن حقیقت میں یہ ایک سوچا سمجھا خاتمہ ہوگا جس سے صرف اللہ آگاہ ہوگا۔

انسان کی زندگی اللہ نے مقرر کر رکھی ہے۔ انسان کی موت کا دن اور وقت مقرر ہے۔ موت کی جگہ اور وجہ موت بھی مقرر ہے۔ لیکن انسان کو ان امور کا کوئی علم نہ ہوتا ہے۔ انسان اپنی موت کو اور دوسرے انسانوں کی موت کو ایک حادثہ قرار دیتا ہے۔ لیکن کیا موت ایک حقیقت ہے یا حادثہ؟ کیا انسان اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے؟ کیا انسان موت کو حادثہ قرار دیکر موت کی حقیقت سے انکار کر سکتا ہے؟ کیا انسان حادثہ کو موت قرار دیتا ہے یا

اسے محض ایک موت کی وجہ قرار دیتا ہے؟ ظاہر ہے انسان حادثے کو موت کی ایک وجہ سمجھتا ہے موت نہ سمجھتا ہے۔ اسی طرح بظاہر زمین ایک حادثہ سے دوچار ہو کر وجود میں آئی ہے۔ اور ایک حادثہ سے دوچار ہو کر تباہ ہوگی، لیکن یہ حادثہ اتفاقاً ہوا ہے نہ ہوگا۔ بلکہ اللہ جان بوجھ کر زمین کو اس حادثہ سے دوچار کریگا تا کہ مطلوبہ مدت کے بعد اسے تباہ کیا جاسکے۔ اس طرح زمین کی بظاہر حادثاتی تخلیق اور بظاہر حادثاتی تباہی حقیقت میں خالق کائنات کا ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔ زمین از خود نہ تخلیق ہوئی ہے نہ از خود تباہ ہوگی۔ اللہ نے ایک منصوبے اور مقصد کے تحت اسے تخلیق کیا ہے اور ایک مدتِ مقرر کے بعد اسے ایک منصوبے اور مقصد کے تحت تباہ کیا جائے گا۔ اللہ کو اس کام میں کوئی مشکل یا دقت پیش نہ آئی ہے۔ اللہ کن کہتا ہے، زمین وجود میں آجاتی ہے اور کن کہتا ہے تو تباہ ہو جاتی ہے اور کن کہے گا تو پھر وجود میں آجائے گی۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے انسان کو اس مشکل صورت حال کو سمجھنے میں آسانی پیدا کردی ہے۔ انسان بٹن دبا کر اپنی تیار کردہ مشین کو چلاتا ہے۔ جب تک وہ چاہتا ہے مشین چلتی رہتی ہے۔ جب وہ اسے بند کرنا چاہتا ہے بٹن دبا کر بند کر دیتا ہے۔ جب وہ پرانی مشین کی جگہ نئی بہتر مشین تیار کرنا چاہتا ہے۔ نئی مشین بنالیتا ہے۔ اگر انسان ایسا کر سکتا ہے تو اللہ کو کیوں طاقت حاصل نہیں کہ وہ ایک حکم کے تحت زمین و آسمان کو بنا دے اور ایک حکم کے تحت ان کو تباہ برباد کردے۔ اگر مشین انسان کا حکم ماننے پر مجبور ہے تو زمین و آسمان کس طرح اللہ کے حکم سے انکار کر سکتے ہیں۔ اگر انسان اتنا با اختیار ہے تو اللہ اتنا بے اختیار (نعوذ باللہ) کیسے ہوسکتا ہے۔ کیا انسان اللہ کو بے اختیار سمجھتا ہے جس نے انسان کو اختیار دیا ہے۔ کیا انسان کو اختیار دینے والا بے اختیار ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ انسان کا اختیار بہت محدود ہے جبکہ اللہ کا اختیار لا محدود ہے۔ اگر انسان محدود اختیار رکھنے کے باوجود با اختیار کہلاتا ہے تو اللہ کو جو لا محدود اختیار کا مالک ہے کیسے بے اختیار کہہ سکتا ہے۔ کیا ایسا رویہ حقیقت پسندانہ ہے۔ کیا انسان اپنے خالق کے بارے میں ایسا رویہ اختیار کرسکتا ہے؟ ہرگز

نہیں۔تو پھر انسان اپنے رویے کو حقیقت کے مطابق تبدیل کیوں نہیں کرتا۔اگر انسان آج اللہ کی حقیقت سے انکار کر رہا ہے تو کل زمین جو اللہ کی مخلوق ہے انسان کے اشرف المخلوقات ہونے سے انکار کر دے گی اور اسے اپنے شکنجے میں اس طرح دبوچ لے گی کہ اسے آسمان پر موجود ستاروں سیاروں کی تسخیر بھول جائے گی۔زمین ایک طاقتور سیارہ ہے جسے اللہ نے انسان کے تسلط میں دے رکھا ہے۔اگر انسان اللہ کا ہی انکار کرتا ہے تو پھر اللہ کسی وقت بھی اس زمین کو انسان پر مسلط کر سکتا ہے۔اگر ایسا کبھی ہو گیا تو انسان اپنے آپ کو بچا نہ سکے گا۔اور ستاروں اور سیاروں پر کمند ڈالنے والا انسان زمین پر چلنے پھرنے کے قابل بھی نہ رہے گا۔وہ زمین کے اندر چھپنا بھی چاہے گا مگر زمین اسے ایسا بھی نہ کرنے دے گی۔اس طرح انسان نہ زمین پر رہ سکے گا نہ کسی اور سیارے پر جا سکے گا۔

اگر انسان زیادہ دیر تک زمین کو اپنے قابو میں رکھنا چاہتا ہے اور اس پر حکمرانی کرنا چاہتا ہے تو اسے خالق کائنات کو اپنا رب تسلیم کر کے اس کی بندگی اور اطاعت کرنی چاہیے ہو سکتا ہے اللہ زمین کے علاوہ کسی اور سیارے کو انسان کے تسلط میں دے دے۔اللہ انسان کی زمین کی آسمانوں کی اور تمام کائنات کی حفاظت کر رہا ہے۔اگر انسان اللہ کو اپنا رب مان کر اس کی حفاظت اور نگرانی میں آ جاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو محفوظ کر لے گا۔اور محفوظ انسان کائنات کی تسخیر کی جانب قدم بڑھا سکتا ہے۔اگر انسان خود ہی غیر محفوظ ہو تو پھر وہ کسی اور کو تسخیر کیسے کر سکے گا اور اگر بالفرض کسی اور سیارے کو تسخیر کر بھی لے تو اس سے مستفید کیسے ہو سکے گا۔کاش انسان اس کھلی حقیقت کو تسلیم کر کے اپنے مستقبل کی حفاظت کر سکے۔

13۔ اَلْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

اللہ اپنی ذات اور صفات دونوں میں اعلیٰ عظمت والا ہے۔اللہ کا حقیقی مقام عرش عظیم ہے جو آسمانوں پر اس مقام پر واقع ہے جہاں نوری مخلوق کی بھی رسائی نہیں لیکن اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کو وہاں لے جایا گیا۔انسان اس مقام پر سائنس اور ٹیکنالوجی کی مدد سے نہ جا سکتا ہے چونکہ یہ مقام ان کہکشاؤں اور ستاروں سے آگے ہے جن کو انسان ابھی

تک دیکھ بھی نہ سکا ہے۔ اللہ اتنا دور ہونے کے باوجود ہر وقت ہر جگہ موجود ہوتا ہے لیکن وہ کسی جگہ سما نہ سکتا ہے۔ لیکن جو انسان اللہ کو اپنا رب تسلیم کر لیتا ہے اللہ اس کے دل میں سما جاتا ہے۔ اللہ کائنات کا مالک اور خالق ہے اور کائنات کی ہر چیز کی حفاظت اور نگرانی کر رہا ہے لیکن پھر بھی کائنات کی ہر شے آزاد نظر آتی ہے۔ چاند اور سورج آزادی سے گردش کر رہے ہیں۔ ستارے سیارے اور کہکشائیں آزادی سے اپنے اپنے مدار میں محو گردش ہیں۔ زمین اپنے مدار میں آزادی سے حرکت کر رہی ہے۔ جمادات آزادی سے اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ نباتات آزادی سے زمین سے نکل رہی ہیں۔ دریاؤں کا پانی آزادی سے رواں دواں ہے۔ سمندر آزادی سے موجزن ہے۔ ہوا آزادی سے چل رہی ہے۔ پرندے۔ درندے۔ کیڑے مکوڑے آزادی سے زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن کیا یہ سب مخلوقات آزاد ہیں؟ کیا یہ بغیر کسی ضابطے اور اصول کے زندہ ہیں؟ کیا یہ بغیر کسی مقصد کے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں؟ ہرگز نہیں یہ سب حقیقت میں اللہ کے غلام ہیں۔ یہ سب ایک ضابطے کے پابند ہیں اور یہ سب اپنے اپنے فرائض عمر انجام دے رہے ہیں۔ لیکن ان مخلوقات نے چونکہ اللہ کو اپنا رب تسلیم کیا ہوا ہے لہٰذا وہ ہمیں آزاد نظر آتے ہیں۔ کائنات میں اگر کسی مخلوق کو حقیقی آزادی حاصل ہے تو وہ انسان ہے۔ لیکن انسان نے اپنے رب کا انکار کر کے اپنے آپ کو کائنات کی ہر شے کا غلام بنا لیا ہے۔ اگر وہ اللہ کو اپنا رب تسلیم کرتا تو وہ کائنات کی ہر شئے کا حاکم ہوتا اور تمام کائنات اس کی محکوم ہوتی۔ اس طرح انسان اپنے آپ کو زمین کی حدود میں قید نہ کر لیتا بلکہ وہ ستاروں اور سیاروں کو اپنی حکمرانی میں لا چکا ہوتا۔

انسان بے مقصد پیدا نہ کیا گیا ہے۔ انسان کی زندگی کا بھی کوئی مقصد ہے۔ انسان کی زندگی کا بھی کوئی ضابطہ ہے۔ انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے۔ اور اس کی زندگی کا کونسا ضابطہ ہے اسکا فیصلہ انسان نے خود نہ کرنا ہے بلکہ اسکا فیصلہ اس کے خالق نے کرنا ہے اور اللہ نے انسان کو اس کی زندگی کا مقصد بتا دیا ہے اور اسے ایک ضابطہ حیات بھی دے دیا ہے۔ اگر انسان اس ضابطہ حیات پر چلتا تو آج وہ آزاد ہوتا اور کائنات کی ہر شے اس کی

غلام ہوتی۔لیکن انسان نے اپنے خالق کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات کو تسلیم نہ کیا اور خود اپنے زندگی کے ضابطے بنا لئے جنہوں نے انسان کو نہ صرف انسان کا غلام بنا دیا بلکہ کائنات کی حقیر سے حقیر شے کا خادم بنا دیا ہے۔کیا ایسا غلام انسان کائنات کو تسخیر کر سکتا ہے جس کو کائنات کی ہر شے حتیٰ کہ پتھر کے بتوں نے بھی تسخیر کیا ہوا ہے۔

اللہ کتنا عظیم ہے کہ اس نے انسان کی نافرمانی کے باوجود اسے نہ صرف زندہ رکھا ہوا ہے بلکہ زمین اور اس کی مخلوقات کو انسان کے تسلط میں دے رکھا ہے، لیکن یہ عنایت اور مہربانی ایک خاص مدت تک ہے۔ جب یہ مہلت ختم ہو جائے گی، انسان کو اپنے اختیار اور طاقت کا علم ہو جائے گا۔اس وقت انسان اپنے رب کو پکارے گا مگر اس کی پکار سننے والا کوئی نہ ہوگا۔انسان نے ابھی تک صرف اللہ کی رحمت کو دیکھا ہے غصے کو نہ دیکھا ہے۔کاش انسان اپنے آپ کو اللہ کے غصے سے بچا سکے۔انسان اللہ کو اپنا رب تسلیم کر کے اور اس کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات کو اختیار کر کے نہ صرف اس کے غصے سے اپنے آپ کو محفوظ کر سکتا ہے بلکہ وہ زمین پر ایک آزاد اور خود مختار زندگی گزار سکتا ہے اور کائنات کو تسخیر بھی کر سکتا ہے۔

اب انسان نے یہ فیصلہ خود ہی کرنا ہے کہ زمین پر غلام رہنا چاہتا ہے یا مخلوقات پر آزادانہ حکومت اور حکمرانی کرنا چاہتا ہے، تو اسے چاہیے کہ خالقِ کائنات کی غلامی اختیار کرے۔ بظاہر یہ غلامی ہے لیکن حقیقت میں یہی آزادی ہے۔انسان یہ غلامی اختیار کر کے اپنے آپ کو کائنات کی حدود سے آزاد کروا سکتا ہے۔اب انسان نے یہ فیصلہ خود کرنا ہے کہ وہ زمین پر حکومت کرنا چاہتا ہے یا اس کا محکوم بننا چاہتا ہے۔ کائنات کو تسخیر کرنا چاہتا ہے یا کائنات کی مخلوقات کا اسیر ہونا چاہتا ہے۔کاش انسان یہ غلامی اختیار کر کے حقیقی آزادی حاصل کر لے۔انسان اپنے اپ کو اشرف المخلوقات کہتا ہے اور دنیا کی ایک عظیم طاقت قرار دیتا ہے۔لیکن کائنات کی چھوٹی چھوٹی چیزوں نے اسے تسخیر کر رکھا ہے، مگر اس نے اپنے انسان بھائیوں کو اپنا غلام بنایا ہوا ہے۔انسان کی غلامی کو وہ اپنی کامیابی قرار دیتا ہے۔انسان پر اپنی حکومت کو بادشاہی خیال کرتا ہے۔حالانکہ تمام انسان اشرف المخلوقات ہیں اور کسی

انسان کو دوسرے انسان کو غلام بنانے کا حق نہ ہے اور نہ ہی حکومت کرنے کا اختیار۔ تمام انسان زمین پر اللہ کے خلیفہ ہیں اور تمام انسانوں کا حق ہے کہ وہ نہ صرف زمین پر حکومت کریں بلکہ کائنات کی ہر شے پر حکمرانی کریں۔ زمین پر حکومت کرنے اور کائنات پر حکمرانی کرنے کی بجائے انسان پر حکومت اور حکمرانی کیا انسان کی عزت افزائی ہے یا تذلیل۔ کیا انسان انسان کی تذلیل کر کے کائنات کو تسخیر کر سکتا ہے یا انسان کو اس کا جائز مقام دیکر۔ اگر انسان دنیا میں اپنا جائز مقام ہی حاصل نہ کر سکا تو پھر وہ تسخیر کائنات کیسے کریگا۔ کیا انسان اللہ کو اپنا رب مان کر انسان کو اسکا جائز حق دینے کیلئے تیار ہے۔ اگر آج کا انسان انسان کو اس کا جائز مقام دے دے تو وہ کم از کم دنیا کے انسانوں کو ضرور تسخیر کر سکتا ہے۔ اگر تمام انسان مل کر کائنات کو تسخیر کرنا چاہیں تو یہ کوئی ناممکن کام بھی نہ ہے۔ کاش انسان اس حقیقت کو جان سکے۔ کاش انسان اپنے رب کی طرح اپنے آپ کو عظیم ثابت کر سکے۔

اللہ کی یہ نو صفات قرآن حکیم کی ان آیات میں بیان کی گئیں ہیں جن کو آیت الکرسی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان آیات میں کائنات کے نظام حکومت کے بارے میں بتایا گیا ہے اور یہ وضاحت کی گئی ہے کہ کائنات کا نظام خود بخود نہ چل رہا ہے بلکہ اللہ اس نظام کو چلا رہا ہے۔ اس طرح کائنات میں جو تبدیلیاں ہو رہی ہیں وہ خود بخود حادثاتی طور پر نہ ہو رہی ہیں بلکہ اللہ کی مرضی اور منشاء کے مطابق ایک طے شدہ منصوبے کے مطابق ہو رہی ہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس نظام کا حصہ ہے اور کوئی شے اس نظام سے باہر نہ ہے۔ چونکہ کائنات اللہ کی تخلیق کردہ ہے اور اللہ ہی اس اس نظام کو چلا رہا ہے لہٰذا یہ کائنات ایک ایسی زندگی رکھتی ہے جس کی فنا نہ ہے۔ بیشک کائنات کی ہر شے میں ہر وقت ردو بدل ہوتا رہتا ہے لیکن کائنات کا نظام جوں کا توں ازل سے قائم ہے اور ابد تک قائم رہے گا۔ کائنات میں موجود مخلوقات بظاہر فنا ہونے کے باوجود کسی نہ کسی شکل میں زندہ رہتی ہیں اور بعض اوقات پہلے سے بھی خوبصورت شکل میں ظاہر ہوتی ہیں۔ زمین کی نباتات کا مشاہدہ کریں۔ ہر لحہ فنا اور بقا کا عمل جاری ہے۔ نباتات کی ایک قسم فنا ہوتی ہے تو اس کی دوسری قسم پیدا ہو جاتی ہے

جو پہلی نباتات سے بھی زیادہ دل آویز اور خوبصورت ہوتی ہے۔ جانوروں کی اگر ایک قسم ختم ہو جاتی ہے تو ایک اور قسم نمودار ہو جاتی ہے۔ چونکہ ان مخلوقات کا تعلق اللہ سے ہے لہٰذا یہ مخلوقات کسی نہ کسی روپ اور شکل میں زندہ رہتی ہیں۔ انسان آسمان پر اگر کسی ستارے کو موجود نہ پاتا ہے تو کچھ عرصے بعد اسی جگہ کسی اور ستارے کو موجود پاتا ہے۔ اس طرح کائنات کا نظام رواں دواں ہے جو ازل سے باقی ہے اور ابد تک باقی رہے گا۔

انسان کی حیات کا نظام بھی اللہ چلا رہا ہے۔ انسان مرتا ہے اور بظاہر فنا ہو جاتا ہے لیکن حقیقت میں انسان فنا نہ ہوتا ہے بلکہ کسی اور شکل اور حیثیت میں زندہ رہتا ہے۔ وہ زمین سے اوجھل ہو جاتا ہے لیکن کسی اور جگہ نمودار ہو جاتا ہے۔ انسان ہر وقت موت سے دوچار ہوتا ہے لیکن نسل انسانی کم نہیں ہوتی، بلکہ دن بدن بڑھتی رہتی ہے، یہاں تک کہ انسان کو خاندانی منصوبہ بندی کا سوچنا پڑتا ہے۔ کیا انسان اس نظام کو خود چلا رہا ہے، نہ ہی یہ نظام خود بخود چل رہا ہے۔ بلکہ اللہ ہی اس نظام کو چلانے والا ہے۔ اس طرح انسان کی موت کے باوجود نظام ایک وقت مقررہ تک اسی طرح چلتا رہے گا۔

زمین کا نظام بھی اللہ ہی چلا رہا ہے اور ایک مقررہ وقت تک ایسے ہی چلتا رہے گا۔ نہ انسان مرنے کے بعد فنا ہوتا ہے اور نہ ہی زمین تباہ ہونے کے بعد فنا ہوگی۔ انسان کو مرنے کے بعد اللہ زندہ رکھتا ہے اور زمین کو بھی اللہ تباہ ہونے کے بعد ایک نئی زندگی دے گا۔

نظام شمسی کو بھی اللہ چلا رہا ہے جب تک اللہ چاہے گا۔ یہ نظام چلتا رہے گا اور جب اللہ چاہے گا اسے کسی اور نظام میں بدل دیا جائے گا۔ لیکن یہ نظام ہمیشہ ہمیشہ کیلئے فنا نہ ہوگا۔ جس طرح انسان مرنے کے بعد حیات رہتا ہے اسی طرح کائنات کی ہر شے فنا ہونے کے بعد کسی نہ کسی شکل میں زندہ رہتی ہے۔ انسان کی موت اور حیات کے بارے میں موت و حیات کی حقیقت کے عنوان کے تحت تفصیل سے بات ہوگی۔ ان شاء اللہ

چونکہ اللہ کا وجود ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ اس طرح کائنات کا نظام ازل سے چل رہا ہے اور ابد تک چلتا رہے گا۔ زمین اس کی مخلوقات اور انسان اس کائنات کا ایک اہم

حصہ ہے۔ اس طرح زمین، زمین کی مخلوقات اور انسان قیامت اور موت سے دوچار ہونے کے باوجود زندہ رہیں گے۔ اور انسان کو ان کے بارے میں زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ زمین انسان کا ایک عارضی مقام ہے لیکن فنا ہونے کے بعد بھی یہ زندہ رہے گی، ان شاء اللہ۔ انسان کا مستقل مقام آسمان پر موجود ستاروں سیاروں پر ہے جہاں انسان کو اللہ خود پہنچادے گا۔ اگر اس نے اللہ کو اپنا رب تسلیم کر کے اس کی اطاعت کو اپنی دنیاوی زندگی کا مقصد بنالیا۔ اگر انسان نے اللہ کو اپنا رب تسلیم نہ کیا اور اس کی اطاعت نہ کی تو ہوسکتا ہے وہ اس خوبصورت زمین کو ایک بھیانک دوزخ کی شکل میں دیکھے اور اسی پر ہمیشہ کیلئے رہنے کا پابند بنادیا جائے۔ انسان کو اپنی موت اور زمین کی تباہی کی فکر نہ کرنی چاہیے بلکہ اپنی ابدی زندگی اور زمین کے مستقبل کے بارے میں فکر مند ہونا چاہیے۔ انسان اللہ کو اپنا رب مان کر ان تفکرات سے نجات پا سکتا ہے۔ موت ایک حقیقت ہے جسے انسان کو تسلیم کر لینا چاہیے اسی طرح قیامت بھی ایک حقیقت ہے جسے انسان کو تسلیم کر لینا چاہیے لیکن یہ ہی موت اور قیامت اسے تمام تفکرات سے آزاد کرسکتی ہے اگر انسان اللہ کو اپنا رب تسلیم کر لے چونکہ ستاروں اور سیاروں پر راستہ موت اور قیامت سے ہو کر گزرتا ہے۔ اگر انسان موت اور قیامت کی منزل سے بخیریت گزر گیا تو اس کا مقام ان ستاروں اور سیاروں پر ہوگا۔ جن کو آج تک اس نے ابھی دیکھا تک نہ ہے۔ انسان اللہ کو اپنا رب تسلیم کر کے اس مشکل منزل سے بآسانی گزر سکتا ہے۔

ان آیات کی تلاوت انسان کو موت سے تو نہ بچا سکتی ہے لیکن موت کے علاوہ تمام بلاؤں، مصیبتوں اور بیماریوں سے ضرور بچالیتی ہے۔ اسی طرح انسان اگر ان آیات کو حقیقت مان کر اللہ کی حکومت اور حکمرانی کو تسلیم کر لے تو وہ زمین کو قیامت کی تباہی سے نہ بچا سکے گا، لیکن اسے دوزخ بننے سے ضرور بچالے گا۔ کیا انسان دنیا میں اپنے آپ کو بلاؤں۔ آفات مصیبتوں اور بیماریوں سے محفوظ کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ صبح شام آیت الکرسی کی آیات کو تلاوت کرلیا کرے اللہ اسے اپنی حفاظت میں لے لے گا۔ کیا انسان اپنی زمین

کو دوزخ بننے سے بچانا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ کے نظام کو زمین پر نافذ کر دے۔ یہ نظام زمین کو قیامت کی تباہی سے ایک مدت تک ضرور بچالے گا۔ اور قیامت کے بعد اسے دوزخ ہرگز نہ بننے دے گا۔

اگر انسان اپنی دنیاوی زندگی کو محفوظ کرنا چاہتا ہے اور زمین کو ایک طویل عرصہ تک آباد دیکھنا چاہتا ہے اور مرنے کے بعد ستاروں اور سیاروں میں ابدی زندگی چاہتا ہے اور زمین کو دوزخ بننے سے بچانا چاہتا ہے تو اسے اللہ کو اپنا رب تسلیم کر کے اس کی حکومت اور حکمرانی کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ اگر انسان نے ایسا کر لیا تو وہ ایک دن کائنات کو ضرور تسخیر کر لے گا اگر انسان ایسا نہ کر سکا تو پھر وہ اپنے آپ کو اذیت ناک زندگی سے نہ بچا سکے گا اور نہ ہی زمین کو دوزخ بننے سے باز رکھ سکے گا۔ کاش انسان کائنات کے نظام کو سمجھ سکے تاکہ وہ اپنے دنیاوی نظام کی اصلاح کر کے زمین کو جنت نظیر بنا سکے۔

اگر انسان اپنے آپ کو کائنات کے نظام سے ہم آہنگ کر لے تو وہ موت کو تسخیر کر کے ابدی حیات حاصل کر سکتا ہے اور اپنی زمین کو قیامت کی تباہ کاریوں کے باوجود ابدی جنت میں تبدیل کر سکتا ہے۔ اگر انسان نے کائنات کے نظام سے اپنے آپ کو ہم آہنگ نہ کیا تو نہ وہ موت کو تسخیر کر سکے گا اور نہ زمین کو مکمل تباہی سے بچا سکے گا۔ اگر انسان موت کو ہی تسخیر نہ کر سکا تو وہ کائنات کو کیسے تسخیر کر سکے گا۔ کاش انسان موت کو تسخیر کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اگر انسان اللہ کو اپنا رب تسلیم کر لے تو وہ کائنات کی دوسری مخلوقات کی طرح ابدی خوشحال زندگی حاصل کر سکتا ہے اور زمین کی کامیاب خدمت کے بعد کائنات کی خلافت حاصل کر سکتا ہے۔ کیا انسان کائنات کی خلافت نہیں چاہتا تو پھر وہ کائنات کے خالق اور مالک اللہ کو اپنا رب تسلیم کیوں نہیں کرتا۔ کاش انسان اللہ کو اپنا رب بنالے تاکہ وہ زمین کی حدود سے آزاد ہو کر کائنات پر تسلط حاصل کر سکے۔

14۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

اللہ کے پاس کائنات کا مکمل حقیقی علم ہے۔ اللہ کائنات کے ظاہر اور باطن دونوں سے

واقف ہے۔ اللہ تمام مخلوقات کا حقیقی علم رکھتا ہے۔ اللہ باطن کا علم بھی اسی طرح رکھتا ہے جس طرح ظاہر کا رکھتا ہے۔ اللہ مخلوقات کے باطن کے علم سے بھی اسی طرح واقف ہے جس طرح ظاہر سے۔ اللہ کے نزدیک کوئی چیز پوشیدہ نہ ہے نہ ہی مخفی ہے۔

اللہ کائنات کا پوشیدہ اور مخفی علم جس انسان کو چاہتا ہے دے دیتا ہے۔ اللہ نے کائنات کے تمام ضروری مخفی اور پوشیدہ رازوں کا علم اپنے آخری نبی کو دے دیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ضروری مخفی اور پوشیدہ رازوں کا علم انسانوں تک پہنچا دیا ہے۔ رازوں کا یہ خزانہ قرآن وسنت کی شکل میں انسان کے پاس موجود ہے، اگر حقیقی علم کے ہوتے ہوئے وہ بھٹک رہا ہے تو یہ اسکا اپنا قصور ہے۔ اگر انسان اس حقیقی علم سے اپنے آپ کو فیضیاب نہیں کریگا۔ تو وہ کبھی بھی کامیاب نہ ہوگا۔ وہ کبھی ایک سراب اور کبھی دوسرے سراب کے پیچھے بھاگ کر اپنی زندگی ختم کر لے گا اور اپنے مادی وسائل ضائع کر دے گا۔ انسان کو چاہیے کہ اس حقیقی علم سے مستفید ہو کر کائنات کو تسخیر کر لے۔ کیونکہ اس علم کے بغیر وہ کائنات کی تسخیر کی جانب ایک قدم بھی کامیابی سے نہ اٹھا سکتا ہے۔

اگر انسان اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ کائنات کا حقیقی علم خالقِ کائنات کے پاس ہے اور اس نے یہ علم اپنے رسول ﷺ کے ذریعے انسانوں کو دے رکھا ہے تو پھر وہ حقیقی علم کیلئے مشاہدے اور تجربے کے جال سے باہر نکل کر اس ذات کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتا جس کے سامنے کائنات کا ذرہ ذرہ چاند اور سورج کی طرح روشن ہے اور جو ذرے ذرے کے پوشیدہ پہاڑوں سے واقف ہے۔ اگر انسان اپنے مشاہدے پر اعتماد کرتا ہے تو پھر اسے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے مشاہدے پر کیوں اعتماد نہیں۔ اگر وہ اپنے مشاہدے کو سچا جانتا ہے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مشاہدے پر کیوں شک کرتا ہے۔ کیا اللہ اور اس کے رسول کا مشاہدہ انسان کے اپنے مشاہدے سے بھی نعوذ باللہ کم درجہ رکھتا ہے، اور اگر یہ رویہ درست نہیں اور اس کی بنیاد ہٹ دھرمی اور ضد پر ہے تو انسان اس رویہ کی اصلاح کیوں نہیں کر لیتا ہے۔

انسان اگر کائنات کا حقیقی علم حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے خالق کائنات اور انسان کامل کے مشاہدات کو سچا تسلیم کر لینا چاہیے اور اپنے مشاہدات اور تجربات کو ان مشاہدات کے تابع کر لینا چاہیے۔ اگر انسان نے ایسا کر لیا تو وہ کائنات کے حقیقی علم کو جان لے گا، اور پھر اسے ایک دن تسخیر بھی ضرور کر لے گا۔

15۔ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ

اللہ رحمان بھی ہے رحیم بھی ہے۔ کائنات کا وجود اللہ کے رحمان اور رحیم ہونے کا بین ثبوت ہے، کیونکہ اس کائنات کے وجود سے بے شمار مخلوقات کا وجود وابستہ ہے۔ اگر یہ کائنات نہ ہوتی تو اربوں مخلوقات کا آج وجود تک نہ ہوتا۔ کائنات اللہ کی ضرورت نہ ہے بلکہ کائنات میں موجود مخلوقات کی ضرورت ہے۔

اللہ نے کائنات اور اس میں موجود مخلوقات کو محض اپنے خلیفہ انسان کیلئے بنایا ہے، اور انسان کو اپنی عبادت کے لئے بنایا ہے، لیکن وہ اللہ کی عبادت چھوڑ کر کائنات اور اس کی مخلوقات کا پجاری بن گیا ہے۔ اس کے باوجود اللہ نے انسان کو زندہ رکھا ہوا ہے اور کائنات کی مخلوقات کو اس کی خدمت پر لگا رکھا ہے۔ اگر اللہ کی رحمت اور مہربانی نہ ہوتی تو کیا انسان زمین پر زندہ رہ سکتا تھا۔ اور اللہ کی مخلوقات کو اپنے تصرف میں لا سکتا تھا؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر انسان اللہ کا شکرگزار اور احسان مند ہونے کی بجائے اسکا نافرمان اور باغی کیوں ہو گیا ہے۔ لیکن اللہ نے پھر بھی انسان کو اپنی رحمت میں لے رکھا ہے۔ کیا کائنات میں اللہ کی طرح کوئی اور ہستی ہے جو انسانوں پر اس حد تک مہربان ہو۔ اللہ نے کائنات کو انسان کیلئے پیدا کیا ہے لیکن اس کا احسان نہ جتلایا۔ اللہ نے کائنات کی مخلوقات کو انسان کے تصرف میں دیا لیکن احسان نہ جتلایا۔ اللہ نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بے شمار صلاحیتوں سے نوازا لیکن احسان نہ جتلایا۔ لیکن جب اللہ نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو انسانوں میں معبوث کیا تو اسے انسان پر احسان عظیم قرار دیا۔

اس طرح اللہ کے رسول ﷺ کی ذات کا وجود اللہ کی ایک بے پناہ رحمت ہے۔ اللہ

نے اپنے رسول ﷺ کو کائنات کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اس طرح اگر انسان اپنے آپ اللہ کی رحمت سے فیضیاب کرنا چاہتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو اللہ کا رسول تسلیم کر کے ان کی اطاعت کریں۔ اگر انسان نے اپنے آپ کو اس رحمت سے فیضیاب نہ کیا تو وہ زیادہ دیر تک اللہ کی رحمت سے مستفید نہ ہو سکے گا۔ اگر انسان نے اس رحمت کا انکار کر دیا تو پھر وہ اللہ کی رحمت کا حقدار نہیں رہے گا۔ اور اگر اللہ نے انسان کو اپنی رحمت سے محروم کر دیا تو پھر پوری کائنات میں انسان کا مونس، مشفق اور غم خوار کوئی نہ ہوگا۔ انسان اللہ کی رحمت کی وجہ سے آج تک زمین پر زندہ ہے۔ اگر وہ اس رحمت سے محروم ہو گیا تو پھر وہ زندہ نہ رہ سکے گا۔ انسان اپنی ذات اور ارد گرد غور و خوض کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ اللہ نے اسے بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ یہ سب نعمتیں اللہ کے احسان ہونے کی وجہ سے ہیں۔ کیا انسان نے ان نعمتوں کو خریدا ہے یا ان کی خریدنے کی طاقت رکھتا ہے۔ ہرگز نہیں تو پھر انسان اپنے رب کا شکر گزار بندہ کیوں نہیں بن جاتا۔

اگر ایک انسان دوسرے انسان پر معمولی سا احسان کر دے تو وہ امید کرتا ہے کہ دوسرا انسان اس کا احسان مند اور شکر گزار ہو، لیکن وہ اللہ کی بے شمار نعمتوں کا شکریہ ادا نہ کرتا ہے، اور نہ ہی اللہ کا احسان مند ہوتا ہے۔ کیا یہ کفرانِ نعمت نہ ہے؟ لیکن اس کے باوجود اللہ اپنے بندوں کو اپنی نعمتوں سے محروم نہ کرتا ہے۔

انسان دنیا میں ایک امتحان سے گزر رہا ہے۔ ممتحن اللہ ہے۔ امتحان کا وقت انسان کی عمر ہے۔ دنیا اور اس کی نعمتیں امتحان ہے۔ اللہ کبھی نعمتیں دے کر انسان آزماتا ہے اور کبھی اسے نعمتوں سے محروم کر کے اسے امتحان کے عمل سے گزارتا ہے۔ اگر انسان نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے اور نعمتوں کے چھن جانے پر صبر سے کام لیتا ہے تو وہ انسان اس امتحان میں کامیاب ہو جاتا ہے اور جب وہ اس امتحان میں کامیاب ہو کر دنیا سے کوچ کرتا ہے۔ تو اللہ کی بے شمار نعمتوں کو اپنا منتظر پاتا ہے۔ اور اگر وہ اس امتحان میں ناکام ہو جاتا ہے تو بہت سی محرومیاں اس کا مقدر بن جاتی ہیں۔ دنیا کی خوشحالی پر اگر انسان غرور کر لے تو یہ غرور اس کی

ناکامی کا سبب بن جاتا ہے۔ اور اگر وہ اللہ کا شکر کرے اور اللہ کے بندوں کو اس میں حصہ دار بنالے تو یہ شکر اور حصہ داری اسے کامیابی سے ہمکنار کر دیتی ہے۔ اس طرح اگر انسان نعمتوں کے چھن جانے پر صبر کرے اور اپنی بدحالی کو صبر و تحمل سے برداشت کرے تو وہ امتحان میں کامیاب ہو جاتا ہے اور اگر بے صبری اور نوحہ خوانی کرے تو وہ امتحان میں ناکام ہو جاتا ہے۔

دنیا کی خوش حالی اللہ کے راضی ہونے کی علامت نہ ہے اسی طرح دنیا کی بدحالی اس چیز کا ثبوت نہ ہے کہ اللہ انسان سے ناراض ہے۔ دنیا کی خوشحالی اور بدحالی دونوں امتحان کا حصہ ہیں اور جو ان میں کامیاب ہوتا ہے۔ وہی کامیاب اور خوش نصیب ہے اور اللہ ایسے انسانوں سے ہی راضی اور خوش ہوتا ہے۔ اور جو ان میں ناکام ہوتا ہے اللہ ان سے ناراض ہوتا ہے۔ جو انسان اللہ کو اپنا رب تسلیم کرتے ہیں اللہ ان کو نعمتوں سے محروم کر کے زیادہ آزماتا ہے۔ کیونکہ اللہ ان کو آخرت کی نعمتوں کا حقدار بنانا چاہتا ہے۔ جو انسان اللہ کا انکار کرتے ہیں اللہ ان کو دنیا کی نعمتیں زیادہ دیتا ہے تاکہ ان کو آخرت کی نعمتوں سے محروم رکھا جا سکے۔ دنیا کائنات کا ایک معمولی سا حصہ ہے اور اس کی نعمتیں کائنات کی نعمتوں کے مقابلے میں کوئی اہمیت اور حیثیت نہ رکھتیں ہیں اس طرح انسان ان معمولی عارضی نعمتوں کو ان بے شمار مستقل نعمتوں پر قربان کر سکتا ہے۔ اگر انسان ان حقیر دنیا کی نعمتوں کیلئے آخرت کی نعمتوں کو قربان کر دے تو پھر وہ اللہ کو نعوذ باللہ مورد الزام نہ ٹھہرا سکتا ہے کہ وہ رحمان اور رحیم نہ ہے۔

انسان اللہ کو اپنا رب تسلیم کر کے دنیا کی نعمتوں سے بھی مستفید ہو سکتا ہے اور آخرت کی نعمتوں کا حقدار بھی بن سکتا ہے۔ وہ اللہ کو دنیا میں رحمان پائے گا۔ اور آخرت میں اسے رحیم کی شکل میں دیکھے گا۔ اگر انسان اللہ کو اپنا رب تسلیم نہیں کرے گا۔ تو پھر بھی اللہ اسے دنیا کی نعمتوں سے محروم نہیں کریگا۔ وہ دنیا میں تو اللہ کو رحمان ضرور پائے گا، لیکن آخرت میں وہ اپنے آپ کو اللہ کی رحمت سے محروم کر لے گا۔ اب انسان نے یہ فیصلہ خود کرنا ہے کہ وہ دنیا

اور آخرت دونوں جگہ اللہ کی رحمت سے مستفید ہونا چاہتا ہے، یا صرف چند سال کیلئے فیضیاب ہو کر آخرت کیلئے اللہ کی رحمت سے محروم ہونا چاہتا ہے۔

کاش انسان اپنے چند سال ابدی زندگی کیلئے قربان کر سکے، کیونکہ اسی میں کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔ ابدی خوشحالی کیلئے عارضی خوشحالی کو چھوڑنا کوئی مشکل کام نہ ہے، لیکن یہ تبھی ممکن ہے اگر انسان اس حقیقت کو تسلیم کر لے کہ دنیا کی زندگی کے علاوہ ایک اور زندگی بھی ہے اور زمینی دنیا کے علاوہ آسمانی دنیا بھی ہے۔ جسے وہ کائنات کا نام دیتا ہے۔ کیا وہ کائنات کو تسخیر نہ کرنا چاہتا ہے؟ اگر وہ کائنات کو واقعی تسخیر کرنا چاہتا ہے تو پھر دنیا قربان کرنے سے کیوں گھبراتا ہے؟ آخر اُسے کچھ نہ کچھ قربانی ضرور دینی ہوگی۔ کاش انسان یہ قربانی دینے کیلئے تیار ہو جائے۔

اللہ رحمان ہے اور انسان میں بھی اس صفت کو دیکھنا پسند کرتا ہے۔ اگر انسان اس صفت کو اپنے اندر پیدا کر لے تو پھر اسے دنیا قربان کرنا آسان ہو جائے گا۔ وہ دنیاوی نعمتوں میں اپنے بھائیوں کو شامل کر لے گا۔ اس طرح مادہ پرستی کے منہ زور گھوڑے کو لگام دے سکے گا۔ وہ دنیا کی نعمتوں سے محروم ہو کر ہی اپنے آپ کو آخرت کی نعمتوں سے فیضیاب کر سکے گا۔ وہ خود دنیا کی نعمتوں سے بے شک محروم رہے گا، لیکن دوسرے انسانوں کو ان نعمتوں سے محروم نہ ہونے دے گا۔ وہ انسانوں پر احسان کرے گا لیکن ان کی فکر نہ کرے گا کہ اسے نیکی کا صلہ دیا جائے گا۔ وہ دنیا میں موجود رہے گا اور دنیا کی نعمتوں کو استعمال کرے گا، لیکن دنیا اور اس کی نعمتیں اسے اپنے بھائیوں کا استحصال کرنے کی اجازت نہ دیں گی اور وہ ایک مشفق، مہربان اور انسان دوست انسان بن جائے گا۔ اگر انسان اپنے اندر یہ صفت پیدا کر لے تو ظلم و ستم کا نام و نشان مٹ جائے اور یہ دنیا ایک ایسی جنت بن جائے جہاں ہر طرف خوشی اور خوشحالی ہو۔ اگر انسان رحمان بن جائے تو وہ ایک دنیا تو کیا اس طرح کی ہزاروں دنیا چھوڑ دے۔ انسان رحمان بن کر ہی آج اس دنیا کو تسخیر کر سکتا ہے۔

آج اگر وہ یہ دنیا تسخیر کر لیتا ہے تو کل وہ رحیم بن کر کائنات بھی تسخیر کر لے گا۔ انشاء

اللہ۔لیکن آج اگر انسان رحمان نہ بن سکا تو کل رحیم بھی نہ بن سکے گا۔آج وہ اس دنیا میں قید ہے حالانکہ یہ بہت وسیع و عریض ہے اور کل کائنات میں قید ہوگا جس کی وسعت لامحدود ہے۔وہ نہ اس دنیا میں آزاد ہوگا اور نہ کائنات میں آزاد ہوگا۔وہ دنیا میں غلام رہے گا اور آخرت میں ایک سزا یافتہ قیدی۔

کاش انسان اس غلامی سے آزادی حاصل کر سکے تا کہ وہ دنیا اور کائنات دونوں کو تسخیر کر لے۔رحمان اور رحیم اللہ کو انسان اپنا رب بنا کر اس غلامی سے آزادی حاصل کر سکتا ہے۔کاش انسان اپنے رب کو جان اور پہچان سکے۔

16۔اَلْمَلِكُ

اللہ کائنات اور اس کی مخلوقات کا مالک، بادشاہ اور حکمران ہے۔اللہ حقیقی مالک، بادشاہ اور حکمران ہے۔دنیا کے بادشاہ اور حکمران اس کی مخلوق اور غلام ہیں۔اللہ جب تک چاہتا ہے وہ بادشاہ اور حکمران رہتے ہیں اور جب چاہتا ہے ان سے بادشاہت اور حکمرانی واپس لے لیتا ہے۔وہ فقیر کو بادشاہ اور بادشاہ کو فقیر بنا دیتا ہے۔ان کی بادشاہت اور حکمرانی انسانوں کی ایک آبادی پر ہوتی ہے اور وہ زمین کے ایک حصے کے بادشاہ اور حکمران ہوتے ہیں۔جبکہ اللہ کی بادشاہت زمین، آسمان، ستاروں، سیاروں سب پر ہے اور تمام مخلوقات اس کی رعایا ہے۔اللہ نہ صرف عوام کا بادشاہ ہے بلکہ وہ بادشاہوں کا بھی بادشاہ ہے۔کیا انسان کائنات کے بادشاہ کو اپنا بادشاہ تسلیم نہیں کرتا۔اگر وہ اللہ کو اپنا بادشاہ نہیں مانتا تو پھر وہ دنیا کے بادشاہوں کو بادشاہ کیوں تسلیم کرتا ہے۔وہ دنیا کے بادشاہوں کو اس وجہ سے بادشاہ مانتا ہے کہ اگر وہ ان کا انکار کرے تو وہ اسے زندہ نہ رہنے دیتے ہیں۔لیکن کیا یہ رویہ حقیقت پسندانہ ہے؟ بادشاہ تو وہ ہوتا ہے جو ماننے اور نہ ماننے والوں دونوں کو زندہ رکھے اور ان کو اپنی رحمت سے نوازتا رہے۔کیا اللہ کے سوا کوئی ایسا بادشاہ ہے اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر انسان اسے اپنا بادشاہ تسلیم کیوں نہیں کرتا؟

دنیا کے بادشاہ اور حاکم اپنے اپنے ضابطے اور قوانین بنانے اور جاری کرنے کا

استحقاق رکھتے ہیں اور انسان ان ضابطوں اور قوانین کو تسلیم کر کے اپنے آپ کو مہذب شہری کہلا کر فخر محسوس کرتا ہے۔ لیکن کیا کائنات کے حقیقی بادشاہ کو ضابطے اور قوانین بنانے اور نافذ کرنے کا اختیار نہ ہے اور جو انسان ان ضابطوں اور قوانین کو تسلیم کرے وہ بنیاد پرست بن جاتا ہے۔ انسان ایسے انسانوں کو مہذب کہنے سے کوئی ہچکچاتا ہے۔ کیا انسان کا یہ رویہ حقیقت پسندانہ ہے؟ اگر یہ رویہ حقیقت پسندانہ نہ ہے تو پھر نام نہاد مہذب انسان اپنے رویہ کی اصلاح کیوں نہ کرتا ہے۔

دنیا کے بادشاہ اور حکمران اپنی فرمانبردار رعایا کو انعامات سے نوازتے ہیں اور نافرمان اور باغی انسانوں کو سزا کا حقدار قرار دیتے ہیں۔ بادشاہوں کی رعایا بادشاہوں کے انعامات کو اپنا حق اور ان کی سزا کو انصاف کا نام دیتی ہے۔ لیکن اللہ کے فرمانبردار اور اطاعت گزار بندوں پر اگر انعامات کیے جائیں تو ان کو اپنا حق تلفی خیال کرتی ہے اور اگر نافرمان اور باغی انسانوں کو اللہ سزا دے تو اسے ظلم قرار دیتی ہے کیا انسان کا یہ رویہ انصاف پر مبنی ہے اگر اس کا یہ رویہ غیر منصفانہ ہے تو پھر وہ اپنے رویہ کو تبدیل کیوں نہیں کرتا۔

انسان نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں جو ترقی کی ہے اس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کو اپنا بادشاہ مانتا ہے اسی وجہ سے وہ اپنے اپنے تخلیقی مقاصد کو پورا کر رہا ہے۔ اگر وہ اللہ کو اپنا بادشاہ نہ مانتے ہوتے تو کائنات کا نظام کب سے بکھر چکا ہوتا اور انسان جو برس ہا برس سے زمین پر حکومت کر رہا ہے حکمرانی اور بادشاہت سے معزول ہو چکا ہوتا۔ اگر کائنات کے بے شعور ذرات بھی اللہ کو اپنا بادشاہ اور حکمران تسلیم کر رہے ہیں تو انسان جو نہ صرف باشعور ہے بلکہ مہذب اور اشرف المخلوقات ہے وہ اللہ کو اپنا بادشاہ اور حکمران کیوں تسلیم نہیں کرتا۔ کیا انسان نے اپنے اس رویے پر کبھی غور کیا ہے؟ اگر وہ غور کرے تو وہ اپنے رویے کو ضرور تبدیل کر لے۔

انسان کائنات کو تسخیر کرنا چاہتا ہے اللہ بھی چاہتا ہے کہ کائنات انسان کے تصرف میں آ جائے۔ اللہ نے انسان کو اس راستے کی نشاندہی کر دی ہے جس پر وہ چل کر کائنات کو اپنے

تصرف میں لاسکتا ہے۔لیکن انسان اگر اس راستے کو چھوڑ دے اور کج روی اختیار کر لے تو پھر وہ اپنے مقصد میں کیسے کامیاب ہوسکتا ہے۔ انسان اپنے جسم کی صحت کیلئے ڈاکٹر کی ہدایات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کیلئے سائنسدانوں اور ڈاکٹروں کی آراء کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔لیکن وہ زمین کی کامیاب خلافت اور کائنات کی خلافت کیلئے اللہ کے ہدایت نامے کو کوئی وقعت نہ دیتا ہے اور نہ ہی اس راستے کو اختیار کرتا ہے جو سلامتی اور کامیابی کا ضامن ہے۔ کیا وہ ایسا کر کے زیادہ دیر تک زمین کی خلافت اپنے پاس رکھ سکتا ہے اور کائنات کی خلافت کیلئے اپنے آپ کو اہل ثابت کر سکتا ہے؟

انسان اگر ایک مدت تک زمین پر حکمرانی کرنا چاہتا ہے تو اسے اللہ کو اپنا حاکم تسلیم کر کے اس کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات کو اختیار کر لینا چاہیے تا کہ وہ کائنات کی حکومت اور حکمرانی حاصل کر سکے۔

دنیا کے بادشاہوں اور حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ کو اپنا بادشاہ اور حاکم تسلیم کر لیں وگرنہ رعایا کا انکار بھی ان کے ذمے ہوگا اور مرنے کے بعد وہ اس انکار کا خمیازہ ضرور بھگتیں گے اور اللہ کے عذاب سے انہیں کوئی بچا نہ سکے گا۔ وہ اپنے آپ کو ظل اللہ کہتے ہیں لیکن اللہ کو اپنا بادشاہ تسلیم نہیں کرتے۔ وہ اپنے آپ کو اللہ کا نائب اور خلیفہ قرار دے کر اپنی حکومت اور حکمرانی کو عوام سے تسلیم کروانا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ لیکن اللہ کے ضابطہ حیات کو تسلیم کرنے اور نافذ کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو بادشاہ اور حکمران کہلاتے ہیں۔ لیکن اللہ کی بادشاہی اور حکمرانی کے اُصولوں کو نظرانداز کر کے انسانوں کا استحصال کرتے ہیں اور ان پر ظلم کرتے ہیں۔ آج وہ آزاد ہیں اور قانون سے بالا ہیں۔ لیکن ایک وقت آنے والا ہے جب وہ حقیقی بادشاہ کے پاس حاضر ہوں گے اور اللہ کے قانون کا اطلاق ان پر بھی اس طرح ہوگا جس طرح ایک عام انسان پر ہوگا۔

اگر وہ آج اللہ کے قانون کو اپنے اوپر نافذ کر لیں اور اپنی رعایا کے ساتھ انصاف کریں تو کل کائنات کی حکومت اور بادشاہت کے وہ حقدار ہو سکتے ہیں۔

کاش دنیا کے حاکم اور بادشاہ حقیقی حاکم اور بادشاہ کو جان اور پہچان سکیں۔آج دنیا کا حقیقی حاکم اور بادشاہ اللہ ہے اور کل بھی وہ ہی کائنات کا حاکم اور بادشاہ ہوگا۔انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ کو آج اپنا بادشاہ تسلیم کرلے۔چونکہ اللہ ہی الملک ہے۔دنیا کے بادشاہ ملک ہیں لیکن الملک نہ ہیں۔الملک کے ہوتے ہوئے بھلا ملک کی کیا حیثیت ہے۔انسان اللہ کو اپنا بادشاہ تسلیم کر کے کم از کم اپنی آزادی کو ضرور تسخیر کرلے گا۔

17۔اَلْقُدُّوْسُ

اللہ ہر قسم کے عیب، نقص اور کمی سے پاک اور منزہ ہے۔اللہ خود بھی پاک ہے اور پاکیزہ چیزوں کو پسند کرتا ہے۔اللہ انسان کو پاکیزہ پیدا کرتا ہے وہ بوقت پیدائش ہر قسم کے گناہ سے پاک صاف ہوتا ہے۔اللہ نے انسان کو پاکیزہ رکھنے کیلئے پانی بنایا ہے۔جس سے انسان وضو کرتا ہے، غسل کرتا ہے اور اپنے کپڑے صاف کرتا ہے۔تمام زمین کو اللہ نے مسجد بنا دیا ہے جہاں چاہے وہ نماز ادا کر سکتا ہے۔تمام جانوروں کو سوائے چند کے اللہ نے پاک پیدا کیا ہے۔انسان ان کو بطور غذا استعمال کرتا ہے۔زمین کے پھل، اناج اور سبزیاں سب پاکیزہ پیدا کی ہیں جو انسان کی خوراک ہیں۔

انسان کو پاکیزہ رکھنے کیلئے اسے حمد اور تسبیح کا طریقہ سکھایا ہے۔اسے پاک صاف رکھنے کیلئے نبی اور رسول بھیجے اور ان کو الہامی کتابیں عطا کیں۔انسان کو حرام اور حلال کا شعور دیا۔انسان کو جنت کا راستہ بتایا۔

اگر انسان اپنی فطری پاکیزگی کو قائم رکھتا ہے تو اس کا رتبہ نوری مخلوق سے بھی بلند ہو جاتا ہے۔اور وہ اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں فرشتوں کی بھی رسائی نہ ہوتی ہے۔اگر انسان اس صفت کو اپنے اندر قائم کرلے تو وہ ہر ایک گناہ اور برائی سے پاک ہو جاتا ہے۔اور وہ انسانوں کا دوست اور غمخوار بن جاتا ہے۔اس طرح دنیا انسان کے شر اور برائی سے محفوظ ہو جاتی ہے۔اگر انسان دنیا کو اپنے شر اور برائی سے محفوظ کرلے تو دنیا جنت نظیر بن سکتی ہے۔اس طرح انسان قدوس بن کر برائی اور شر کو تسخیر کر سکتا ہے۔

اگر دنیا کے بادشاہ اور حکمران اللہ کی اس صفت کو اپنے اندر پیدا کر لیں تو انسان ان سے اس طرح محبت اور پیار کرنے لگیں جس طرح بچے اپنے والدین سے محبت اور پیار کرتے ہیں۔ دنیا کے بادشاہ اور حکمران اس طرح اپنی رعایا کو تسخیر کر سکتے ہیں۔ اس طرح انہیں عوام کو تسخیر کرنے کیلئے فوج اور اسلحہ کی ضرورت نہ رہے گی۔

انسان اچھے انسان کو پسند کرتا ہے۔ عوام اچھے بادشاہ اور حاکم کو پسند کرتے ہیں۔ تو پھر وہ اپنے رب سے کیوں محبت اور پیار نہیں کرتا جو نہ صرف اچھا ہے بلکہ سب سے اچھا ہے۔ انسان اپنے رب سے محبت کر کے ایک اچھا بندہ بن سکتا ہے۔ اور ایک اچھا بندہ ایک اچھا انسان بن سکتا ہے۔ کیا انسان ایک اچھا انسان نہیں بننا چاہتا؟ کیا انسان ایک اچھا حاکم اور حکمران نہیں بننا چاہتا؟ تو پھر وہ القدوس کو اپنا رب تسلیم کیوں نہیں کرتا؟ کیا وہ اپنے رب کی جنت میں جانا نہیں چاہتا جو آسمانوں پر ہے؟ کیا وہ اپنے رب کا دیدار نہیں کرنا چاہتا؟ کیا وہ زمین کی خلافت کے بعد کائنات کی خلافت کا آرزومند نہیں؟ تو پھر وہ القدوس کو اپنا رب بنا کر خود قدوس کیوں نہیں بن جاتا۔ کاش انسان قدوس بن جائے تا کہ القدوس اسے کائنات کی خلافت سونپ دے۔ انسان قدوس بن کر موت کے بعد نہ صرف زندہ رہ سکتا ہے بلکہ القدوس کا دیدار بھی کر سکتا ہے۔ انسان اچھے کام کر کے زندہ جاوید ہو سکتا ہے۔ اچھے انسانوں کو نہ صرف دنیا والے یاد رکھتے ہیں بلکہ دنیا کا مالک اللہ بھی ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ کیا انسان موت کے بعد بھی زندہ رہنا چاہتا ہے تو پھر اسے ایک اچھا انسان بن جانا چاہیے اور اچھا انسان بننے کیلئے اسے اللہ کا بندہ بننا ہو گا۔ انسان اللہ کو اپنا رب تسلیم کر کے اور اس کی اطاعت کر کے اس کا بندہ بن سکتا ہے۔ انسان اس طرح دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

18۔ السَّلٰمُ

اللہ ازل سے سلامت ہے اور ابد تک سلامت رہے گا۔ اللہ کی ذات اس سے بالاتر ہے کہ اسے کوئی آفت، کمزوری یا خامی لاحق ہو۔ اللہ نے کائنات کو سلامت رکھا ہوا ہے

انسان اور تمام مخلوقات اللہ کی وجہ سے سلامت ہیں۔ زمین، چاند، سورج اور ستارے بھی اللہ کی وجہ سے ہی سلامت ہیں۔ اللہ نے کائنات کی سلامتی کا ایک ایسا نظام قائم کیا ہوا ہے جس میں کوئی ذات اور چیز مداخلت نہ کر سکتی ہے۔ انسان بے شک خطرناک سے خطرناک اور تباہ کن سے تباہ کن بم اور ہتھیار بنا لے وہ کائنات کے نظام کو درہم برہم نہ کر سکتا ہے۔ انسان اپنے خوفناک بموں اور ہتھیاروں سے زمین کو مکمل طور پر تباہ نہ کر سکتا ہے بھلا وہ کائنات کے سلامتی کے نظام میں کیسے مداخلت کر سکتا ہے۔

کائنات کی سلامتی کا میزان اتنا بلند ہے کہ انسان وہاں تک پہنچ ہی نہ سکتا ہے۔ یہ نظام انصاف پر استوار کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کی سلامتی کو کوئی خطرہ نہ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اپنے کسی نظام کو کسی دوسرے نظام میں بدلنے کیلئے تباہ و برباد کر دے۔ آج انسان کو دنیا میں سب سے بڑا مسئلہ جو درپیش ہے وہ انسان کی اپنی سلامتی کا ہے۔ انسان انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی سلامتی سے خوفزدہ ہے۔ انسان نے اپنی سلامتی کیلئے اپنی آزادی، اپنے انسانی حقوق اور اپنے مادی وسائل تک کو قربان کر دیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنی سلامتی کی ضمانت حاصل نہ کر سکا ہے۔ کمزور سے کمزور انسان طاقتور سے طاقتور انسان، چھوٹے سے چھوٹا ملک اور بڑے سے بڑا ملک سب کو اپنی سلامتی کی فکر ہے۔ انسان نے تقریباً اپنے تمام وسائل اپنی سلامتی پر خرچ کر دیئے ہیں۔ اس کے باوجود انسان اپنی سلامتی کے بارے میں اطمینان حاصل نہ کر سکا ہے۔ وہ اپنی سلامتی کیلئے کبھی لیگ آف نیشنز اور کبھی اقوام متحدہ بناتا ہے لیکن پھر بھی وہ اپنی سلامتی کا فکر مند ہے۔ کیا انسان انسان کو کبھی اس کی سلامتی کی ضمانت دے سکے گا۔ اگر انسان نے اپنے آپ کو اللہ کی سلامتی میں دے دیا تو پھر وہ انسان کو بھی سلامتی فراہم کرے گا لیکن اگر اس نے اپنے آپ کو اللہ کی سلامتی میں نہ دیا تو پھر وہ کبھی انسان کو سلامتی کی ضمانت نہ دے سکے گا۔

انسان کو اگر اپنی سلامتی کی فکر ہے تو کس سے ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ انسان کی سلامتی کو صرف انسان سے خطرہ ہے اور کسی سے نہ اسے ڈر ہے، نہ خوف۔ کائنات کی سلامتی

سے اسے کوئی خطرہ نہ ہے۔ موت سے اسے کوئی ڈر نہ ہے۔ قیامت سے اسے کوئی خطرہ نہ ہے۔ زمین کے تباہ ہونے کا اسے خوف نہ ہے۔ بلکہ وہ ان تمام سے مطمئن ہے اور اپنی بقاء کیلئے ان سے خوفزدہ نہ ہے۔ اگر وہ کسی سے ڈر رہا ہے اور خوفزدہ ہے تو وہ آج کا مہذب اور ترقی یافتہ انسان ہے۔ کیا انسان انسان کے اس ڈر اور خوف کو دور نہ کرسکتا ہے؟ کیا انسان ایک حقیقی مہذب انسان نہ بن سکتا ہے؟ اگر انسان ایک مہذب انسان نہ بن سکتا ہے تو پھر وہ اپنے آپ کو ترقی یافتہ انسان کس بنا پر کہتا ہے۔ کیا وہ انسان جس سے انسان خوفزدہ ہوں اپنے آپ کو ترقی یافتہ انسان کہلانے کا حقدار ہے۔ اگر انسان کائنات کی طرح اللہ کو السلم تسلیم کرلے تو وہ خوف اور ڈر سے اسے نجات دلا سکتا ہے۔ اگر اللہ کو رب تسلیم کرلیا جائے تو کیا اس پر کوئی سرمایہ خرچ ہوتا ہے اور اگر سلامتی کا یہ نظام بلا قیمت قائم ہوسکتا ہے تو انسان اس نظام کو کیوں قائم نہ کرتا ہے۔ کاش انسان سلامتی کے اس نظام کو قائم کرلے تاکہ انسان ایک دوسرے سے نفرت کرنے کی بجائے محبت کرسکیں۔ ایک دوسرے سے ڈرنے کی بجائے ایک دوسرے کی مدد کرسکیں۔ کیا انسان انسانوں کو تسخیر نہ کرنا چاہتا ہے اور اگر وہ ایسا چاہتا ہے تو پھر وہ اللہ کو السلم تسلیم کرکے خود دوسرے انسانوں کیلئے سلامتی کا پیغمبر کیوں نہ بن جاتا ہے۔ کیا انسان کائنات کے سلامتی نظام کو اپنی زمین پر نافذ کرکے اس نظام کا حصہ نہ بننا چاہتا ہے اگر وہ ایسا چاہتا ہے تو اسے اللہ کو اپنا رب تسلیم کرکے اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دینا چاہیے تاکہ وہ خود بھی ڈر اور خوف سے نجات پاسکے اور دوسرے انسان بھی انسان کے ڈر اور خوف سے آزادی حاصل کرسکیں کیا ایک ڈرنے والا خوفزدہ انسان کائنات کو تسخیر کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ انسان کو پہلے اپنے ڈر اور خوف کو تسخیر کرنا ہوگا اور اپنی سلامتی کا بندوبست کرنا ہوگا پھر وہ کائنات کو تسخیر کرنے کے بارے میں سوچ سکتا ہے۔

اگر انسان ڈر اور خوف سے نجات حاصل نہ کرسکا اور تمام عمر اپنی سلامتی کی فکر کرتا رہا تو پھر وہ کائنات کی تسخیر کے سفر پر کیسے روانہ ہوسکے گا۔ کاش انسان اللہ کو اپنا رب تسلیم کرکے اپنی سلامتی کا انتظام کرسکے۔ انسان سائنس اور ٹیکنالوجی کی مدد سے سلامتی کا نظام قائم

کرنے میں ناکام ہو چکا ہے۔ بلکہ جوں جوں انسان اس شعبے میں ترقی کرتا جاتا ہے توں توں اس کی سلامتی خطرے میں پڑتی جا رہی ہے اور اب اسے اپنی سلامتی کے ساتھ ساتھ زمین کی سلامتی کا خطرہ بھی لاحق ہو گیا ہے۔ انسان کے پاس اب بھی وقت ہے وہ اپنی سلامتی اور زمین کی سلامتی کو ایک طویل مدت تک یقینی بنا سکتا ہے۔ اسے صرف اللہ کو اپنا رب تسلیم کرنا ہے اور اللہ کے سلامتی والے نظام کو زمین پر نافذ کرنا ہے۔ کاش انسان یہ آسان کام کر لے تاکہ وہ بہت سی مشکلات سے اپنے آپ کو بچا سکے۔

انسان آئے دن دنیا کے نت نئے سلامتی کے نظام بناتا ہے جو یکے بعد دیگرے ناکام ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کیا وہ کائنات کے سلامتی کے نظام کو نہ دیکھتا ہے جو ازل سے قائم ہے (اور آج کا ترقی یافتہ انسان قرار دیتا ہے کہ یہ نظام ابد تک قائم رہے گا)؟ کیا دنیا کائنات کے نظام کا حصہ نہ ہے؟ اگر کائنات کی سلامتی کا نظام ازل سے جوں کا توں ہے اور زمین اس نظام کا حصہ ہے تو پھر انسان کیا بتا سکتا ہے کہ اس نظام کے بنانے اور چلانے والا اللہ کے سوا کوئی اور ہے اور اگر اللہ ہی اس نظام کو بنانے اور چلانے والا ہے تو پھر انسان دنیا کے نظام کو اس طرح کیوں نہیں چلاتا جس طرح اللہ نے اسے بتایا ہے۔ اگر کائنات کا نظام اللہ چلا سکتا ہے اور چلا رہا ہے۔ حالانکہ کائنات کی مخلوقات انسان سے حجم اور طاقت دونوں میں زیادہ ہیں تو پھر اللہ کو زمین کا نظام بنانے اور چلانے میں بھلا کیا دقت پیش آ سکتی ہے۔ لیکن اللہ نے انسان کو اس نظام کو چلانے پر مامور کیا ہے۔ اگر انسان زمین کے نظام کو اللہ کے بتائے ہوئے طریقے پر چلاتا ہے تو یہ نظام خوش اسلوبی سے چلتا رہے گا۔ لیکن اگر انسان نے اس نظام کے چلانے میں من مانی کی تو پھر یہ نظام زیادہ دیر تک نہ چلے گا۔ قیامت جلد آ جائے گی اور کائنات کو تسخیر کرنے والا انسان زندگی اور زمین دونوں سے بھی محروم ہو جائے گا۔ کاش انسان اپنی زندگی اور زمین دونوں کی حفاظت کر سکے، کاش انسان اللہ کو اپنا السلم تسلیم کر لے۔ کاش انسان دنیا کے نظام کو انصاف سے چلا سکے۔ اللہ کو رب تسلیم کرنا انصاف کے نظام کی ابتداء ہے۔ اگر انسان یہ انصاف ہی نہ کر سکا تو پھر وہ انصاف

کا نظام دنیا میں نہ قائم کرسکتا ہے اور نہ چلا سکتا ہے۔ اگر انسان یہ نظام قائم نہ کرسکا تو پھر انسان کی سلامتی ایک خواب ہے جو کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ کاش انسان اپنے خواب کی تعبیر پا سکے اور انصاف پر مبنی سلامتی کے نظام کا نفاذ کر سکے۔

19۔ اَلْمُؤْمِنُ

اللہ سب کو امان دینے والا ہے۔ اللہ ہی نے تمام کائنات کو اور مخلوقات کو مامون اور محفوظ رکھا ہوا ہے۔ اگر اللہ اپنی حفاظت کا ہاتھ اٹھا لے تو کائنات اور اس کی مخلوقات ایک لمحے کیلئے بھی زندہ نہیں رہ سکتیں۔ اللہ نے کائنات اور مخلوقات کی زندگی کا ایک منصوبہ بنایا ہوا ہے۔ اسی منصوبے کے تحت اللہ چاہتا ہے تو مخلوقات زندہ رہتی ہیں اور جب چاہتا ہے مردہ ہو کر ایک نئے روپ اور شکل میں زندہ ہو جاتی ہیں۔

انسان کو بھی اللہ نے اپنی حفاظت میں لے رکھا ہے۔ اللہ نے اس کی موت کا ایک دن اور وقت مقرر کیا ہوا ہے جس کا علم کسی انسان کو نہیں۔ اس دن اور وقت سے پہلے انسان کو کوئی نہ مار سکتا ہے لیکن جب وہ دن اور وقت آ جاتا ہے تو انسان کی موت کا کوئی نہ کوئی سبب بن جاتا ہے اور اسے وہاں سے موت آ دبوچتی ہے جہاں سے موت اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوتی ہے۔ موت کے بعد انسان ایک اور دنیا میں چلا جاتا ہے اور وہاں قیامت تک زندہ رہے گا۔ اور پھر یوم محشر کو حساب کتاب کے بعد جنت یا دوزخ کسی ایک میں ابدی حیات حاصل کرلے گا۔ چونکہ انسان کے جسم کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اور جسم کے اندر اپنی روح پھونکی ہے اس طرح نہ یہ جسم فنا ہوتا ہے اور نہ روح کو موت آتی ہے۔ جسم مردہ ہونے کے باوجود باقی رہتا ہے اور روح جسم سے نکل کر کسی اور جگہ زندہ رہتی ہے اور جب اللہ چاہے گا وہ دوبارہ اسی جسم میں چلی جائے گی اور انسان کا مردہ جسم دوبارہ زندہ ہو جائے گا۔

اس وقت انسان کو اپنی سلامتی کے بعد سب سے بڑا مسئلہ جو درپیش ہے وہ امن و امان کا ہے۔ انسان کی جان، مال، عزت اور آبرو انسان کے ہاتھوں محفوظ نہیں۔ انسان نے ان کی حفاظت کیلئے قانون اور ضابطے بنائے ہیں۔ قانون نافذ کرنے والے ادارے بنائے

ہیں۔ جزاء اور سزا کیلئے عدالتیں بنائی ہیں لیکن اس کے باوجود انسان امن وامان کے مسئلے کو حل نہ کر سکا ہے۔ آج انسان انفرادی اور اجتماعی طور پر اس مسئلہ سے دوچار ہے۔ ترقی یافتہ انسان اور ترقی پذیر انسان سب اس مسئلے سے دوچار ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی بھی اس مسئلے میں انسان کی امداد نہ کر سکی ہے۔ ہوا مامون ہے۔ پانی کو امان حاصل ہے۔ جمادات، نباتات، حیوانات سب مامون ہیں۔ زمین، چاند، سورج، ستارے اور سیارے سب مامون ہیں۔ لیکن انسان مامون نہ ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انسان کے علاوہ کائنات کی دیگر مخلوقات اللہ کی امان میں ہیں۔ وہ اللہ کے دیئے ہوئے قوانین اور ضابطوں کے مطابق اپنی زندگی گزار رہی ہیں۔ اس طرح وہ امان میں ہیں۔ لیکن انسان نے اللہ کے دیئے ہوئے قوانین اور ضابطوں کو مسترد کر دیا ہے اور اس نے اپنے قوانین اور ضابطے بنا لئے ہیں جن کی بنیاد ظلم اور ناانصافی پر ہے۔ اس طرح انسان امان حاصل نہ کر سکا ہے۔

اگر کائنات کی دوسری مخلوقات کی طرح انسان بھی اللہ کے قوانین اور ضابطوں کو تسلیم کر لے تو وہ بھی کائنات کی دیگر مخلوقات کی طرح نہ صرف مامون ہو سکتا ہے بلکہ وہ موت کے چنگل سے آزاد ہو کر حیاتِ جاوداں حاصل کر سکتا ہے۔ انسان آئے دن نت نئے تجربات کرتا رہتا ہے۔ ایک دفعہ وہ اس تجربے کو آزما کر دیکھ لے۔ انشاء اللہ وہ ضرور کامیاب ہوگا۔ لیکن انسان یہ تجربہ آخر کیوں نہ کرنا چاہتا ہے؟

انسان انسان کو غلام بنانا چاہتا ہے اور اسے آزادی نہ دینا چاہتا ہے اس وجہ سے وہ یہ تجربہ نہ کرنا چاہتا ہے۔ اللہ کے قوانین اور ضابطے تمام انسانوں کیلئے یکساں ہوتے ہیں۔ اور ان قوانین اور ضابطوں سے اللہ کے رسول اور نبی بھی مستثنیٰ نہ ہوتے ہیں اس طرح تمام انسان ان کو اپنی مرضی اور خوشی سے ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ لیکن انسانی قوانین اور ضابطے صرف غلام انسانوں کیلئے ہوتے ہیں۔ جن کا اطلاق بااثر افراد اور حاکموں پر نہ ہوتا ہے۔ یہ قوانین اور ضابطے محض غلام انسانوں پر ظلم اور ان کے استحصال کیلئے بنائے جاتے

ہیں۔اس طرح غلام انسان بھی ان قوانین اور ضابطوں کو اپنی آزاد مرضی سے قبول نہ کرتے ہیں اور جب بھی انہیں موقع ملتا ہے وہ ان قوانین اور ضابطوں کی خلاف ورزی کر کے ان کو توڑ دیتے ہیں۔تا کہ وہ اپنے بنیادی حق (انسان کی آزادی) کو حاصل کر سکیں۔با اثر انسان اور حکمران ان قوانین اور ضابطوں کو ضروری سمجھتے ہیں۔وہ ان کو اور سخت بناتے ہیں تا کہ وہ اپنی حکومت اور حکمرانی کو زیادہ دیر تک قائم رکھ سکیں۔اس طرح انسان دو جماعتوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں جو ہر وقت برسرِ پیکار رہتے ہیں،اور ایک دوسرے کو شکست دینے اور زیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اس طرح انسان کی جان،عزت اور آبرو داؤ پر لگ جاتی ہے۔ایسے حالات میں امن و امان بھلا کیسے قائم ہو سکتا ہے۔انسان قوانین اور ضابطے اپنی حکمرانی اور حکومت قائم کرنے کیلئے بناتا ہے۔لیکن کیا اللہ کو انسان پر حکومت اور حکمرانی کا حق نہ ہے۔ اگر اللہ کو یہ حق حاصل ہے تو پھر وہ انسان کیلئے قوانین اور ضابطے کیوں نہیں بنا سکتا اور انسان کو ان ضابطوں اور قوانین کو مسترد کرنے کا کیا حق حاصل ہے؟ انسان کو انسان کیلئے قوانین اور ضابطے بنانے کا حق حاصل نہ ہے لیکن پھر بھی انسان یہ قوانین اور ضابطے بنا رہا ہے اور ان کا اطلاق دوسرے انسانوں پر زبردستی کر رہا ہے۔لیکن وہ اللہ کے اس حق کا انکار کرتا ہے کہ وہ ان قوانین اور ضابطوں کے بارے میں کبھی انسان سے باز پرس نہ کرے گا۔

اللہ نے تمام انسانوں کو آزاد پیدا کیا ہے۔اللہ نے تمام انسانوں کیلئے بلا امتیاز و تفریق ایک ہی ضابطہ حیات بنایا ہے۔تمام انسان ایک ہی قانون کے پابند ہیں۔تو پھر اس قانون اور ضابطے کو دنیا کے تمام انسان تسلیم کیوں نہیں کرتے۔کیا انسانوں کے ایک مخصوص گروہ کو یہ خدشہ ہے کہ اس طرح انسان ان کے ظلم و ستم اور استحصال سے آزاد ہو جائیں گے۔کیا آج کا مہذب اور ترقی یافتہ انسان انسان کو آزادی دینے کیلئے تیار نہیں تو پھر وہ جمہوریت اور انسان کے بنیادی حقوق کے سلب ہونے کا ماتم کیوں کرتا ہے۔

انسان کے بنیادی حقوق صرف چند انسان سلب کر رہے ہیں تو پھر انسانوں کا یہ سمندر ان چند انسانوں سے اپنے حقوق کیوں طلب نہیں کرتا اور یہ چند انسان انسانوں کو اپنے حق

آزادی دے کر امن و امان کے مسئلہ کو ہمیشہ کیلئے حل کیوں نہیں کر لینا چاہتے۔ اگر آج کے حاکم اور حکمران ایسا کر لیں تو وہ نہ صرف امن و امان کے مسئلے پر قابو پالیں گے بلکہ ان کی حکومت اور حکمرانی کو بھی دوام مل جائے گا۔ کیا آج کے حکمران زیادہ مدت تک حکومت نہیں کرنا چاہتے اور اگر وہ ایسا کر لیں تو وہ نہ صرف امن و امان کے مسئلے پر قابو پالیں گے بلکہ ان کی حکومت اور حکمرانی کو بھی دوام مل جائے گا۔ کیا آج کے حکمران زیادہ مدت تک حکومت نہیں کرنا چاہتے اور اگر وہ ایسا چاہتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ اللہ کے جاری کردہ قوانین اور ضابطوں کو اپنے اوپر اور اپنی رعایا پر بلا خوف و خطر نافذ کر دیں۔ اس طرح وہ اور ان کی حکومت اللہ کی امان میں آجائے گی وہ خود مومن بن جائیں گے۔ مومن بن کر وہ انسان کو تسخیر کریں گے اور اس کے بعد وہ ایک دن انشاءاللہ کائنات میں موجود ستاروں اور سیاروں کو اپنی قلمرو میں لے آئیں گے۔ اللہ کے یہ قوانین اور ضابطے جو ان کی حکومت اور حکمرانی کیلئے خطرہ نظر آتے ہیں۔ ان کیلئے ان کی حکومت اور حکمرانی کا استحکام ثابت ہوں گے۔ انشاءاللہ۔ آج جو حکمران اس کی آزمائش کرنا چاہتا ہے کر لے اسے مایوسی نہیں ہوگی۔ اگر آج کے حکمران ان ضابطوں اور قوانین کو نظر انداز کریں گے تو وہ امن و امان کے مسئلے سے دوچار رہیں گے اور ان ضابطوں اور قوانین کو نافذ نہ کرنے کے بارے میں اللہ ان سے یوم محشر ضرور حساب کتاب لے گا اور ان جرائم کے بارے میں بھی باز پرس ہوگی جو ان کی طرف سے جاری کردہ ضابطوں اور قوانین کی وجہ سے سرزد ہوئے تھے۔ اس طرح انسان اللہ کو المومن مان کر مومن بن سکتا ہے۔ دوسرے انسانوں کو مامون بنا سکتا ہے اور قیامت کے دن اللہ کی امان حاصل کر سکتا ہے۔ اس طرح امن و امان کے مسئلے کو تسخیر کر سکتا ہے۔ کاش انسان مومن بن کر انسان کو امان دے سکے اور اللہ کی امان حاصل کر سکے۔

20۔ اَلْمُهَيْمِنُ

اللہ کائنات اور اس کی مخلوقات کا نگہبان اور حفاظت کرنے والا ہے۔ اللہ نے مخلوقات کی زندگی اور بقاء کا ذمہ لے رکھا ہے۔ کائنات کی مخلوقات کا قائم رہنا اس امر کا ثبوت ہے

کہ اللہ ان کی حفاظت اور نگہبانی کر رہا ہے۔ اللہ مخلوقات کو زندہ رکھنے کیلئے ان کی روزی کا انتظام بھی کر رہا ہے۔ زمین کے اندر کیڑے مکوڑے اور سمندر کے اندر آبی جانوروں کو آخر کس نے زندہ رکھا ہوا ہے اور ان کو کون رزق دے رہا ہے۔ ظاہر ہے اللہ ہی ان کو رزق دے رہا ہے اور ان کی زندگی کی حفاظت اور نگہبانی کر رہا ہے۔

انسان کی حفاظت اور نگہبانی بھی اللہ کر رہا ہے۔ اللہ نے زمین پر انسان کو بھیجنے سے پہلے اسے آباد کیا اور اس میں انسان کی روزی اور رہائش کا انتظام کیا۔ کیا انسان نے خود زمین کو آباد کیا ہے؟ کیا زمین کو رزق پیدا کرنے کی صلاحیت انسان نے دی ہے؟ کیا زمین کو ستاروں اور سیاروں کی دستبرد سے انسان نے محفوظ کیا ہے؟ کیا ہوا اور پانی کو انسان نے پیدا کیا ہے؟ کیا زمین کی، نباتات، جمادات اور حیوانات کو انسان نے بنایا ہے؟ کیا انسان نے اپنے آپ کو خود بنایا ہے؟ ظاہر ہے یہ سب اللہ کے ہی کارنامے ہیں۔ انسان کو بھی اللہ نے بنایا ہے۔ زمین کو بھی اللہ نے بنایا اور آباد کیا ہے۔ نباتات، جمادات اور حیوانات کو بھی اللہ نے بنایا ہے۔ انسان کی حفاظت اور نگہبانی بھی اللہ کر رہا ہے۔ زمین کی حفاظت اور نگہبانی بھی وہی کر رہا ہے۔ جمادات، نباتات اور حیوانات کی حفاظت اور نگہبانی بھی اللہ کر رہا ہے۔

اللہ نے انسان کو زمین پر ایک مدت تک آباد اور زندہ رکھنے کیلئے بنایا۔ انسان اس مدت مقررہ تک زمین میں آباد اور زندہ رہے گا۔ زمین اس مدتِ مقرر تک انسان کو زندہ اور آباد رکھنے کی اہل رہے گی۔ انسان کو آباد اور زندہ رہنے کیلئے کسی اور سیارے اور ستارے پر منتقل ہونے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ چونکہ زمین اس کی زندگی اور آبادی کیلئے کافی ہے اور اللہ زمین اور انسان دونوں کی حفاظت اور نگہبانی کر رہا ہے۔

انسان بے شک انسان کو ہلاک کرنے اور زمین کو فنا کرنے کے منصوبے بنالے وہ نہ انسان کو مدت مقررہ سے قبل ہلاک کر سکے گا اور نہ زمین کو تباہ کر سکے گا۔ اس طرح انسان کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں کہ زمین کے وسائل ختم ہو رہے ہیں تو پھر وہ زندہ کیسے رہے

گا۔ زمین کے وسائل ختم ہونے سے پہلے ہی انسان کی زمین پر زندگی کی میعاد ختم ہو جائے گی۔ چونکہ زمین پر انسان کی زندگی ایک مقررہ وقت تک ہے اس طرح اس مقررہ وقت سے پہلے زمین کے وسائل ختم نہ ہوں گے۔ چونکہ انسان کی زندگی کی حفاظت اور نگہبانی کا ذمہ اللہ نے لے رکھا ہے۔ اگر کائنات ازل سے زندہ ہے تو زمین ایک مقررہ وقت تک کیوں زندہ نہ رہ سکتی ہے۔ اگر انسان ستاروں اور سیاروں کی زندگی کے بارے میں فکر مند نہ ہے تو پھر اسے زمین کی زندگی کے بارے میں بھی فکر مند ہونے کی ضرورت نہ ہے۔ چونکہ جو اللہ ستاروں اور سیاروں کی حفاظت کر رہا ہے وہی اللہ زمین کی بھی حفاظت اور نگہبانی کر رہا ہے۔

انسان چونکہ زمین پر اللہ کا نائب اور خلیفہ ہے اس طرح زمین پر موجود مخلوقات کی حفاظت اور نگہبانی کرنا اس کے فرائض منصبی میں سے ایک اہم فریضہ ہے۔ انہیں مخلوقات کی حفاظت کرنے کی بجائے ان کو ہلاک کر رہا ہے۔ اگر انسان زمین پر آباد مخلوقات کو ہلاک کر دے تو پھر زمین کو زندہ رکھنے کا کیا جواز رہ جاتا ہے۔ یہ زمین اگر زندہ ہے تو محض اس وجہ سے زندہ ہے کہ اس پر موجود مخلوقات کو زندہ رکھا جا سکے۔ اگر انسان زمین پر موجود مخلوقات کو خود ہی ہلاک کر دے تو پھر اسے اس نوحہ خوانی کی کیا ضرورت ہے کہ زمین مردہ ہو جائے گی۔ بے شک زمین مردہ مخلوقات کو بھی اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے۔ لیکن زمین زندہ صرف زندہ مخلوقات کیلئے ہے۔ اگر انسان مخلوقات کو خاص طور پر انسان کو زندہ رکھتا ہے تو یہ زمین زیادہ مدت تک زندہ رہے گی اور اگر انسان زمین کی مخلوقات کو تباہ کر دیتا ہے تو پھر یہ زمین زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکے گی۔ یہ زمین تباہ ہو کر مردہ ہو جائے گی۔ لیکن اس کے باجود مردہ انسانوں کو زندہ کر کے اللہ کے سامنے پیش کر دے گی اور عرض کرے گی کہ میں نے انسان کی حفاظت اور نگہبانی کے حق کو ادا کر دیا ہے اور اللہ اس زمین کو ایک نئی زندگی دے کر دوبارہ زندہ کر دیں گے جو جنت کا ایک حصہ ہو گی۔

اب یہ فیصلہ انسان نے کرنا ہے کہ کیا وہ اپنی حفاظت اور نگہبانی کی ذمہ داری کو پورا کرتا ہے۔ اگر انسان ایک دیانتدار اور امانتدار چوکیدار ثابت ہوتا ہے تو زمین اور اس کی مخلوقات

ایک طویل مدت تک زندہ رہیں گی اور اگر اس نے اپنے فرائض میں کوتاہی اور بددیانتی سے کام لیا اور زمین کی مخلوقات کو خود ہی ختم کرنا شروع کر دیا تو پھر وہ زیادہ مدت تک نہ خود زندہ رہ سکے گا اور نہ یہ زمین زندہ رہ سکے گی۔ وہ مر جائے گا اور زمین تباہ ہو جائے گی مگر پھر یہ تباہ شدہ زمین ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس کا مقدر بن جائے گی اور وہ اس خوبصورت اور حسین زمین کو یاد کر کے ماتم کرتا رہے گا۔

انسان آج اس زمین کی حفاظت کر کے اسے غیر آباد ہونے سے بچا سکتا ہے اور کل یہ زمین انسان کو جنت کے روپ میں اپنی آغوش میں لے لے گی۔ انسان زمین کی حفاظت تبھی کر سکتا ہے اگر وہ اللہ کو اپنا محافظ بنا لے۔ کاش انسان اللہ کو اپنا محافظ اور نگہبان بنا لے تا کہ وہ زمین، اس کی مخلوقات اور انسان کی حفاظت کر سکے۔ اگر انسان ایسا نہ کر سکا تو حفاظت اور نگہبانی کے تمام نظام درہم برہم ہو جائیں گے۔ اور انسان بے یارو مددگار ہو جائے گا۔ جو انسان زمین، اس کی مخلوقات اور انسان کی حفاظت نہ کر سکے اسے ستاروں اور سیاروں کی حفاظت اور نگہبانی کا فرض بھلا کیسے سونپا جا سکتا ہے۔ آج اگر انسان زمین، اس کی مخلوقات اور انسانوں کی حفاظت اور نگہبانی میں کامیاب ہو جاتا ہے تو کل اللہ اسے ستاروں اور سیاروں کی حکومت بھی دے سکتا ہے۔

کاش انسان زمین، اس کی مخلوقات اور انسانوں کی حفاظت اور نگہبانی کے فرض سے کامیابی سے عہدہ برآ ہو، تا کہ وہ ستاروں اور سیاروں کی حکومت اور حکمرانی حاصل کر کے کائنات کو تسخیر کر سکے۔

21۔ اَلْعَزِیْزُ

اللہ ایسی با اختیار اور طاقتور ہستی ہے جس کے سامنے نہ کوئی چون و چراں کر سکتا ہے نہ سرتابی کر سکتا ہے۔ اللہ جو فیصلہ کر دیتا ہے اسے ہر ایک کو چار و نا چار تسلیم کرنا پڑتا ہے اور کسی کے بس میں نہیں ہوتا کہ اس فیصلے کی مزاحمت یا مخالفت کر سکے۔ اللہ کے سامنے سب بے بس، لاچار، مجبور، عاجز اور بے زور ہیں۔

کائنات اور اس کی مخلوقات سب اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔ زمین، چاند، سورج، ستارے اور سیارے سب اس کے حکم کے غلام ہیں۔ انسان بھلا اللہ کے احکامات سے سرتابی کیسے کرسکتا ہے لیکن چونکہ انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ اور نائب ہے اور اسے زمین پر امتحان کیلئے بھیجا گیا ہے لہٰذا اللہ نے انسان کو اختیار دے رکھا ہے کہ وہ ایک مقررہ مدت تک چاہے تو اس کے احکامات کو تسلیم کرے چاہے تو رد کردے لیکن جب وہ مدت ختم ہو جائے گی تو پھر اسے اللہ کے احکام کو تسلیم کرنا ہوگا اور ساتھ ہی ساتھ ان نافرمانیوں اور سرتابیوں کی سزا بھی بھگتنی ہوگی، جو وہ اپنی خودمختاری کے عرصہ میں کرتا رہے گا۔ اب یہ فیصلہ انسان نے خود کرنا ہے کہ وہ اللہ کے احکامات کو مان کر مخلوقات کائنات کے ساتھ ہم آہنگ ہونا چاہتا ہے یا احکامات کو رد کرکے اور ان کا انکار کرکے اس کی سزا کا حقدار بننا چاہتا ہے۔ اگر انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ کے احکامات کو رد کرکے اور ان کا انکار کرکے اس کی سزا سے بچ جائے گا یا وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اللہ کے احکامات کو رد کرتا رہے گا، اسے روکنے اور ٹوکنے والا کوئی نہ ہوگا۔ یہ اس کی خام خیالی اور کم ظرفی ہے۔ اس کے اس خیال کو غلط ثابت کرنے کیلئے موت ہی کافی ہے۔ کیا انسان اپنی موت کو ٹال سکتا ہے یا پھر اس سے فرار حاصل کرسکتا ہے۔ کیا دنیا کے مغرور اور متکبر بادشاہ موت سے دوچار نہ ہو چکے ہیں۔ کیا ان کی حکومت اور بادشاہت کو موت نے ختم نہ کردیا ہے۔ اگر وہ موت سے نہ بچ سکیں گے تو پھر اللہ کی سزا سے بھلا کیسے بچ سکیں گے۔ موت سزا نہ ہے بلکہ انسان کو فرعون بننے سے روکنے کا ایک ہتھیار ہے۔ آج سے پہلے فرعون اس ہتھیار کا توڑ نہ بنا سکے تھے اور آج کا ترقی یافتہ فرعون بھی اس کا توڑ بنانے میں ناکام ہو چکا ہے اور پھر انسان کس بل بوتے پر اللہ کے احکامات کا انکار کرتا ہے۔ کیا ایسے انسان کو عقلمند اور دانشمند انسان کہا جا سکتا ہے؟ کیا انسان اس طرح اجتماعی خودکشی کا مرتکب نہ ہو رہا ہے؟

اگر انسان کا یہ فعل دانشمندانہ اور عقلمندانہ نہ ہے بلکہ اس کی خودکشی کے مترادف ہے تو پھر وہ اس خطرناک روش کو چھوڑ کیوں نہ دیتا ہے۔ انسان اس حقیقت کو کیوں تسلیم نہ کر لیتا ہے

کہ واقعی اللہ العزیز ہے اور وہ بے بس، لاچار، مجبور، عاجز اور بے زور ہے۔

اگر انسان اس حقیقت کو تسلیم کر لے تو پھر کائنات اس کی حفاظت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گی اور وہ کائنات کو نہ صرف اپنے تصرف میں لے آئے گا بلکہ اسے تسخیر بھی کر لے گا۔ لیکن اگر انسان نے اس حقیقت کا انکار کیا تو موت اسے زندگی کی خلافت سے اور قیامت اسے زمین کی خلافت سے محروم کر دے گی۔ اگر انسان اپنی زندگی اور زمین سے ہی محروم ہو گیا تو پھر وہ کائنات کو کیسے تسخیر کرے گا۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ کو العزیز تسلیم کر کے اس کی اطاعت شروع کر دے تاکہ کائنات اس کو خلیفہ تسلیم کر کے اطاعت گزار بن جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو انسان کائنات کو ایک دن ضرور تسخیر کر لے گا۔ کاش انسان اللہ کو کائنات کا العزیز تسلیم کر لے تاکہ کائنات اسے اللہ کا نائب تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے۔

22۔ اَلْجَبَّارُ

اللہ کے پاس اتنی طاقت اور قوت ہے کہ وہ کائنات اور اس کی مخلوقات کو (اگر وہ سرتابی کریں) راہ راست پر لا سکتا ہے۔ کائنات اور اس کی مخلوقات کی جرات اور ہمت نہیں کہ وہ اللہ کے احکامات کی نافرمانی کر سکے۔ اگر بالفرض ایسا کوئی کرے تو اللہ اپنی طاقت سے اسے راہ راست پر لا سکتا ہے۔ اس طرح یہ خیال کرنا کہ زمین حادثاتی طور پر کسی سیارے سے ٹکرا کر تباہ ہو گی۔ بے بنیاد اور غلط ہے۔ اگر زمین کسی سیارے سے ٹکرا کر تباہ ہو گی تو وہ اللہ کی منشاء اور مرضی سے تباہ ہو گی، وگرنہ کبھی کسی ستارے اور سیارے کی کیا مجال ہے کہ وہ زمین کے قریب بھی آ سکے۔ اس طرح یہ کہنا بھی غلط ہے کہ زمین کسی حادثہ کی وجہ سے وجود میں آئی ہے۔ زمین ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت وجود میں لائی گئی ہے اور مدت مقررہ پر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت تباہ ہو گی۔ اگر زمین ایک حادثہ کا نتیجہ ہے تو پھر چاند پر کیوں زندگی کے آثار موجود نہ ہیں حالانکہ وہ بھی بظاہر ایک حادثے کی پیداوار معلوم ہوتا ہے۔ کائنات میں موجود کوئی سیارہ اور ستارہ کسی حادثے کی پیداوار نہ ہے بلکہ یہ سب اللہ کی خلاقی کا کرشمہ ہیں۔

اسی طرح انسان اور زمین کی دیگر مخلوقات کسی ارتقائی عمل کا نتیجہ نہ ہیں۔ بلکہ وہ اللہ کی پیدا کردہ مخلوق ہیں اور وہ آج سے ہزاروں سال پہلے بھی تھیں جس طرح آج ہیں۔ انسان کو پیدا کرنے کیلئے اسے کسی ارتقائی عمل سے گزارنا اللہ کیلئے ضروری نہ ہے۔ اللہ نے کن کہا تو عام روحیں وجود میں آ گئیں اور مٹی سے آدم کا بت تیار کیا اور اس میں اپنی روح ڈال دی تو انسان وجود میں آ گیا۔ مرد کی پسلی سے عورت کو پیدا کر دیا۔ اور پھر مرد کے نطفے اور عورت کے بیضے سے انسان کی افزائش کر دی۔ اسی طرح اللہ نے آگ سے جنوں کو پیدا کر دیا، اور پانی سے باقی تمام جانداروں کو پیدا کیا۔ اگر انسان اور دیگر مخلوقات ارتقائی عمل کا حصہ ہیں تو پھر ہزاروں سال گزرنے کے باوجود یہ ارتقائی عمل آگے کیوں نہ بڑھ سکا ہے اور یہاں آ کر کیوں رک گیا ہے؟ اور اگر یہ ارتقائی عمل کا کرشمہ ہے تو پھر اس عمل کو جاری رہنا چاہیے تھا۔ انسان نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں بے انتہا ترقی کر لی ہے کیا اسے کوئی شواہد ملے ہیں کہ انسان ارتقاء کی طرف گامزن ہے اور آئندہ ہزار سال کے بعد اس کی شکل وصورت، قد وقامت آج کے انسان سے بہت زیادہ مختلف ہو گی۔ اگر انسان کے پاس اس قسم کے شواہد موجود نہ ہیں تو پھر اسے اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ انسان دوسری مخلوقات کی طرح اللہ کی ایک مخلوق ہے، جسے اللہ نے ایسا ہی بنایا ہے جیسا وہ آج نظر آتا ہے اور قیامت تک ایسا ہی رہے گا۔ اللہ الجبار ہے، اگر کائنات کو وہ ان کی موجودہ صورت میں بنا سکتا ہے تو انسان اور حیوان اس کے حکم کو کیسے رد کر سکتے ہیں۔ کیا انسان نے زمین کو حادثاتی طور پر وجود میں آتے دیکھا ہے؟ کیا انسان نے انسانوں کو ارتقائی عمل سے گزرتے دیکھا ہے؟ اگر انسان نے یہ سب کچھ نہ دیکھا ہے تو پھر وہ اپنے وہم اور قیاس کو کیوں حقیقت قرار دیتا ہے اور وہ کائنات کی سب سے بڑی حقیقت اللہ کو کیوں نظر انداز کرتا ہے؟ کیا انسان کا یہ رویہ حقیقت پسندانہ ہے؟ اگر ایسا نہیں تو انسان پھر حقیقت کو تسلیم کر کے ترقی یافتہ ہونے کا ثبوت کیوں فراہم نہیں کرتا۔ آج کے ترقی یافتہ انسان سے وہ قدیم زمانے کا جاہل اور غیر مہذب انسان بہتر تھا۔ جو کم از کم اللہ کے وجود کو تو تسلیم کرتا تھا اور کائنات اور اس کی مخلوقات کو اللہ کی

تخلیق کا کرشمہ قرار دیتا تھا۔ کاش انسان حقیقت شناس ہو سکے اور اوھام و قیاس کے چنگل سے آزاد ہو سکے۔

اللہ الجبار ہے لیکن اس کے باجود انسان کو دنیا میں اس نے آزادی دے رکھی ہے اللہ نے انسان کو بھلائی اور برائی دونوں کی نشاندہی کر دی ہے۔ انسان کو نیکی اور بدی کے راستے بتا دیئے گئے ہیں۔ انسان کو یہ بھی بتا دیا گیا ہے، نیکی اور بھلائی کی جزا ہے اور بدی اور برائی کی سزا ہے۔ انسان کو یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ جزاء اور سزا کا عمل دنیا میں بھی جاری رہتا ہے اور آخرت میں اسے مکمل ہونا ہے۔ اب انسان نے اپنے راستے کو خود اختیار کرنا ہے۔ جزا اور سزاء کا انتخاب بھی اسے خود ہی کرنا ہے۔ لیکن انسان کا اختیار لامحدود نہ ہے بلکہ محدود ہے۔ اللہ جب چاہتا ہے موت دے کر اس اختیار کو ختم کر سکتا ہے اس طرح انسان با اختیار ہونے کے باوجود بے اختیار ہو جاتا ہے۔ اسے یہ اختیار کون دیتا ہے؟ اس سے یہ اختیارات کون چھینتا ہے؟ ظاہر ہے اللہ ہی ایسا کرتا ہے تو پھر وہ اللہ کو اپنا رب تسلیم کیوں نہ کر لیتا ہے اور اس کے دیئے ہوئے ضابطے کو ضابطہ حیات کیوں نہ بناتا ہے۔

انسان کو اللہ نے اختیارات دے کر زمین پر اپنا نائب جبار بنایا ہے۔ انسان بجائے اس کے کہ اپنے خالق الجبار کے قوانین اور جزاء وسزاء کے نظام کو نافذ کرتا، اپنے قوانین اور جزاء وسزاء کا نظام بنا لیا ہے۔ اللہ کے قوانین مساوات اور انصاف پر مبنی ہیں، جبکہ انسان نے اپنے قوانین امتیازی بنا رکھے ہیں۔ جن کی بنیاد ظلم، ناانصافی اور استحصال پر ہے۔ اس کے باوجود وہ ان قوانین کو توڑنے والوں کو سزا کا مستحق قرار دے کر ان کو موت تک کی سزا دے کر ترقی یافتہ اور مہذب کہلاتا ہے۔ لیکن اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کو توڑنے والوں کو اللہ کی تجویز کی ہوئی سزا دینے کو ظلم اور بربریت قرار دیتا ہے۔ حالانکہ اللہ نے انسان کو اختیارات اسی وجہ سے دیئے ہیں کہ اللہ کے قوانین کو نافذ کر سکے اور سرتابی کرنے والوں کو سزا دے سکے۔ کیا انسان کا یہ رویہ منصفانہ ہے کہ وہ ظلم پر مبنی قوانین کو نافذ کرے اور اس سے سرتابی کرنے والوں کو سزا دے اور مساوات اور انصاف پر مبنی قوانین کو سرے سے نافذ

نہ کرے اور ان قوانین کا مذاق اڑائے اور سرتابی کرنے والوں کو مہذب اور قابل احترام شہری قرار دے؟ کیا اسے خوف نہیں آتا کہ اللہ کسی وقت اس کے اختیارات کو سلب کر کے اس سے باز پرس کر سکتا ہے؟ کیا اسے علم نہیں کہ موت ہر وقت اس کے سر پر مسلط ہے؟ تو پھر وہ یہ رویہ اختیار کیوں کیے ہوئے ہے۔ کیا وہ اس رویے کو ترک نہیں کر سکتا؟ اگر وہ واقعی مہذب اور ترقی یافتہ انسان ہے تو اسے اپنے رویے پر غور کر کے اس کی اصلاح کر لینی چاہیے۔ ورنہ الجبار اسے اپنی طاقت اور قوت سے سیدھا کر دیگا۔ مگر یہ زبردستی اصلاح اسے سزا سے نہ بچا سکے گی اور ایک خود مختار اور بااختیار انسان اللہ کے سامنے بے بس، عاجز، مجبور اور بے زور ہو جائے گا۔ کیا ایسا انسان کائنات کو تسخیر کر سکتا ہے؟ بالکل نہیں۔ کاش انسان اللہ کو الجبار تسلیم کر لے تا کہ وہ جبار بن کر کائنات کو تسخیر کرنے کے قابل ہو سکے۔

23۔ اَلْمُتَکَبِّرُ

اللہ حقیقت میں بڑا ہے اور ہمیشہ بڑا ہو کر رہتا ہے۔ کائنات میں اور کوئی چیز یا ذات حقیقت میں بڑی نہ ہے۔ اس طرح وہ المتکبر ہو سکتی ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی چیز یا ذات اپنے آپ کو بڑا کہے تو یہ ایک خوبی نہیں بلکہ خامی ہے۔ انسان حقیقت میں بڑا نہیں ہے اور اگر وہ اپنے آپ کو بڑا کہے تو یہ ایک جھوٹا اور بے بنیاد دعویٰ ہے۔ انسان اگر بڑا ہے تو اللہ کی وجہ سے ہے۔ جب تک اللہ چاہتا ہے وہ بڑا رہتا ہے۔

اگر انسان اللہ کو تسلیم ہی نہ کرے تو وہ بڑا نہ بن سکتا ہے نہ رہ سکتا ہے۔ بڑے بڑے متکبر بادشاہ اور حاکم آنِ واحد میں ملیا میٹ ہو جاتے ہیں اور ان کا نام و نشان تک مٹ جاتا ہے۔ عوام جن کو بادشاہ اور حاکم حقیر سمجھتے ہیں بعض اوقات ان کے غرور اور تکبر کو خاک میں ملا دیتے ہیں۔ مغرور اور متکبر حکمرانوں کے غرور اور تکبر کو ختم کرنے کیلئے موت ہی کافی ہے۔

اللہ المتکبر ہونے کے باوجود انسان کے ساتھ مشفقانہ سلوک کرتا ہے اور اس کی لغزشوں اور کوتاہیوں کو درگزر اور معاف کرتا چلا جاتا ہے لیکن انسان اپنے انسان بھائیوں کی معمولی سی غلطی کو بھی معاف نہ کرتا ہے۔ انسان ایسا اس وجہ سے کرتا ہے چونکہ وہ حقیقت میں بڑا نہ

ہے اور وہ طاقت کے بے جا استعمال سے اپنے آپ کو بڑا ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے اور اسی کوشش میں وہ انسانیت کی تمام حدود پار کر جاتا ہے اور ایک ظالم اور سفاک حکمران بن جاتا ہے مگر یہ ہی ظلم وستم اس کی حکومت اور حکمرانی کے خاتمے کا سبب بن جاتا ہے چونکہ اللہ ظالم انسان کو زیادہ دیر تک برداشت نہ کرتا ہے۔ مگر اس کے باوجود انسان انسان پر ظلم کرنے سے اجتناب نہ کرتا ہے بلکہ اسے اپنی حکومت اور حکمرانی کی بقاء کیلئے ضروری سمجھتا ہے۔ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس طرح وہ انسانوں کو تسخیر کر کے اپنی سلطنت کو استحکام اور وسعت دے لے گا۔ لیکن جب اللہ کی پکڑ کا وقت آ جاتا ہے تو اسے کچھ یاد نہ رہتا ہے اور ایک حقیر چیونٹی کی طرح زمین میں دفن ہو جاتا ہے۔ وہی انسان جن کو وہ تسخیر کر چکا ہوتا ہے اسے موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں اور وہی سلطنت جس کی وسعت پر وہ اتراتا تھا اتنی تنگ ہو جاتی ہے کہ اسے قبر کیلئے بھی جگہ نہ ملتی ہے۔

اگر انسان اپنی حقیقت کو سمجھتا اور اللہ کو المتکبر تسلیم کر کے اس کی اطاعت کرتا اور رعایا کے ساتھ مشفقانہ سلوک کرتا تو وہ ایسی سلطنت حاصل کر سکتا تھا جس کی حدود آسمان تک پھیلی ہوتیں۔ وہ انسانوں کو اس طرح تسخیر کر لیتا کہ مرنے کے بعد ان کے دلوں میں ہمیشہ کیلئے زندہ رہتا۔

انسان اگر چاہے تو یہ سب کچھ حاصل کر سکتا ہے لیکن اسے صرف اللہ کو المتکبر تسلیم کرنا ہوگا۔ اسے انسانوں کو اپنا بھائی سمجھنا ہوگا اور ان سے انسانوں جیسا سلوک کرنا ہوگا۔ اگر انسان ایسا کرنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ حقیقت میں بڑا بن جائے گا اور یہ بڑا انسان ایک دن کائنات کو بھی اپنی مملکت بنا سکے گا لیکن اگر انسان چھوٹا ہی رہا تو پھر وہ اتنی بڑی کائنات کو کیسے تسخیر کر سکے گا۔ کاش انسان اپنے آپ کو اللہ کی طرح بڑا ثابت کر سکے۔

24۔ اَلْخَالِقُ

اللہ تمام کائنات کا خالق ہے۔ کائنات میں موجود مخلوقات کا خالق ہے۔ زمین آسمان، چاند، ستاروں، سیاروں اور کہکشاؤں کا خالق ہے۔ انسان، جن، فرشتے [illegible]

حیوانات اور جمادات سب کا خالق ہے۔ کائنات کی تخلیق کا عمل کن سے شروع ہوا جواب تک جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ کائنات کی تخلیق ایک مقصد کے تحت ہوئی ہے اور اسی مقصد کے تحت اس میں ردوبدل ہوتا رہے گا۔

انسان کو بھی اللہ نے ایک مقصد کے تحت تخلیق کر کے زمین پر آباد کیا ہے۔ ایک مدت تک وہ زمین پر آباد رہے گا اور پھر وہ کسی اور دنیا پر منتقل کر دیا جائے گا۔ کائنات میں سوائے جنوں اور انسانوں کے باقی سب مخلوقات اپنے تخلیقی مقاصد کو پورا کرنے کی پابند ہیں اور یہ سب اپنے تخلیقی مقاصد پورے کر رہی ہیں اسی وجہ سے ان کی صفات میں یکسانیت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے جن کے مشاہدات سے انسان نے فائدہ اٹھا کر اپنی ایجادات کا عمل شروع کیا ہے جو روز بروز ترقی کی طرف گامزن ہے۔ اگر ان مخلوقات کے عمل میں یہ یکسانیت اور ہم آہنگی نہ ہوتی تو انسان کبھی بھی اپنی ایجادات میں وہ کامیابی حاصل نہ کر سکتا جو اس نے حاصل کی ہے۔ انسان کی ایجادات کا انحصار مادہ کی موجودگی اور ذہنی صلاحیتوں کی موجودگی میں مضمر ہے۔ اور ان دونوں کا خالق اللہ ہے۔ اس طرح انسانوں کی ایجادات حقیقت میں اللہ کی ہی تخلیقات ہیں۔ اگر بالفرض انسان کے پاس مادے کا وہ علم نہ ہوتا جو وہ اپنے ذہن کو استعمال کر کے اور مخلوقات پر غور وخوض سے حاصل کرتا ہے تو وہ کسی مصنوعی چیز کو کیسے بنا سکتا تھا۔ اس طرح انسان نے سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی سے جن چیزوں کو بنایا ہے وہ حقیقت میں اللہ کی ہی تخلیق کردہ ہیں اور اللہ نے اپنے خلیفہ اور نائب کو اس لئے یہ صلاحیت عطا کی ہے کہ وہ زمین پر ایسی حکومت اور حکمرانی قائم کر سکے جو بے مثال ہو۔ وہ نہ صرف زمین پر حکومت کرے بلکہ اسے تسخیر بھی کر لے تا کہ کائنات کی خلافت اسے عطا کی جا سکے اور اسے بھی وہ ایک دن تسخیر کر لے۔

کائنات کی ہر شے کا تخلیقی مقصد یا تخلیقی مقاصد ہیں۔ اس طرح انسان کا بھی کوئی تخلیقی مقصد یا مقاصد ہیں۔ جس طرح انسان زمین پر موجود مخلوقات کے تخلیقی مقاصد کا کھوج لگاتا ہے اور پھر اس روشنی میں اپنے عمل کو مرتب کر کے کامیاب ایجادات کرتا ہے اسی طرح اسے

اپنی تخلیق کے مقصد کا بھی کھوج لگا کر اپنے عمل کو اس کے مطابق ڈھالنا چاہیے تاکہ وہ زمین پر خلافت سے لطف اندوز ہو کر کائنات کی خلافت حاصل کر سکے۔ لیکن انسان اس بارے میں تدبر اور تفکر نہ کر سکا ہے۔

اللہ نے انسان کو الہام کے ذریعے اس مقصد کا ادراک دیا ہے۔ اللہ نے اپنے رسولوں اور اپنی الہامی کتابوں کے ذریعے انسان کے تخلیقی مقصد کی نشاندہی کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود انسان نے اس جانب کوئی توجہ نہ دی ہے حالانکہ اس جانب انسان کی توجہ سب سے پہلے ہونی چاہیے تھی۔ انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ کی عبادت، اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کی اطاعت، زمین کی خلافت اور کائنات کی خلافت ہے۔ لیکن انسان اللہ کا باغی۔ اللہ کے رسول کا منکر، زمین کا غلام اور کائنات کا اسیر بن گیا ہے۔ کیا ایسا انسان زمین کو تسخیر کر سکتا ہے؟ کیا یہ انسان کائنات کو تسخیر کرنے کے قابل ہے؟ ہرگز نہیں۔

کاش انسان اپنے تخلیقی مقاصد سے آگاہ ہو کر ان کے حصول کیلئے تگ و دو کرے تاکہ وہ دنیا کی زندگی میں زمین اور اس کی مخلوقات کو تسخیر کر سکے اور آخرت کی زندگی میں کائنات اور اس کی مخلوقات کو تسخیر کر سکے۔ اگر انسان نے ایسا نہ کیا تو نہ تو وہ زمین کی خلافت حاصل کر کے اسے تسخیر کر سکے گا اور نہ ہی کائنات کی خلافت حاصل کر کے اسے تسخیر کر سکے گا۔ انسان دنیا میں بھی ناکام ہوگا اور آخرت میں نامراد رہے گا۔

انسان اگر یہ سمجھتا ہے کہ وہ محض سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی سے زمین کو اور کائنات کو تسخیر کر لے گا تو یہ محض اس کا گمان ہے جس کی کوئی حقیقت نہ ہے۔ البتہ اگر انسان سائنس اور ٹیکنالوجی کے ساتھ ساتھ اپنے تخلیقی مقاصد کو بھی پورا کرے تو وہ اس دنیا کی زندگی میں کم از کم زمین کو ضرور تسخیر کر لے گا اور زمین کے قریبی سیاروں پر قدم ضرور رکھ سکے گا۔ لیکن یہ ایک دشوار گزار سفر ہے چونکہ انسان ابھی تک اپنے تخلیقی مقاصد کا ادراک ہی حاصل نہ کر سکا ہے وہ کب اپنا سفر شروع کرے گا اور خدا جانے کب یہ سفر مکمل ہوگا۔ چونکہ انسان کی زندگی صرف چند سال یا چند صدی ہے اور زمین کی زندگی بھی اسے زیادہ دکھائی نہ دیتی ہے۔ موت

نے انسان کو گھیر رکھا ہے اور قیامت زمین کو اپنی گرفت میں لینے کیلئے تیار کھڑی ہے۔ اس طرح اپنے آپ کو اگر انسان موت کے چنگل سے آزاد کرا سکے اور زمین کو دوزخ بننے سے بچا سکے تو یہ اس کی ایک بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ یہ کامیابی انسان اللہ کو اپنا رب تسلیم کر کے اور اس کی اطاعت کر کے حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ کی اطاعت کیلئے اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت شرطِ اوّل ہے۔

کاش انسان یہ آسان کام کر لے وگرنہ وہ اپنے آپ کو دنیا کی مشکلات سے آزاد نہ کرا سکے گا اور آخرت کی مشکلات سے چھٹکارا پانا ناممکن ہو جائے گا۔ اگر انسان دنیا کی مشکلات سے ہی نجات نہ پا سکا تو پھر سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کا کیا فائدہ؟ کائنات کی تسخیر کے سفر سے روانہ ہونے سے پہلے دنیا کے مسائل کو حل کرنا ضروری ہے۔ اگر انسان ان مسائل کو ہی حل نہ کر سکا تو پھر سیاروں پر اس کا قدم رکھنا بے معنی ہو جائے گا۔ کیا وہ زمین پر فساد پھیلانے کے بعد سیاروں پر پناہ تلاش کرنا چاہتا ہے۔ لیکن یہ پناہ اسے کوئی سیارہ فراہم نہ کر سکے گا۔ صرف زمین ہی انسان کی پناہ گاہ ہے۔ کاش انسان اس پناہ گاہ کو تباہ برباد ہونے سے بچا سکے۔ کاش انسان زمین کو امن کا گہوارہ بنا دے۔ انسان اللہ کے نظام کو زمین پر نافذ کر کے ایسا کر سکتا ہے۔ زمین اللہ کی ہے۔ انسان اللہ کا ہے اور اگر نظام اللہ کا ہو تو کیا خرابی ہے۔ کاش انسان حقیقت کو جان سکے۔ انسان اللہ کی مخلوق ہے لیکن وہ زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔ اگر اللہ کا خلیفہ اللہ کا نظام نافذ نہ کرے گا تو کون کرے گا۔

انسان اگر اللہ کے نظام کو قبول نہ کرے گا تو پھر زمین اسے اللہ کا خلیفہ کیوں کر قبول کرے گی اور اگر زمین انسان کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دے تو پھر وہ کہاں جائے گا۔ تمام سیارے بھی اللہ کی مخلوق ہیں وہ بھلا انسان کو کیسے پناہ دیں گے۔ کیا انسان نے کبھی اس بارے میں سوچا ہے؟ کاش انسان یہ سوچ سکے۔ کاش انسان اپنے خالق کو پہچان سکے۔ اگر انسان اپنے خالق کو ہی نہ پہچان سکا تو پھر وہ کائنات کی حقیقت سے کیسے آگاہ ہوگا۔ اگر انسان کائنات کی حقیقت سے آگاہ نہ ہو سکا تو پھر اسے تسخیر کیسے کرے گا۔ کیا انسان ہوا میں

اڑ کر یہ سمجھتا ہے کہ اس نے ہوا کو تسخیر کر لیا ہے۔ کیا وہ سمندروں میں سفر کر کے یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے انہیں تسخیر کر لیا ہے۔ کیا وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر قدم رکھ کر یہ سمجھتا ہے کہ اس نے پہاڑوں کو تسخیر کر لیا ہے۔ کیا زمین پر عالی شان محل تعمیر کر کے وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے زمین کو تسخیر کر لیا ہے۔ کیا وہ چاند پر قدم رکھ کر یہ سمجھتا ہے کہ اس نے چاند کو تسخیر کر لیا ہے تو اس کا خیال غلط ہے۔ ہوا کو وہ اس وقت تسخیر کرے گا جب ہوا اس کے حکم سے چلے گی اور رکے گی۔ سمندر اس وقت مسخر ہوں گے جب وہ اس کے حکم سے تر اور خشک ہوں گے۔ پہاڑ اس وقت مسخر ہوں گے جب وہ ان کو اپنی مرضی سے چلائے گا۔ زمین اس وقت مسخر ہو گی جب وہ اس کے حکم کے مطابق گردش کرے گی اور چاند اس وقت مسخر ہو گا جب وہ اس کے حکم کے مطابق طلوع اور غروب ہو گا۔ کیا انسان سائنس اور ٹیکنالوجی کی مدد سے کبھی ایسا کر سکے گا؟ اگر وہ ایسا کرنے کے قابل نہیں تو پھر وہ کونسا راستہ ہے جس پر انسان چل کر ان کو مسخر کر سکتا ہے، تو وہ راستہ صرف اللہ کی اطاعت اور بندگی ہے۔ اگر انسان اس میں کمال حاصل کر لیتا ہے تو وہ یہ ناممکن مقام حاصل کر سکتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکتا ہے تو پھر وہ ان کو کبھی تسخیر نہ کر سکے گا اور اگر وہ یہ کامیابی حاصل نہ کر سکا تو پھر کائنات کو کبھی تسخیر نہ کر سکے گا۔ کاش انسان ہوا، سمندر، پہاڑوں، زمین اور چاند کو تسخیر کر سکے۔ تا کہ وہ ایک دن کائنات کو بھی تسخیر کر لے۔ لیکن ان سب کو تسخیر کرنے سے قبل انسان کو تسخیر کرنا ہو گا۔ کیا انسان انسان کو تسخیر کر لے گا؟

کاش انسان انسان کو تسخیر کر سکے۔ انسان کو غلام بنا کر نہیں بلکہ آزادی دے کر تسخیر کیا جا سکتا ہے۔ کیا انسان انسان کو آزادی دینے کیلئے تیار ہے؟ تو پھر اسے یہ کام جلد کر لینا چاہیے تا کہ وہ تسخیر کائنات کے اگلے مرحلے میں قدم رکھ سکے۔ انسان انسان کو آزادی تبھی دے سکتا ہے اگر وہ اللہ کو خالق اور تمام انسانوں کو اللہ کا خلیفہ تسلیم کر لے۔

25۔ اَلْمُصَوِّرُ

کائنات میں موجود ہر شے ایک خاص شکل وصورت رکھتی ہے۔ ہر چیز کی شکل وصورت

ایک منصوبے اور حکمت کے مطابق بنائی گئی ہے۔ یہ شکل وصورت نہ ازخود بنی ہے اور نہ ہی کسی حادثہ کی وجہ سے بنی ہے بلکہ اسے اللہ نے بنایا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کی شکل وصورت اس کی ضروریات اور مقصدِ حیات کو سامنے رکھ کر بنائی ہے۔ کائنات میں بے شمار مخلوقات ہیں جن کی ضروریات زندگی اور مقاصد حیات جدا جدا اور مختلف ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی شکلیں اور صورتیں بھی جدا جدا اور مختلف ہیں۔ فرشتوں کی اپنی ایک شکل وصورت ہے جنوں کی اپنی شکل وصورت ہے۔ نباتات، جمادات اور حیوانات کی اپنی اپنی شکلیں اور صورتیں ہیں۔ چاند، سورج، ستاروں اور سیاروں کی اپنی الگ الگ شکلیں اور سورتیں ہیں اور پھر ان مخلوقات کے اندر ہر ایک شے کی انفرادی شکل وصورت ہے۔ اسی وجہ سے آبی جانور، زمینی جانوروں سے اور ہوا میں اڑنے والے زمین پر رہنے والے جانوروں سے الگ الگ شکل و صورت رکھتے ہیں۔ انسان کی دوسری مخلوقات سے بالکل ایک الگ شکل وصورت ہے اور ہر انسان کی انفرادی طور پر ایک بالکل الگ شکل وصورت ہے۔ اور حد یہ ہے کہ آج تک کھربوں انسان اس دنیا میں پیدا ہوئے ہیں لیکن کسی ایک انسان کی دوسرے انسان کے ساتھ شکل وصورت سو فیصد مشابہت نہ رکھتی ہے۔ اگر شکل وصورت خود بخود بنتی تو چاہیے تھا کہ انسان کی شکل ہو بہو اپنے باپ یا ماں پر ہوتی اور اگر شکل وصورت حادثاتی ہوتی تو پھر سب انسانوں کی شکل وصورت ایک جیسی ہونی چاہیے تھی چونکہ سب انسان ایک ہی عمل سے گزر کر وجود میں آتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ایک ماں باپ کے بچے یا تو تمام خوبصورت ہوتے یا تمام بدصورت۔ لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ بدصورت ماں باپ کے کچھ بچے خوبصورت بھی ہوتے ہیں اور خوبصورت والدین کے بچے بدصورت اور خوبصورت دونوں ہو سکتے ہیں۔

انسان اپنی مرضی سے نہ خوبصورت بچے پیدا کر سکتا ہے اور نہ ہی بدصورت بچوں کو پیدا ہونے سے روک سکتا ہے۔ اللہ جو بھی انسان کو شکل وصورت دیتا ہے انسان کو چار و ناچار اسے قبول کرنا پڑتا ہے۔ اگر کوئی انسان خوبصورت ہے تو اس میں اس کا اپنا کوئی کمال نہ ہے

اور اگر کوئی بدصورت ہے تو اس میں اس کا کوئی قصور نہ ہے۔ تمام خوبصورت اور بدصورت انسان اللہ کی مخلوق ہیں اور شکل وصورت کے لحاظ سے کوئی بہتر اور برتر نہ ہے۔ بلکہ سب برابر ہیں اور انسان ہونے کے ناطے ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

انسان کو جو شکل وصورت دی جاتی ہے وہ محض ایک محدود مدت تک ہوتی ہے۔ اگر اندر والا انسان خوبصورت ہوتا ہے تو انسان کی شکل وصورت چاہے کیسی ہو وہ خوبصورت نظر آتا ہے لیکن اگر اندر والا انسان بدصورت ہو تو بظاہر انسان کتنا ہی خوبصورت ہو اسے کوئی عقلمند انسان خوبصورت قرار نہ دیتا ہے۔ اللہ نے پیدائش کے وقت ہر انسان کو اندر سے آئینے کی طرح صاف اور شفاف (خوبصورت) پیدا کیا ہوتا ہے۔ اگر انسان اس فطری طہارت اور پاکیزگی کو قائم رکھ کر اسے جلا دے سکے تو وہ اتنا خوبصورت بن جاتا ہے کہ دوسرے انسان کو اس کی ظاہری بدصورتی نظر ہی نہ آتی ہے۔

لیکن اگر انسان اپنی فطری، باطنی خوبصورتی کو قائم نہ رکھ سکے اور اس کو بدصورت بنا دے تو ظاہری طور پر انسان کتنا ہی خوبصورت ہو۔ کسی انسان کو اس کی یہ خوبصورتی نظر نہ آتی ہے اور تمام انسان اس کی باطنی بدصورتی کو اپنی نظروں سے دیکھ لیتے ہیں۔ جس انسان کا باطن خوبصورت ہو، لوگ اس سے پیار اور محبت کرتے ہیں اور جس کا باطن بدصورت ہو، لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں۔ انسان کے اندر کی خوبصورتی اس کا کردار ہے۔ اگر انسان کا کردار اچھا ہو تو وہ خوبصورت ہے اور اگر کردار برا ہو تو انسان بدصورت ہے۔ کردار کو اچھا رکھنا یا برا بنانا انسان کے بس میں ہے۔ اگر انسان اپنے کردار کو اچھا بنا لے تو وہ دنیا کی زندگی میں ہی اپنے بدصورت جسم کو خوبصورت بنا لیتا ہے اور اگر انسان کا کردار برا ہو تو وہ اپنے خوبصورت جسم کو دنیا میں بدصورت بنا لیتا ہے۔

اسی طرح اللہ نے تمام انسانوں کو خوبصورت بنایا ہے۔ انسان اپنی خوبصورتی کو نہ صرف قائم رکھ سکتا ہے بلکہ اسے جلا بھی دے سکتا ہے۔ لیکن اگر انسان اپنے آپ کو خود ہی بدصورت بنا دے تو پھر وہ اللہ حضور سے کیسے شکایت کر سکتا ہے۔ انسان اللہ کی مصوری کا

ایک خوبصورت شاہکار ہے۔ کاش انسان اپنی خوبصورتی کو قائم رکھ سکے تا کہ کائنات اس کی پرستش کر کے مسخر ہو جائے۔

انسان اپنی خوبصورتی کو تسخیر کر کے اپنی ظاہری شکل وصورت کو خوبصورت بنا سکتا ہے۔ لیکن وہ ایسا تبھی کر سکتا ہے اگر وہ اللہ کو اپنا مصور تسلیم کر لے اور اس کی صفات کو اپنے اندر پیدا کر لے۔ انسان اللہ کو اپنا رب مان کر اور اس کی مکمل اطاعت کر کے ان صفات کو اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے۔ اگر انسان اپنی دنیا کی زندگی میں ایسا کرے تو آخرت کو اللہ اسے ایسا جسم عطا کریں گے جو اس کے باطن سے بھی زیادہ خوبصورت ہوگا اور جسے نہ بڑھاپا آئے گا نہ موت اور جس کی بادشاہی کائنات پر ہوگی۔ کاش انسان یہ خوبصورت جسم اور کائنات کی بادشاہی حاصل کر سکے۔

انسان نہ صرف خوبصورت بن سکتا ہے بلکہ وہ مصور بن کر دنیا کو بھی اور دوسرے انسانوں کو بھی یہ خوبصورتی منتقل کر سکتا ہے۔ اگر ایسے خوبصورت انسانوں سے یہ دنیا بھر جائے تو دنیا کی مخلوقات انسان کی گرویدہ ہو کر اس کی غلام بن جائیں گی اور ایک دن چاند، سورج، ستارے اور سیارے انسان کے سامنے نہ صرف مسخر ہو جائیں گے بلکہ انسان کی حکومت اور حکمرانی کو بسر وچشم تسلیم کر لیں گے۔ کیا انسان انسانوں کو خوبصورت نہیں دیکھنا چاہتا؟ کیا وہ زمین کو خوبصورت نہیں بنانا چاہتا؟ کیا وہ زمین کی مخلوقات کو اپنا معشوق نہیں بنانا چاہتا؟ کیا وہ چاند، سورج، ستاروں اور سیاروں کو مسخر کر کے ان پر اپنی حکومت قائم نہیں کرنا چاہتا؟ اگر وہ یہ سب کچھ چاہتا ہے تو اسے کائنات کے مصور اللہ کو اپنا مصور تسلیم کر کے اپنے باطن کو اس کے نور سے روشن کر لینا چاہیے۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکا تو وہ خوبصورت ہوتے ہوئے بھی بدصورت ہو جائے گا۔ وہ خوبصورت زمین کو بدصورت بنا دے گا۔ زمین کی مخلوقات اس سے متنفر ہو جائیں گی۔ اس کا خالق اس سے ناراض ہو جائے گا۔ تو پھر وہ اپنے تسخیر کائنات کے مشن کو بھلا کیسے مکمل کر سکے گا۔ کاش انسان حقیقت کو جان سکے۔ انسان نہ صرف خوبصورت جسم سے محروم ہو جائے گا بلکہ اسے اس خوبصورت دنیا سے بھی

محروم کر دیا جائے گا، اور اسے آخرت میں ایک نہایت ہی مکروہ اور بدصورت جسم کے ساتھ ایک بھیانک اور ویران دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رکھا جائے گا، جس کا نام دوزخ ہے۔ کیا انسان اپنے جسم کو بدصورتی سے بچانا چاہتا ہے؟ کیا وہ اس اذیت ناک دنیا سے نجات چاہتا ہے؟ تو پھر اسے اپنے خوبصورت مصور اللہ سے پیار کرنا چاہیے۔ اس کی بندگی کرنی چاہیے اور اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔ اسے سب سے زیادہ خوبصورت انسان اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ سے محبت کرنی چاہیے۔ ان کی نعت بیان کرنی چاہیے اور ان کی اطاعت کرنی چاہیے۔ کیا یہ کوئی مشکل کام ہے اور اگر یہ مشکل کام ہے تو پھر کیا خوبصورت جسم حاصل کرنا اور کائنات کو تسخیر کرنا آسان ہے۔ اگر انسان کائنات کو تسخیر کرنا آسان سمجھتا ہے تو پھر اسے یہ بظاہر مشکل کام کر لینا چاہیے جو حقیقت میں بہت ہی آسان ہے۔ اگر انسان یہ آسان کام بھی نہ کر سکا تو پھر وہ نہ اپنی بدصورتی سے نجات پا سکے گا اور نہ ہی خوبصورت دنیا کی حکمرانی حاصل کر سکے گا۔ کیا بدصورت انسان خوبصورت کائنات پر حکومت اور حکمرانی کا حق رکھتا ہے بالکل نہیں، کیا ایسا انسان زیادہ دیر تک زمین پر حکومت کر سکے گا؟ کاش انسان تدبر و تفکر کر سکے اور اپنی اصلاح کر لے۔

26۔ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى

اللہ کے تمام صفاتی نام اچھے ہیں۔ یہ نام پکارنے میں خوبصورت ہیں۔ ان ناموں کے اندر جو حقیقتیں اور حکمتیں پوشیدہ ہیں وہ بھی اچھی اور خوبصورت ہیں ان ناموں میں ظاہر اور باطن اچھائی ہی اچھائی ہے برائی کا ہلکا سا شائبہ تک نہ ہے۔ بے شک اللہ کے صفاتی ناموں میں جبار اور قہار بھی شامل ہیں۔ لیکن ان کی زد میں وہی مخلوقات آتی ہیں جو سرتابی اور نافرمانی کی تمام حدود پھلانگ کر مخلوقِ خدا کی زندگی اجیرن بنا دیتی ہیں۔ اللہ محض انسان کو امن اور سکون دینے کیلئے ان کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ اگر اللہ ان کو اپنی گرفت میں نہ لے تو انسان کا جینا اس دنیا میں ناممکن ہو جائے۔ اس طرح اللہ کے یہ صفاتی نام بھی دوسرے ناموں کی طرح اچھے اور خوبصورت ہیں۔ اگر اللہ میں یہ صفات موجود نہ ہوتیں تو

انسان ظالم انسان کے رحم وکرم پر ہوتا اور وہ کبھی ان کے ظلم سے نجات نہ پا سکتا۔ لیکن جبار اور قہار ہونے کے باوجود اللہ ظالموں کو ڈھیل دیتا رہتا ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ نے اپنے اوپر رحمت کو لازم قرار دیا ہوا ہے اور اللہ نہیں چاہتا ہے کہ انسان اس کی رحمت سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محروم ہو جائے۔ اللہ انتظار کرتا رہتا ہے کہ انسان شاید اپنے ظلم اور زیادتی سے باز آ کر توبہ کر لے گا، لیکن اگر انسان توبہ کی طرف واپس نہیں لوٹتا اور اس کا ظلم وستم حد سے بڑھ جاتا ہے تو پھر اللہ اپنی ان صفات کو عمل میں لا کر ظالم انسان کو ظلم سے نہ صرف زبردستی روک دیتا ہے بلکہ اسے دنیا میں عبرتناک انجام سے دوچار کرتا ہے۔ محشر کے دن اللہ اس کے ایک ایک ظلم کا حساب لے گا اور ایک ایک ظلم کی سزا دے گا۔ کیا ظالم انسان سے اللہ کا یہ برتاؤ انصاف نہ ہے اور اگر یہ انصاف ہے تو پھر کیا اللہ کی صفات جبار اور قہار اچھی ہیں یا بری۔ مظلوموں کو ظلم سے نجات دلانا اور ظالموں کو سزا دینا ایک ایسی صفت ہے جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔

انسان نے جزا اور سزا کا جو نظام بنا رکھا ہے کیا اس کا مقصد یہ نہیں کہ حقداروں کو غاصبوں سے ان کا حق دلایا جائے اور ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا دی جائے۔ انسان اس نظام کو مہذب معاشرے کا طرۂ امتیاز قرار دیتا ہے۔ لیکن کیا وہ اس نظام سے تمام حقداروں کو ان کا حق دلا سکا ہے یا تمام ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا دے سکا ہے۔ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو پھر کیا اللہ پر یہ لازم نہ ہے کہ وہ ہر حقدار کا حق دلائے اور ہر ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دے اور اگر اللہ ایسا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو پھر اس کی جبار اور قہار کی صفات پر انسان کیسے اعتراض کر سکتا ہے۔ ان صفات کی وجہ سے ہی تو تمام انسانوں کو انصاف فراہم ہوگا۔

کیا انصاف دلانے کے قابل ہونا اچھائی ہے یا کہ برائی؟ ظاہر ہے یہ ایک ایسی اچھائی ہے جس کی وجہ سے کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ اللہ انسان میں بھی ان صفات کو بدرجہ اتم دیکھنا چاہتا ہے تا کہ وہ دنیا کے نظام کو انصاف پر چلا کر حقداروں کو ان کے حقوق دلا سکے اور ظالموں کو ان کے جرائم کی سزا دے سکے۔ اللہ نے زمین پر جس مخلوق کو اپنی

خلافت دی ہے اور جس کو اپنا نائب مقرر کر چکا ہے اس کا ذاتی نام انسان رکھا ہے۔ انسان کا مطلب ایک ایسی مخلوق ہے جو محبت کی پیکر ہے۔ یہ مخلوق اپنے خالق، کائنات، کائنات کی مخلوقات، زمین، زمین کی مخلوقات سب سے محبت کرتی ہے۔ اس مخلوق سے اس کا خالق اور اس کی تمام مخلوقات محبت کرتی ہیں۔ لیکن انسان نے اپنے آپ کو انسانیت سے اتنا نیچے گرا لیا ہے کہ وہ اپنے بھائی انسان سے بھی محبت نہ کر سکا ہے۔ بلکہ وہ انسان کا بدترین دشمن بن گیا ہے۔ کیا ایسا انسان اپنے آپ کو انسان کہلانے کا حقدار ہے۔ کیا ایسا انسان جس سے دوسرے انسان نفرت کریں اس سے خالق کائنات اور اس کی مخلوقات محبت کر سکتیں ہیں۔ کیا ایسا انسان قابل نفرت نہ ہے؟

اور کیا ایسا انسان کائنات کو تسخیر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے؟ اگر ایسی مخلوق انسان ہی نہ ہے تو پھر اسے دنیا میں خلافت کا کیا حق ہے؟ اور اگر یہ مخلوق خلافت کی ہی حقدار نہیں تو پھر وہ کائنات کی خلافت بھلا کیسے کر سکتی ہے؟

کاش انسان انسان بن جائے تاکہ وہ دوسرے انسانوں کو تسخیر کر سکے۔ کاش انسان اپنے نام کی ہی لاج رکھ لے۔ اگر انسان اپنے ذاتی نام کی لاج نہ رکھ سکا تو پھر وہ اپنے صفاتی ناموں کو کیسے رواج دے سکے گا اور کائنات ان صفاتی ناموں کے سامنے کیسے از خود تسخیر ہو جائے گی۔

اللہ نے تمام انسانوں کو ایک صفاتی نام بھی دیا ہے۔ جس کے اندر وہ تمام صفات موجود ہیں جن کی بنا پر وہ اپنے خالق سے رشتہ استوار کر کے زمین پر اپنی خلافت قائم کر سکتا ہے، اور کائنات تک اس خلافت کو وسعت دے سکتا ہے۔ انسان کا یہ صفاتی نام مسلمان ہے۔ مسلمان وہ انسان ہوتا ہے جو اللہ کے سپرد اپنے آپ کو کر کے مامون ہو جاتا ہے اور کائنات اپنے آپ کو انسان کے سپرد کر کے سراپا امن بن جاتی ہے۔ اس طرح ایسا انسان خود بھی امن میں رہتا ہے اور دنیا امن کا گہوارہ بن جاتی ہے۔ ایسا انسان اپنے خالق کی اطاعت کرتا ہے اور دنیا بلکہ کائنات اس کی اطاعت کرتی ہے۔ ایسا انسان نہ خود مرتا ہے اور نہ ہی کسی اور کو

مرنے دیتا ہے۔ ایسا انسان خود بھی زندہ رہتا ہے اور دوسروں کو بھی زندہ رکھتا ہے۔ ایسا انسان دنیا میں بھی جنت میں ہوتا ہے اور مرنے کے بعد بھی جنت میں جاتا ہے۔ ایسا انسان زمین کو جنت نظیر بنا دیتا ہے اور کائنات کی بے پایاں جنت کا مالک بن جاتا ہے۔ ایسے انسان کو نہ مرنے کا ڈر رہتا ہے نہ قیامت کا خوف ہوتا ہے۔ ایسا انسان دنیا میں قید نہ رہتا ہے، بلکہ زمین کی قید سے نکل کر کائنات کو اپنی دنیا بنالیتا ہے۔ ایسا آزاد اور خود مختار انسان کائنات کو تسخیر کرنے کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے۔ کیا انسان اس صفاتی نام کو جو اللہ نے اس کا رکھا ہے اختیار نہیں کرے گا؟ اگر انسان اس نام کو اختیار نہ کر سکا تو پھر وہ زمین پر خلافت کیسے حاصل کر سکے گا اور اگر وہ زمین پر ہی اپنی خلافت قائم نہ کر سکا تو اسے کائنات تک وسعت کیسے دے سکے گا جو بے کراں ہے اور جن کے مقابلے میں زمین ایک ریت کے ذرہ سے زیادہ اہمیت نہ رکھتی ہے۔

انسان اپنے لیے جو نام بھی اختیار کرتا ہے اس کا اثر اس کی ذات پر کچھ نہ کچھ ضرور پڑتا ہے، اسی وجہ سے انسان بالعموم اور مسلمان بالخصوص اپنے نام اچھے رکھتے ہیں۔ لیکن اگر انسان کا کردار اپنے اختیار کردہ ناموں سے مختلف ہو تو پھر اسے یہ نام رکھنے کا کیا حق ہے؟ کیا انسان اچھے نام رکھ کر دوسروں کو دھوکہ دینا چاہتا ہے، حالانکہ وہ دھوکہ صرف اپنے آپ کو دے رہا ہے۔ انسان اپنے آپ کو اس فریب اور دھوکہ سے بچا سکتا ہے اگر وہ اپنے ناموں کو اپنے کردار کا ایک مستقل حصہ بنالے، وگرنہ اچھے نام کے باوجود وہ اچھا انسان اور اچھا مسلمان نہ بن سکے گا اور اگر انسان اچھا انسان اور اچھا مسلمان نہ بن سکا تو پھر وہ اپنے خالق جو سب سے اچھا ہے کا نائب نہ بن سکے گا۔ اسے اس منصب سے معزول کر دیا جائے گا۔ وہ دنیا میں بھی قید رہے گا اور آخرت میں ابدی اذیت ناک قید اس کا مقدر بن جائے گی۔ کیا ایک قیدی زمین کو تسخیر کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں تو پھر ایسا انسان کائنات کو کیسے تسخیر کر سکے گا۔ کاش انسان مسلمان ہو کر اللہ کی صفات اپنے اندر پیدا کر سکے۔ تاکہ زمین پر اس کی خلافت قائم ہو جائے اور کائنات پر اس کی خلافت ممکن ہو سکے۔ اگر انسان نے اللہ کا دیا ہوا

صفاتی نام مسلمان اختیار کر کے اس کے تقاضے پورے نہیں کیئے تو وہ اپنے آپ کو انسان بھی ثابت نہ کر سکے گا۔ اگر وہ اپنے آپ کو انسان ہی ثابت نہ کر سکا تو پھر اپنے آپ کو اشرف المخلوقات کیسے ثابت کر سکے گا۔ اگر وہ ایسا ثابت نہ کر سکا تو کائنات کو تسخیر کرنے کے قابل کیسے ہو سکے گا۔ کاش انسان اپنے ذاتی نام، انسان اور اپنے صفاتی نام مسلمان کی حقیقت سے آشنا ہو جائے تا کہ وہ اللہ کے ذاتی نام اور صفاتی ناموں کی حقیقت کو جان سکے۔

27۔ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

تمام کائنات اور کائنات کی تمام مخلوقات اللہ کو خلوص دل کے ساتھ اپنا رب تسلیم کرتی ہے۔ تمام کائنات اور کائنات کی تمام مخلوقات اپنی زبان سے اللہ کی تعریف اور حمد بیان کرتی ہے۔ تمام کائنات اور کائنات کی تمام مخلوقات اپنے عمل سے اللہ کی مکمل اطاعت کرتی ہے۔ اگر کائنات اور کائنات کی مخلوقات اللہ کو اپنا رب تسلیم نہ کرتی ہوتیں۔ اس کی حمد بیان نہ کرتی ہوتیں اور اس کی مکمل اطاعت نہ کرتیں تو کائنات کا نظام کب سے درہم برہم ہو چکا ہوتا۔ زمین اور اس پر موجود مخلوقات ماسوائے جنوں اور انسانوں کے سب کی سب اللہ کو اپنا رب تسلیم کیئے ہوئے ہیں اور اس کی حمد بیان کر رہی ہیں اور اس کی مکمل اطاعت کر رہی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین اور اس کی مخلوقات کب سے تباہ ہو چکی ہوتیں۔

انسان ایک باشعور اور خود مختار مخلوق ہے، اس طرح وہ آزاد ہے کہ وہ اللہ کو اپنا رب تسلیم کرے یا نہ کرے، اس کی زبان سے حمد بیان کرے یا نہ کرے اور اس کی مکمل اطاعت کرے یا نہ کرے، لیکن انسان عقل اور سمجھ رکھتا ہے اس طرح وہ کائنات کی سب سے بڑی حقیقت اللہ کا کیسے انکار کر سکتا ہے اور اگر وہ اس حقیقت کا اقرار کر لیتا ہے پھر اللہ کو اپنا رب تسلیم کرنے سے کیسے انکار کر سکتا ہے۔ اور اگر وہ اللہ کو اپنا رب تسلیم کر لیتا ہے تو پھر اپنی زبان سے اس کی حمد بیان کرنے سے کیسے محروم رہ سکتا ہے اور اس کی مکمل اطاعت سے کیسے روگردانی کر سکتا ہے۔ لیکن اگر انسان اللہ کو اپنا رب تسلیم کر لیتا ہے لیکن اپنے دل سے اسے اپنا رب نہیں مانتا، زبان سے اس کی حمد نہیں کرتا اور عمل سے اس کی مکمل اطاعت نہیں کرتا تو

پھر اللہ کو اپنا رب تسلیم کرنے کا آخر کیا مقصد اور مطلب ہے؟ کیا اس کا رویہ متضاد نہ ہے اور اگر اس کا رویہ متضاد ہے تو پھر اسے اس اقرار سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ اگر زمین اور اس کی مخلوقات کا رویہ اللہ سے اس طرح کا ہو جائے تو کیا دنیا کا نظام اس طرح چل سکتا ہے جس طرح چل رہا ہے۔ ظاہر ہے اگر کائنات اور زمین اس طرح کا رویہ اختیار کر لیں تو پھر یہ کائنات اپنا وجود قائم رکھ سکتی ہے اور نہ ہی دنیا کا نظام باقی رہ سکتا ہے۔ اسی طرح انسان اگر اس رویے کو مستقل طور پر اپنا لیتا ہے تو پھر وہ ایک مدت کے بعد دنیا میں اس طرح آباد نہ رہ سکے گا، جس طرح آج وہ ہے اور نہ ہی وہ کسی اور دنیا میں خوشحال اور پرسکون زندگی گزارنے کے قابل ہو گا۔ انسان اسی صورت میں اس دنیا میں خوشحال اور پرسکون زندگی گزار سکتا ہے اگر اس کا رویہ کائنات اور زمین کے رویے سے ہم آہنگ ہو جائے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ انسان اللہ کو خلوص دل کے ساتھ اپنا رب تسلیم کر لے۔ خلوص دل کے ساتھ اپنی زبان سے اس کی حمد بیان کرے اور خلوص دل کے ساتھ اس کی مکمل اطاعت کرے۔ اگر انسان نے یہ کام کر لیا تو وہ کائنات کی طرح ابدی حیات حاصل کر لے گا۔ وہ زمین پر اپنی خلافت کو مستحکم کر لے گا اور کائنات کی خلافت ایک دن انشاء اللہ ضرور حاصل کر لے گا۔ اگر انسان ایسا نہ کر سکا تو وہ جلد ہی اپنی زندگی سے محروم ہو کر دنیا سے محروم ہو جائیگا۔ وہ نہ دنیا کو تسخیر کر سکے گا اور نہ ہی کائنات کو۔ موت اس کو تسخیر کر لے گی اور قیامت زمین کو۔

اللہ ازل سے ہے ابد تک رہے گا۔ کائنات ازل سے قائم ہے ابد تک قائم رہے گی لیکن انسان اپنی خوشحالی، پرمسرت اور پرسکون زندگی سے محروم ہو جائے گا اور اس خوبصورت زمین کی خلافت سے انسان کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محروم کر دیا جائے گا۔ کیا کائنات کو تسخیر کرنے والا انسان زمین سے محروم ہونا پسند کرے گا؟ کیا دنیا میں خوشحال زندگی گزارنے والا انسان دوزخ کی اذیت ناک زندگی پسند کرے گا؟ اگر وہ یہ زندگی پسند نہ کرتا ہے تو پھر اسے اپنے رویے کی اصلاح کر لینی چاہیے چونکہ ابھی وہ زندہ ہے اور دنیا ابھی تک آباد ہے۔ کاش انسان اس حقیقت کو جان سکے۔

اللہ کی یہ چودہ صفات سورہ حشر میں بیان کی گئی ہیں۔ اگر انسان اللہ کی ان صفات کی حقیقت سے بخوبی آگاہ ہو جائے اور ان خوبیوں کو اپنے اندر پیدا کر کے اللہ کے نظام کو قائم کر لے تو اللہ انسان کو ان راستوں کا علم دے دے گا جو تسخیر کائنات کی منزل کی طرف کھلتے ہیں اور اگر انسان ان راستوں پر چلنا شروع کر دے تو وہ اپنی موجودہ دنیا کو قیامت سے قبل انشاء اللہ ضرور تسخیر کر لے گا اور قیامت کے بعد اخروی زندگی کے دوران تمام کائنات کو تسخیر کر لے گا۔ لیکن اگر انسان اس چھوٹی سی دنیا کو ہی تسخیر نہ کر سکا اور اس دنیا نے انسان کو تسخیر کئے رکھا تو پھر وہ کائنات کو کبھی تسخیر نہ کر سکے گا۔ سب سے پہلے انسان کو اس دنیا سے نجات حاصل کر کے اس کو تسخیر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور اگر انسان اس کوشش میں کامیاب ہو جائے تو پھر اسے کائنات کو تسخیر کرنے کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ اگر انسان دنیا کی غلامی سے ہی نجات حاصل نہ کر سکا تو پھر وہ دنیا کو اپنا غلام کیسے بنائے گا اور اگر وہ دنیا کو ہی غلام نہ بنا سکا تو کائنات پر حکومت کیسے کرے گا۔ دنیا کی غلامی سے پہلے اسے اپنے مادی جسم اور نفسانی خواہشات کی غلامی سے اپنی روح کو آزاد کرانا ہوگا اور اگر اس نے اپنی روح کو جسم کی قید سے موت سے قبل آزاد کروالیا تو وہ دنیا کی غلامی سے بھی اپنی زندگی میں ہی آزادی حاصل کر لے گا۔ اگر انسان نے اپنی زندگی میں یہ آزادی حاصل کر لی تو وہ مرنے کے بعد کائنات کو اللہ کی مدد سے اپنی غلامی میں ضرور لے آئے گا۔ اگر انسان اپنے مادی جسم، نفسانی خواہشات اور دنیا کی غلامی سے نجات حاصل نہ کر سکا تو بے شک وہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں بے پناہ ترقی کر لے۔ وہ کائنات تو درکنار زمین اور اس کے ہمسائے سیاروں کو بھی تسخیر نہ کر سکے گا۔ اگر انسان سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے باوجود اللہ کی حقیقت سے واقف نہ ہو سکا تو وہ کائنات کی حقیقت کیسے جان سکے گا اور حقیقت کو جانے بغیر کائنات کو تسخیر کرنا دیوانگی نہیں تو اور کیا ہے؟ کاش انسان اس دیوانگی سے نجات پا سکے۔

یہ اللہ ہے جسے سب اکبر قرار دیتے ہیں۔ انسان بھی اللہ کو اکبر قرار دیتا ہے۔ تو پھر کائنات کی اس عظیم ہستی کو انسان اپنا رب کیوں قرار نہ دیتا ہے۔ انسان ہر وقت اپنی

زبان سے اس کی حمد کیوں بیان نہ کرتا ہے اور اس کی مکمل اطاعت کیوں نہ کرتا ہے۔ انسان اللہ کو اپنا رب تسلیم کر کے اس کی حمد بیان کر کے اور اس کی مکمل اطاعت کر کے نہ صرف حقیقت کا اقرار کر سکتا ہے بلکہ اپنے آپ کو بڑا بنا سکتا ہے۔

اگر انسان اس طرح واقعی بڑا بن جائے تو پھر وہ دنیا کو کیوں تسخیر نہ کر سکتا ہے۔ بلکہ اتنا بڑا انسان تو بے کراں کائنات کو بھی تسخیر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کاش انسان اللہ کو اکبر تسلیم کر لے تاکہ دنیا اور کائنات انسان کو اکبر ماننے پر مجبور ہو جائے۔ اگر انسان بڑا نہ بن سکا اور اللہ کا انکار کر کے چھوٹے سے چھوٹا ہوتا چلا گیا تو پھر کائنات تو در کنار زمین کی کسی حقیر چیز کو بھی تسخیر نہ کر سکے گا اور جسم جس نے اسے زندہ رکھا ہوا ہے اسے چھوڑ جائے گا اور وسیع و عریض زمین تنگ ہو کر قبر میں تبدیل ہو جائے گی۔ کاش انسان بڑا ہو سکے۔ کاش انسان مزید چھوٹا ہونے سے بچ سکے۔ کاش انسان بڑا ہو کر کائنات کو تسخیر کر لے۔

دوسرا حصہ

محمد رسول اللہ ﷺ

انسان کی حقیقت

حضرت محمد ﷺ کی حقیقت سے آگاہ ہونے کیلئے انسان کی حقیقت سے آگاہ ہونا نہایت ضروری ہے۔ انسان کی تخلیق حضرت آدم کی تخلیق سے قبل وجود میں آچکی تھی۔ اللہ نے جب عالم ارواح میں انسان کی روحوں سے اپنے رب ہونے کے بارے میں سوال کیا تھا اور سب نے اللہ کو اپنا رب تسلیم کیا تھا، تو ان روحوں میں ان تمام انسانوں کی روحیں شامل تھیں جنہوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک زمین پر آنا تھا۔ اللہ نے جب فرشتوں کے سامنے انسان کو زمین پر خلیفہ مقرر کرنے کے ارادہ کا اظہار کیا تھا اس وقت تک ابھی حضرت آدم کا بت تیار نہ ہوا تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بت میں جو روح ڈالی گئی تھی وہ پہلے ہی موجود تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک جتنے بھی انسان زمین پر پیدا ہوئے ہیں ان کی روحیں آسمان سے ہی آتی ہیں اور جتنے انسانوں نے قیامت تک زمین پر آنا ہے ان کی روحیں بھی آسمان پر کسی جگہ موجود ہیں۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ان روحوں کی کیا نوعیت تھی اور آیا وہ کسی جسم میں موجود تھیں یا نہ تھیں اور اس جسم کی کیا ماہیت تھی کے بارے میں انسان کے پاس کوئی معلومات موجود نہ ہیں۔ اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ اس طرح انسان کا وجود تخلیق آدم سے بہت پہلے وجود میں آچکا تھا۔ ان انسانوں میں سے کچھ انسان زمین پر آنے کے بعد کسی اور مقام پر جا چکے ہیں اور بقایا نے قیامت تک زمین پر ابھی آنا ہے۔

انسان جب زمین پر آتا ہے تو وہ ایک بچے کی صورت میں آتا ہے۔ جس کا جسم ماں کے بیضے، باپ کے نطفے اور خوراک سے تیار ہوتا ہے۔ لیکن اس کے اندر جو جان ہوتی ہے جسے روح کہا جاتا ہے کسی اور جگہ سے آتی ہے۔ انسان سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے

باوجود روح کی حیثیت اور ماہیت کو نہ جان سکا ہے۔ اللہ نے بھی انسان کو روح کے بارے میں صرف اتنا بتایا ہے کہ یہ اللہ کا ایک حکم ہے۔ ظاہر ہے اللہ کا حکم آسمان پر سے ہی آتا ہے۔ اس طرح انسان کی روح پہلے سے آسمان پر موجود ہوتی ہے۔ جو اللہ کے حکم سے انسان کے جسم کے اندر منتقل کر دی جاتی ہے۔

انسان پیدائش کے بعد اپنا کوئی نام اختیار کرتا ہے۔ وہ کسی کا بیٹا ہوتا ہے یا بیٹی ہوتی ہے۔ وہ بڑا ہو کر باپ بنتا یا ماں بنتی ہے۔ ایک مقررہ مدت تک دنیا میں ان کی زندگی ہوتی ہے۔ اگر وہ اچھے ہوتے ہیں تو لوگ انہیں اچھا کہتے ہیں۔ اور اگر برے ہوتے ہیں تو انہیں برے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ پھر وہ مر جاتے ہیں۔ اس کے بعد ان کے جسم کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ جلا دیا جاتا ہے یا پھر جانوروں کے آگے ڈال دیا جاتا ہے۔ ان کی روح جسم سے نکل کر آسمان پر کسی جگہ چلی جاتی ہے۔

قیامت کے بعد انسان کے جسم کو دوبارہ اس کی پہلی والی حالت میں لایا جائے گا۔ اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جائے گا۔ اس طرح انسان دوبارہ زندہ ہو جائے گا۔ اسے دنیا کی زندگی کے حساب کتاب کیلئے اللہ کی عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ جہاں اس کے ہر اچھے کام کی جزاء اور ہر برے کام کی سزاء کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر اس کے اچھے کام زیادہ ہوئے تو وہ ایک خوبصورت جسم کے ساتھ آسمان پر موجود جنت میں چلا جائے گا۔ جہاں وہ ابدی خوشحال زندگی گزارے گا۔ اگر اس کے برے کام زیادہ ہوئے تو وہ ایک بدصورت جسم کے ساتھ دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے گا، جہاں وہ اپنے برے کاموں کی سزا بھگتے گا۔ اگر اس نے دنیا میں کلمہ طیب پڑھا ہو گا تو وہ اللہ کے رسول ﷺ کی شفاعت اور اللہ کی رحمت سے اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں چلا جائے گا، جہاں وہ ابدی خوشحال زندگی گزارے گا۔ اگر اس نے دنیا میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا انکار کیا ہو گا تو وہ اپنی ابدی اذیت ناک زندگی دوزخ میں گزارنے پر مجبور ہو گا، جہاں اسے موت بھی نہ آئے گی۔

انسان اگر دنیا کی زندگی میں اپنی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے اور دنیا کی حقیقتوں کو تسلیم کر کے اپنے تخلیقی مقاصد کو پورا کرتا ہے تو مرنے کے باوجود وہ کسی نہ کسی طرح اس دنیا میں زندہ رہتا ہے۔ اس کی روح اور اس کے جسم کا کوئی نہ کوئی تعلق قائم رہتا ہے اور انسان دنیا والوں کی نظروں سے اوجھل ہونے کے باوجود اس دنیا پر ایک نئی زندگی کے روپ میں موجود رہتا ہے۔ ایسے انسان کا نام صرف دنیا میں زندہ رہتا ہے، بلکہ وہ دوسرے انسانوں کی زندگی پر اثر انداز بھی ہوتا رہتا ہے۔ ایسے انسان کو زندہ انسان اپنا ہیرو اور لیڈر بنا لیتے ہیں۔ اور ان کی سیرت سے رہبری اور رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح ایسے انسان مرنے کے بعد ایک خوشحال زندگی گزارتے ہیں، اور دوسروں کو اس کی ترغیب دیتے ہیں۔ لوگ ان کے اقوال اور انکی سیرت پر اسی طرح عمل کرتے ہیں جس طرح ان کی زندگی میں کرتے تھے۔ وہ لوگوں کی رہنمائی مرنے کے بعد بھی اسی طرح کرتے ہیں، جس طرح اپنی زندگی میں کرتے تھے۔

اس طرح جو انسان اپنی دنیا کی زندگی میں خداداد صلاحیتوں کا خاطر خواہ فائدہ نہ اٹھاتے ہیں اور دنیا کی حقیقتوں کا انکار کرتے ہیں، اپنے تخلیقی مقاصد کو پورا نہ کرتے ہیں اور لوگوں پر ظلم وستم روا رکھتے ہیں، وہ بھی مرنے کے بعد اس دنیا میں زندہ رہتے ہیں، لیکن زندہ انسان ان کو برے نام سے یاد کرتے ہیں۔ لوگ ان سے نفرت کرتے ہیں، اور ان کے جانشینوں کو پسند نہ کرتے ہیں۔ ایسے انسان خود ایک اذیت ناک زندگی گزار رہے ہوتے ہیں اور دنیا میں ان کے چیلے اور جانشین زندہ انسانوں کیلئے زندگی اجیرن اور اذیت ناک بنا رہے ہوتے ہیں، ایسے انسان ان چیلوں اور جانشینوں سے زندہ انسان نفرت کرتے ہیں۔ ایسے انسان جب مرتے ہیں تو دنیا آرام وسکون کا سانس لیتی ہے اور جب ان کے جانشینوں سے نجات پاتے ہیں تو خوشیاں مناتے ہیں۔ ایسے انسان زندہ رہ کر بھی مردہ ہوتے ہیں۔ یہ مردہ انسان دنیا کے انسانوں کو ہر وقت ڈراتے اور خوفزدہ کرتے رہتے ہیں۔ انسان ایسے انسانوں کو بدروح کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اس طرح اچھے اور برے انسان دونوں مرنے کے بعد نئی زندگی کے روپ میں زندہ رہتے ہیں۔ وہ زندہ انسانوں کو اپنی اچھائی اور برائی سے متاثر کرتے رہتے ہیں۔ اگر زندہ انسان خود اچھے ہوں تو اچھے انسان ان کو فیضیاب کرتے رہتے ہیں اور اگر زندہ انسان برے ہوں تو برے انسان ان کو آسیب زدہ کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح اچھے انسان زیادہ اچھے اور برے انسان زیادہ برے ہو جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ ازل سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ اس کے بعد انسان ایک اور دنیا میں منتقل ہو جائے گا۔ اگر انسان اچھا ہوگا تو اس کے لئے یہ دنیا کائنات پر محیط ہوگی اور اگر برا ہوگا تو قبر سے بھی زیادہ تنگ ہوگی۔
اب انسان نے اپنی دنیا کا انتخاب خود کرنا ہے۔ وہ کائنات کو اپنی دنیا بنانا چاہتا ہے یا قبر کی دنیا ہی اس کی تمام کائنات ہے۔ اگر انسان نے قبر کو ہی اپنی دنیا بنالیا تو پھر وہ کائنات کو اپنی دنیا کیسے بنا سکے گا۔ کاش انسان زمین اور قبر کو اپنی دنیا بنانے کی بجائے کائنات کو اپنی دنیا بنالے۔ انسان کائنات کے خالق کو اپنا رب اور اپنے رب کے حبیب کو اللہ کا رسول مان کر اوران کی اطاعت کر کے کائنات کو اپنی دنیا بنا سکتا ہے۔ وہ زندہ رہ کر بھی کائنات کو اپنی دنیا بنا سکتا ہے۔ قبر میں رہ کر بھی دنیا میں زندہ رہ سکتا ہے اور دنیا کے تباہ ہونے کے بعد کائنات کو اپنی دنیا بنا سکتا ہے۔

اس طرح ہر انسان کی انفرادی حیثیت دوسرے انسان سے مختلف ہوتی ہے، گو تمام انسان جسم اور روح رکھتے ہیں۔ لیکن تمام انسانوں کی ذہنی صلاحیتیں اور جسمانی طاقتیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتیں ہیں۔ ہر انسان کی اپنی ایک منفرد کائنات ہوتی ہے۔ اگر انسان اپنی کائنات کو تسخیر کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو وہ دنیا میں موجود دوسرے انسانوں کو تسخیر کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر انسان اپنے اندر کی کائنات کو ہی تسخیر کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے تو وہ دوسرے انسانوں کو تسخیر نہ کرسکتا ہے۔ ایسا انسان دنیا کو اور دنیا سے باہر کائنات کو کبھی بھی تسخیر کرنے کے قابل نہ ہوسکتا ہے۔ انسان اپنے اندر کی دنیا کو تسخیر کرسکتا ہے، اگر وہ اپنے نفسِ امارہ کو شکست دے کر نفسِ لوامہ کو تقویت دے کر نفس

مطمئنہ حاصل کر لے ہے۔ ایسا انسان دوسرے انسانوں، دنیا اور حتیٰ کہ کائنات کو بھی تسخیر کر لیتا ہے۔ لیکن اگر انسان اپنے اندر کی دنیا ہی تسخیر نہ کر سکے تو وہ دوسرے انسانوں اور دنیا کو تسخیر نہ کر سکتا ہے۔ ہر انسان نے اپنی دنیا خود ہی تسخیر کرنی ہوتی ہے۔ دوسرے انسان صرف اس کو راستہ بتا سکتے ہیں لیکن اس راستے پر اسے خود ہی چلنا ہوتا ہے۔ اگر انسان بتایا ہوا راستہ اختیار نہ کر لے یا راستے پر اس طرح نہ چلے جس طرح چلنے کا حق ہے تو وہ کبھی منزل پر نہ پہنچ سکتا ہے۔ ایسا انسان خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ ایسا بھٹکا ہوا انسان کسی دوسرے کو بھلا کیسے تسخیر کر سکتا ہے۔ لہٰذا تسخیر کائنات کی اولین منزل انسان کی اندر کی دنیا کا تسخیر کرنا ہونا ہے۔ انسان اپنی اندر کی کائنات کو بغیر کسی رہنمائی اور ہدایت کے تسخیر نہ کر سکتا ہے۔ اللہ نے انسان کی ہدایت اور رہنمائی کا مکمل انتظام کیا ہوا ہے جو الہام، وحی، الہامی کتب اور رسالت ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی ذات اس سلسلے کی مکمل ترین صورت ہے۔ اللہ کے اس رشد و ہدایت کے منبع سے پوری طرح مستفید ہونے کیلئے ضروری ہے کہ اس ذات گرامی کے بارے میں چند ضروری معلومات حاصل کر لی جائیں تاکہ کائنات کی دوسری اہم حقیقت کا ادراک کیا جا سکے۔ کائنات کی سب سے بڑی حقیقت اللہ ہے اور اس کے بعد حضرت محمد ﷺ کی ذات ہے۔ ان دونوں حقیقتوں کے ادراک کے بغیر کائنات کی حقیقت کا ادراک نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے۔

محمد ﷺ کی حقیقت

حضرت محمد ﷺ کی حقیقت سے پوری طرح آگاہ صرف اللہ ہے جو ان کا خالق ہے اور جس کے وہ بندے ہیں۔ انسان صرف اتنا جانتا ہے کہ جب تخلیق کا عمل شروع ہوا اور اللہ نے پہلی دفعہ کن کہا تو حضرت محمد ﷺ کا نور (روح) وجود میں آ گیا۔ اس کے بعد تمام انسانوں، جنوں اور فرشتوں کی ارواح کو تخلیق کیا گیا۔ کائنات کو محض حضرت محمد ﷺ کیلئے بنایا گیا۔ تمام انسانوں، جنوں اور فرشتوں کو بھی آپ ﷺ کی ذات کی وجہ سے تخلیق کیا گیا۔ کائنات کو آپ ﷺ کی خلافت کیلئے بنایا گیا۔ چونکہ انسان آپ ﷺ کے خلیفہ اور

جانشین ہیں۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ کائنات آپ کے پیروکاروں کیلئے بنائی گئی ہے۔ زمین بھی کائنات کا ایک اہم حصہ ہے۔ لہٰذا یہ زمین بھی آپ ﷺ کے پیروکاروں کیلئے بنائی گئی ہے۔ اس طرح یہ زمین اور کائنات حقیقت میں انسان کیلئے ہی تخلیق کی گئی ہے اور انسان کو اس زمین اور کائنات کیلئے بنایا گیا ہے۔

انسان چونکہ پوری طرح آپ ﷺ کی حقیقت سے واقف نہ ہے۔ اس طرح وہ آپ ﷺ کی نعت بیان کرنے کا حق ادا نہ کر سکتا ہے۔ اللہ خود اور اس کے فرشتے ہر وقت آپ ﷺ کی نعت بیان کرتے رہتے ہیں (درود بھیجتے رہتے ہیں) اور انسانوں کو بھی یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی نعت بیان کریں (درود بھیجیں)۔ چونکہ انسان آپ ﷺ کی حقیقت سے پوری طرح آگاہ نہ ہے۔ لہٰذا انسان کو جو نعت بیان کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے اللھم صلے علیٰ محمد۔ یعنی اے اللہ تو حضرت محمد ﷺ کی نعت بیان کر۔ چونکہ تو ہی ان کی نعت بیان کرنے کا اہل ہے جس تعریف اور نعت کے آپ ﷺ حقدار ہیں۔ وہ تو ہی بیان کر سکتا ہے۔ انسان کے بس میں نہیں کہ ان کی نعت بیان کر سکے۔ اس طرح اگر انسان آپ ﷺ کی نعت بیان کرنے کے قابل نہیں تو پھر وہ آپ ﷺ کی حقیقت سے کیسے واقف ہو سکتا ہے۔ انسان صرف اتنا جانتا ہے کہ کائنات میں اللہ کے بعد اگر کوئی قابل تعریف ہستی ہے تو وہ آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے جن کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ انسان اگر تمام عمر آپ ﷺ کی تعریف کرتا رہے اور آپ ﷺ کی نعت بیان کرتا رہے پھر بھی کم ہے۔ تمام کائنات آپ کی تعریف بیان کر رہی ہے۔ وہ یہ نعت ازل سے بیان کر رہی ہے اور ابد تک کرتی رہے گی۔ زمین، نباتات، جمادات اور جانور سب آپ ﷺ کی نعت بیان کر رہے ہیں۔ لہٰذا انسان پر یہ لازم ہے کہ وہ بھی ہر وقت اپنی زبان اور عمل سے آپ ﷺ کی نعت بیان کرتا رہے تاکہ اللہ کی رحمت انسان کو اپنے سائے میں لئے رکھے۔ انسان اللہ کی رحمت کے بغیر نہ اس زمین پر زندہ رہ سکتا ہے اور نہ ہی کائنات کی کسی اور دنیا میں۔ حضرت محمد ﷺ کی نعت وہ جو اہے

جو انسان کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ جب تک انسان آپ ﷺ کی نعت بیان کرتا رہے گا۔ یہ سانس کے آنے جانے کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اور اگر یہ سلسلہ کبھی منقطع ہوا تو اس کی روح اس نعت کی بدولت جسم سے نکل کر جنت کے باغوں میں ایک پرسکون اور پر مسرت زندگی بسر کرے گی۔

اگر انسان نے آپ ﷺ کی نعت بیان نہ کی تو وہ ایک مدت تک زمین پر موجود تو رہے گا لیکن زندہ انسانوں کی طرح زندگی سے لطف اندوز نہ ہو سکے گا اور جب سانس کا تانا بانا ٹوٹ جائے گا تو وہ ایک ایسی تاریک اور تنگ دنیا میں ہو گا جس کا نام قبر ہے اور قبر سے نکلنے کے بعد دوزخ کی آگ اس کا مقدر بن جائے گی۔ اب انسان نے یہ خود فیصلہ کرنا ہے کہ آپ ﷺ کی نعت بیان کرنا اس کے مفاد میں ہے یا آپ ﷺ کی نعت کا انکار اس کے لئے مفید ہے۔ انسان باشعور ہے وہ اپنے فائدے اور نقصان کو بہتر جانتا ہے۔ کاش انسان اپنے مفاد کو جان سکے۔ کاش انسان اپنے نقصان سے آگاہ ہو سکے۔ کاش انسان آپ ﷺ کی نعت اپنے عمل اور اپنی زبان سے حتی المقدور بیان کر سکے۔ انسان کائنات کی تعریف کرتا ہے۔ وہ کائنات کی مخلوقات کی تعریف کرتا ہے۔ وہ چاند، سورج، ستاروں، سیاروں اور کہکشاؤں کی تعریف کرتا ہے۔ وہ زمین، زمین کی نباتات، جمادات اور حیوانات کی تعریف کرتا ہے۔ وہ اپنے جیسے انسانوں کی تعریف کرتا ہے۔ تو پھر وہ اس ذات کی تعریف کیوں نہیں کرتا جس کی تعریف اللہ خود کرتا ہے۔ اس کے فرشتے جس کی تعریف کرتے ہیں اور خدا ان کی تعریف کرنے کا حکم دیتا ہے۔ کیا انسان اللہ کو تسلیم کرنے کے باوجود اس کے سب سے اہم حکم کی تعمیل سے گریز کر سکتا ہے اور اگر انسان ایسا کرتا ہے تو پھر کیا وہ اللہ کو اپنا رب تسلیم کرتا ہے؟ اگر وہ پھر بھی اللہ کو اپنا رب تسلیم کرتا ہے تو کیا اللہ اسے اپنا بندہ تسلیم کرلے گا۔ چونکہ اللہ اپنے حبیب کے منکر کو اپنا بندہ نہ بنا سکتا ہے۔

کاش انسان اللہ کے اس اہم حکم کی تعمیل کر سکے تا کہ وہ اللہ کی رحمت سے پوری طرح مستفید ہو کر زمین پر ایک خوشحال زندگی گزارنے کے بعد آسمانوں پر ایک ابدی خوشحال

زندگی حاصل کر سکے۔

حضرت محمد ﷺ نے نبوت کے اعلان سے قبل دنیا میں عام انسانوں کی طرح زندگی گزاری تھی۔ ان کی پیدائش عام انسانوں کی طرح ہوئی۔ ان کی پرورش عام بچوں کی طرح کی گئی۔ انہوں نے عام انسانوں کی طرح اپنا بچپن گزارا۔ دنیا کے کاموں میں عام انسانوں کی طرح حصہ لیا۔ گلہ بانی کی، تجارت کی، عام انسانوں کی طرح شادی کی اور ازدواجی زندگی کے حقوق ادا کیے۔ عام انسانوں کی طرح اولاد ہوئی اور پھر ان کی شادیاں کیں۔ عام انسانوں کی طرح اپنی روزی کمانے کیلئے تگ و دو کی، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ میں وہ صفات موجود تھیں جو اور انسانوں میں موجود نہ تھیں۔ آپ کو لوگ امین اور صادق کے القاب سے پکارتے تھے اور اپنی امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کا اخلاق سب انسانوں سے اچھا تھا۔ آپ ﷺ کا کردار مثالی اور منفرد تھا۔ آپ ﷺ نے اس طرح چالیس سال کا طویل عرصہ ایک عام انسان کی طرح گزارا۔ لیکن آپ ﷺ کی شخصیت اتنی مثالی اور بے داغ تھی کہ آپ ﷺ کے دشمن بھی آپ ﷺ کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ اگر وہ کسی بات کا انکار کرتے تھے تو وہ محض آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے تھے۔ جہاں تک آپ ﷺ کی شخصیت اور کردار کا تعلق تھا تو وہ اس کے نہ صرف دل سے قائل تھے بلکہ اپنی زبان سے تعریف بیان کرنے میں بخل سے کام نہ لیتے تھے۔

آپ ﷺ کی زندگی اب بھی تاریخ کا حصہ ہے۔ چودہ سو سال گزرنے کے باوجود آپ ﷺ کی اس صاف اور شفاف زندگی کے بارے میں آپ ﷺ کے بدترین دشمن بھی کوئی قابل قدر اعتراض نہ کر سکے ہیں۔ وہ اگر انکار کرتے ہیں تو آپ ﷺ کے رسول ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ جہاں تک آپ ﷺ کے اخلاق اور کردار کا تعلق ہے وہ آپ ﷺ کو دنیا کا ایک عظیم مثالی لیڈر اور رہنما تسلیم کرتے ہیں۔ کیا ایسے انسان کی تعریف بیان نہ کرنا بدترین بخل نہیں ہے اور اگر ایسا کرنا واقعی بخل ہے تو پھر انسان اس اخلاقی بیماری کا علاج کیوں نہ کرتا ہے۔ اس بیماری کا بڑا آسان علاج ہے کہ انسان

آپ ﷺ کی تعریف اورنعت بیان کرنا شروع کردے۔ اگر انسان نے اس بیماری کا یہ آسان علاج نہ کیا تو یہ بیماری انسان کو تباہ کردے گی۔ اگر انسان اس زندہ حقیقت کا منکر ہو گیا تو وہ ان حقیقتوں کو کیسے تلاش کر سکے گا جو پردہ غیب میں ہیں۔ کیا انسان اس حقیقت کے انکار کے بعد اپنے آپ کو حقیقت پسند کہہ سکتا ہے؟ کیا انسان اس حقیقت کا انکار کر کے ان حقیقتوں سے آگاہی حاصل کر سکتا ہے، جن تک رسائی صرف اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے ہی ہو سکتی ہے۔ انسان آپ ﷺ کی رسالت کی حقیقت کو بھی تبھی جان سکتا ہے اگر وہ آپ کی چالیس سالہ پاک اور شفاف زندگی کی حقیقت کو جان سکے۔

کاش انسان اس حقیقت کو جان سکے تاکہ وہ آپ ﷺ کی رسالت کی حقیقت کو جاننے کے قابل ہو جائے اور اس طرح رسالت کی حقیقت کو جان کر کائنات کی حقیقت کو جان سکے۔ اگر انسان اس حقیقت کو نہ جان سکا تو وہ رسالت کی حقیقت کو نہ جان سکے گا۔ اگر وہ رسالت کی حقیقت کا ادراک حاصل نہ کر سکا تو وہ دنیا اور آخرت کی حقیقت کو نہ جان سکے گا۔ اگر وہ دنیا اور آخرت کی حقیقت کو نہ جان سکا تو وہ کائنات کی حقیقت سے واقف نہ ہو سکے گا۔ اس طرح وہ نہ دنیا کو تسخیر کر سکے گا اور نہ آخرت کو، نہ زمین کو تسخیر کر سکے گا نہ آسمان پر موجود سیاروں اور ستاروں کو۔ کاش انسان اس حقیقت کو جان سکے۔ انسان کے پاس تاریخ ہے۔ عقل و شعور ہے۔ وہ حقیقت پسند اور ترقی یافتہ ہے، پھر وہ اس حقیقت کا انکار کیسے کر سکتا ہے؟ اگر وہ اس زندہ حقیقت کا انکار کرتا رہا تو پھر انسان ان حقائق کو کیسے تسلیم کرنے کا پابند ہے، جن کو وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی مدد سے محض اپنے وہم و قیاس کی بنا پر بیان کرتا ہے۔ حقیقت کا منکر انسان وہم و گمان اور قیاس پر مبنی حقیقت کو کیسے جان سکتا ہے، لیکن اگر انسان ان حقائق کو تو مانتا ہے لیکن اس زندہ حقیقت کا انکار کرتا ہے تو وہ اپنے آپ ﷺ کو مہذب اور ترقی یافتہ کیسے کہتا ہے۔ کیا انسان نے اس بارے میں بھی کبھی سوچا ہے؟ کاش انسان ایسا سوچ سکے۔

رسالت کی حقیقت

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی زوجہ حضرت حوا کے ساتھ تخلیق کے بعد جنت میں رکھا گیا۔ وہ ایک مدت تک جنت میں رہے۔ ابلیس نے حضرت آدم کو سجدہ نہ کیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو حضرت آدم سے بہتر سمجھتا تھا اور اللہ کے سامنے اپنے آپ کو بہتر ثابت کرنا چاہتا تھا۔ وہ بھی ان دنوں جنت میں رہ رہا تھا۔ وہ بظاہر حضرت آدم کا دوست بن گیا۔ اللہ نے حضرت آدم اور ان کی زوجہ کو ایک شجر کے پاس جانے اور اس کا پھل کھانے سے منع کیا تھا۔ حضرت آدم بظاہر اس درخت اور اس کے پھل میں کوئی برائی نہ دیکھتے تھے لیکن وہ اللہ کے حکم کا احترام کرتے ہوئے نہ اس درخت کے قریب گئے اور نہ اس کا پھل کھایا۔

ابلیس کو تشویش لاحق ہوگئی، کہ اگر حضرت آدم اور ان کی زوجہ نے اس درخت کا پھل نہ کھایا تو وہ اور ان کی اولاد ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جنت میں آباد ہو جائیں گے اور اللہ اسے جنت سے محروم کر دے گا۔ ابلیس حضرت آدم کو کم تر ثابت کرنا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے ایک سازش تیار کی۔ وہ دوست بن کر حضرت آدم اور ان کی زوجہ کے پاس گیا اور پوچھا کہ کیا تمہیں علم ہے کہ تم کو اللہ نے درخت کے پاس جانے اور اس کا پھل کھانے سے کیوں منع کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں علم نہ ہے۔ ابلیس نے کہا کیا تم جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہنا چاہتے ہو؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ ابلیس نے کہا اگر تم ایسا چاہتے ہو تو اس درخت کا پھل کھالو جس کے پھل میں بظاہر کوئی خرابی نہ ہے۔ حضرت آدم اور ان کی زوجہ ابلیس کے دھوکے میں آگئے اور انہوں نے درخت ممنوعہ کا پھل کھالیا۔

اللہ نے اس لغزش کی سزا یہ دی کہ ابلیس، حضرت آدم اور ان کی زوجہ کو جنت سے نکل جانے کا حکم دے دیا اور ان کو زمین پر پہنچا دیا۔ اللہ نے یہ حکم بھی جاری کر دیا کہ انسان کی ہدایت اور رہنمائی کیلئے اسے اپنا پیغام دیا جائے گا اور جو اس پیغام رشد و ہدایت کی اطاعت کرے گا۔ اسے جنت سے نکلنے کا نہ کوئی غم ہوگا، نہ زمین پر آباد ہونے میں کوئی خوف ہوگا، نہ دنیا کو چھوڑنے کا کوئی غم ہوگا اور نہ ہی دوزخ میں جانے کا کوئی خوف ہوگا۔ اس طرح

انسان دنیا میں ایک خوشحال زندگی گزار سکے گا اور آخرت میں جنت اس کی ابدی زندگی کا مقام بن جائے گا۔

حضرت آدم اور ان کی زوجہ کو زمین کے مختلف حصوں میں اتارا گیا۔ وہ دونوں اپنی لغزش کی معافی مانگتے رہے۔ لیکن وہ ایک طویل عرصہ تک اللہ کو اپنی طرف متوجہ نہ کر سکے۔ پھر جب اللہ کو ان پر رحم آیا۔ تو اللہ نے بذریعہ الہام حضرت آدم کو اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کی ذات کا علم دیا جن کا نام اللہ کے نام کے ساتھ جنت کے درختوں کے پتوں پر انہوں نے لکھا دیکھا تھا۔ چنانچہ حضرت آدم نے اس مبارک نام "محمد ﷺ" کا واسطہ دے کر توبہ کی اور اللہ نے آپ کی توبہ قبول فرمالی اور آپ کی ملاقات اپنی زوجہ سے میدانِ عرفات میں ہوگئی۔ اس طرح اس نام کی بدولت حضرت آدم اور حوا مل گئے اور انہوں نے اپنے سفر کا آغاز کر دیا۔ اس طرح سب سے پہلے پیغام رشد و ہدایت جس نے وصول کیا۔ وہ حضرت آدم تھے اور یہ پیغام حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا تھا۔ حضرت آدم نے نہ صرف اس رسالت کو تسلیم کیا بلکہ اس کی بدولت اپنی مشکل کو آسان کیا۔ اگر حضرت آدم رسالت کے پیغام کو تسلیم نہ کرتے تو وہ اپنی زوجہ حضرت حوا سے نہ مل سکتے اور یوں انسان کا مستقبل اس زمین پر تاریک ہو جاتا۔ وہ نہ اپنی افزائش نسل کر سکتا اور نہ ہی اپنی حکومت قائم کر سکتا۔ اس طرح کائنات کو تسخیر کرنے والا انسان اس زمین پر ہی بھٹک بھٹک کر ختم ہو جاتا۔ یہ محض حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا فیض ہے کہ انسان آج زمین پر آباد ہے اور اس پر حکومت اور حکمرانی کر رہا ہے۔ کیا آج کا انسان اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ انسان جنت سے نکلنے کا غم بھول چکا ہے اور وہ دنیا پر ایک خوشحال زندگی گزار رہا ہے۔ کیا انسان اس حقیقت سے بھی انکار کر سکتا ہے کہ اسے دنیا چھوڑنے کا غم ہوتا ہے اور اسے آخرت کا خوف بھی ہے۔ انسان رسالت کے پیغام رشد و ہدایت پر عمل کر کے اس غم اور خوف سے بھی نجات پا سکتا ہے۔ اس غم اور خوف سے نجات کیلئے حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی حقیقت کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔ آئیں اب ہم آپ ﷺ

کی رسالت کی حقیقت کا ادراک حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی حقیقت

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ (آل عمران)

''اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے۔ تمہارے پاس میرا وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق کرے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب نے عرض کیا ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ تو جو کوئی اس کے بعد پھرے تو وہی لوگ فاسق ہیں''۔

اللہ کے ذریعے رسالت کا اعلان

اللہ نے حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا اعلان بذاتِ خود کیا۔ یہ اعلان تمام پیغمبروں اور رسولوں کی ایک خاص مجلس میں اس وقت کیا گیا جب ابھی حضرت آدم کا بت تیار بھی نہ ہوا تھا۔ یہ صرف رسالت کا اعلان ہی نہیں تھا۔ بلکہ اس اعلان کے ذریعے اللہ نے اس بیعت کی توثیق کی جو تمام انبیاء نے حضرت محمد ﷺ سے کی تھی۔ یہ اعلان اور میثاق اس بات کا ثبوت ہے کہ تمام انبیاء اور حضرت محمد ﷺ اس اعلان اور میثاق سے قبل اللہ کے پاس موجود تھے۔ ہو سکتا ہے حضرت محمد ﷺ بھی اس مجلس میں موجود ہوں یا پھر آپ ﷺ کے بارے میں اللہ نے اپنے انبیاء کو ان کی نشانیاں بتائی ہوں۔

اللہ نے اپنے رب ہونے کا میثاق تمام انسانوں کی روحوں سے لیا تھا۔ لیکن اپنے رسول ﷺ کی رسالت کا میثاق تمام انبیاء سے لیا تھا۔ اس میثاق کے بعد تمام نبی اور رسول اس بات کے پابند تھے کہ وہ اپنے اپنے زمانوں میں آپ ﷺ کی رسالت کا اعلان کرتے رہیں اور ان کی امتیں آپ ﷺ پر بالغیب ایمان لاتی رہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ آپ ﷺ تمام عالمین کیلئے رسول بنائے گئے تھے۔ اس طرح پہلے امتوں کو آپ ﷺ کی رسالت سے کیسے محروم کیا جا سکتا تھا۔ دوسرے انبیاء کے اعلان رسالت سے اس حجت کو پورا کرنا تھا کہ رسالت کا پیغام تمام انسانوں کو پہنچا دیا گیا تھا اور اگر اس کے باوجود کوئی انسان ان پر ایمان نہ لایا ہے تو وہ اس کا اپنا قصور ہے۔ اس طرح اللہ اپنے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے منکروں پر اہتمام حجت پورا کرنا چاہتے تھے تا کہ انسان آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کر کے اللہ کی رحمت سے محروم نہ ہو سکیں اور جو انسان جان بوجھ کر رسالت کی حقیقت کا انکار کرے اسے اس کے اپنے رسول کی شہادت پر ہی مجرم قرار دے دیا جائے۔

اس طرح دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار یا اس سے کم و بیش پیغمبر اور رسول تشریف لائے۔ تمام نے اپنے اپنے زمانے میں اللہ کے رسول ﷺ کی رسالت کا اعلان کیا جن لوگوں نے ان انبیاء کی رسالت کو تسلیم کیا۔ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کی رسالت کو بھی بالغیب تسلیم کیا۔ رسالت درحقیقت اللہ کا پیغام رشد و ہدایت ہے۔ اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ ہیں۔ رسالت کی ابتداء حضرت آدم سے ہوئی اور انتہاء اللہ کے رسول ﷺ پر۔

انبیاء کے ذریعے رسالت کا اعلان

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء نے اللہ کے رسول کی رسالت کا اعلان کیا۔ تمام الہامی کتابوں میں بھی اللہ کے رسول کی رسالت کا اعلان ہوا۔ انبیاء نے اللہ کے رسول کی نشانیاں بتائیں۔ تمام انبیاء آپ ﷺ کی آمد کے منتظر رہے۔ توریت اور انجیل میں آپ ﷺ کی واضح نشانیاں بیان کی گئیں۔ اس طرح حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انسانوں کے سامنے

آپ ﷺ کی رسالت کا اعلان کیا گیا۔ جو لوگ اپنے زمانے میں انبیاء پر ایمان لاتے رہے۔ ان کے ایمان کی ایک بنیادی شرط یہ بھی تھی کہ وہ آپ ﷺ کی رسالت کو بھی تسلیم کریں۔ اس طرح انبیاء کے اعلان کے مطابق اللہ اور انبیاء کو تسلیم کرنے والے آپ ﷺ کی رسالت کو بھی بالواسطہ تسلیم کرتے رہے۔ تمام انسان آپ ﷺ کی آمد کا انتظار کرتے رہے۔ تمام انبیاء یہ خواہش کرتے رہے کہ آپ ﷺ ان کے زمانے میں تشریف لائیں تاکہ وہ ان کے امتی بن سکیں۔ تمام انبیاء اللہ کے رسول کا امتی بننے میں فخر اور اعزاز خیال کرتے تھے۔ تمام انبیاء آپ ﷺ کی رسالت کا نہ صرف اعلان کرتے رہے بلکہ وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا پرچار کرتے رہے۔ وہ خود بھی یہ کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہوتے رہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا۔ وہ جب دوبارہ قیامت کے قریب دنیا میں تشریف لائیں گے تو اسی کلمہ کو رواج دے کر آپ ﷺ کی رسالت کو تسلیم کریں گے اور آپ ﷺ کے امتی بن کر اس کلمہ کو دنیا پر نافذ کریں گے۔ تمام انبیاء نے مسجد اقصیٰ میں آپ ﷺ کی امامت میں نماز ادا کر کے آپ ﷺ کی رسالت کو تسلیم کرنے کا عملی ثبوت دیا ہے۔ محشر کے دن آپ ﷺ کو شفاعت کا حقدار قرار دیکر تمام انبیاء آپ ﷺ کی رسالت کو تسلیم کرنے کا ایک اور ثبوت انسانوں کے سامنے پیش کریں گے۔

حضرت محمد ﷺ کا اعلانِ رسالت

حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول تھے۔ آپ ﷺ کی رسالت کا اعلان خود اللہ نے انبیاء کے سامنے کیا اور انبیاء سے آپ ﷺ کی رسالت کو تسلیم کرنے کا اقرار کیا۔ تمام انبیاء نے اپنے زمانوں میں آپ ﷺ کی رسالت کا اقرار کر کے آپ ﷺ کی رسالت کا اعلان کر کے اپنی امتوں سے رسالت کا اقرار لیتے رہے۔ تمام ایمان لانے والے انسان آپ ﷺ کی رسالت کا اقرار کرتے رہے۔ آپ ﷺ نے چالیس سال تک اپنی رسالت کا اعلان نہ کیا۔ جب اللہ نے آپ ﷺ کو رسالت کا اعلان کا حکم دیا تو آپ نے رسالت کا اعلان کر دیا۔ اس طرح آپ ﷺ نے اپنی رسالت کا اعلان کر کے اللہ

کے حکم کی تعمیل کی۔ اس طرح آپ ﷺ نے بھی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا نہ صرف اقرار کیا بلکہ اس کا اعلان اپنی زبانِ مبارک سے کیا، جس کا اعلان قبل ازیں اللہ تعالیٰ خود آسمانوں پر اور تمام انبیاء زمین پر کر چکے تھے۔ اس طرح آپ ﷺ کے اعلانِ رسالت سے مومنین کو وہ بے مثال نعمت مل گئی جسے اللہ نے خود احسانِ عظیم سے موسوم کیا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ (آل عمران)

"بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا۔ مسلمانوں پر کہ ان میں ان ہی میں سے ایک رسول مبعوث ہوا جو ان پر اس کی (کتاب) آیات کی تلاوت کرتا ہے۔ انہیں پاک صاف کرتا ہے اور انہیں کتاب (قرآن حکیم) کا علم سکھاتا ہے۔ کائنات کی حکمت بتاتا ہے۔ اس کتاب کے علم اور کائنات کی حکمت کے علم کے بغیر وہ کھلی گمراہی میں بھٹک رہے تھے"۔

انسان اپنے اللہ کو بھول چکا تھا۔ اللہ کی واحدانیت کا تصور مٹ چکا تھا۔ شرک عام ہو چکا تھا۔ انسان رسالت (اللہ کے پیغام رشد و ہدایت) کو بھول چکا تھا۔ انسان اپنے مقصدِ حیات کو بھول چکا تھا۔ انسان دنیا کی حقیقت سے ناواقف ہو چکا تھا۔ انسان کا آخرت کے بارے میں عقیدہ بدل چکا تھا۔ انسان موت و حیات کی حقیقت سے بے خبر ہو چکا تھا۔ انسان کائنات کی حقیقت سے بے خبر ہو چکا تھا۔ انسان انسانیت سے دور ہو چکا تھا۔ انسان انسان کم اور حیوان زیادہ بن چکا تھا۔ انسان اپنے نفس اور اپنی نفسانی خواہشات کا غلام بن چکا تھا۔ انسان نے دنیا کو ہی سب کچھ سمجھنا شروع کر دیا تھا اور وہ آخرت کو بالکل بھول چکا تھا۔ وہ دنیا کو ہی جنت سمجھ رہا تھا اور یہ بھول چکا تھا کہ اسے کبھی جنت سے ابلیس نے نکلوایا تھا۔ وہ ابلیس کو اپنا دوست اور خیر خواہ بنا چکا تھا۔ جنت کا تصور اس کے ذہن سے محو ہو گیا تھا اور اس

نے جنت پانا تو درکنار، جنت کی خواہش کو ہی اپنے دل سے نکال دیا تھا۔ وہ اپنی دنیا کی خوشحالی کیلئے انسانوں پر ظلم کرنا اپنا حق خیال کرتا تھا۔ وہ لڑکیوں کو زندہ رہنے کا حق دینے کیلئے بھی تیار نہ تھا۔ اس نے دنیا میں ظلم اور جہالت کا ایک ایسا جال پھیلایا ہوا تھا جس سے انسان کا نکلنا ناممکن ہو چکا تھا۔ اس طرح اللہ نے انسان کو اس ظلم اور جہالت سے نجات دلانے کیلئے اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرما دیا۔ تمام انبیاء انسانوں کو اس عظیم نعمت کی خوشخبری دیتے رہے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ سے یہ دعا مانگی تھی جس نے آخر کار شرفِ قبولیت حاصل کر لیا۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ (البقرہ)

''اے ہمارے رب! بھیج ان میں ایک رسول ان ہی میں سے کہ ان پر تیری آیات تلاوت کرے اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم سکھائے اور انہیں پاک صاف کرے۔ بے شک اللہ تو ہی غالب حکمت والا ہے''۔

اس طرح اللہ کے رسول ﷺ نے رسالت کا اعلان جن کلمات سے کیا وہ کلمات کلمہ طیبہ قرار پائے جو کائنات کو تسخیر کرنے کی چابی ہے۔ انسان آپ ﷺ کی رسالت کو تسلیم کر کے ہی کائنات کو تسخیر کر سکتا ہے۔ اب آئیں ہم دیکھیں کہ کیا انسان رسالت کی حقیقت سے انکار کر سکتا ہے یا نہیں اور اگر وہ اس حقیقت کا انکار کرتا ہے تو کیا اس کا یہ رویہ حقیقت پر مبنی ہے یا یہ محض انسان کی ضد اور ہٹ دھرمی ہے اور اگر یہ محض ضد اور ہٹ دھرمی ہے تو کیا انسان اس ضد اور ہٹ دھرمی کی موجودگی میں اس قابل ہو سکتا ہے وہ کائنات کو تسخیر کر لے۔ اگر وہ اس طرح کائنات کو تسخیر نہ کر سکتا ہے تو رسالت کو تسلیم کرنے کے وہ کون سے تقاضے ہیں جن کو پورا کر کے انسان کائنات کو تسخیر کر سکتا ہے اور وہ کونسا آبِ حیات ہے جو انسان پی کر حیات جاوداں حاصل کر سکتا ہے تا کہ موت تسخیر کائنات کے سفر میں مخل نہ ہو اور انسان مرنے کے بعد زمین تباہ ہونے کے باوجود اپنے سفر کو جاری رکھ کر اپنی منزل کو پا سکے۔

آبِ حیات

إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ

اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو کوثر عطا کی ہے۔ کوثر قرآن مجید ہے۔ جو خیر کثیر کا مخزن ہے۔ کوثر آپ ﷺ کی ذات گرامی ہے جو خیر کثیر کا سمندر ہے۔ کوثر آپ ﷺ کی اہل بیت اور صحابہ کی جماعت ہے۔ جو خیر کثیر کی امام ہے۔ کوثر آپ ﷺ کی امت ہے جو تمام امتوں کی امام ہے۔ کوثر وہ حوض ہے جس سے نمازی مسلمان محشر کے دن سیراب ہوں گے۔ کوثر وہ شفاعت ہے جس سے گناہگار مسلمان محشر کے دن مستفید ہوں گے، اور کوثر وہ نہر ہے جس میں غسل کر کے گناہگار مسلمان دوزخ کے داغ کو اپنے دامن سے دور کر کے ابدی حیات حاصل کر کے جنت کا پروانہ حاصل کریں گے۔ اور کوثر وہ آبِ حیات ہے جسے پی کر انسان موت کے چنگل سے آزاد ہو سکتا ہے۔

قرآنِ مجید

قرآن مجید اللہ کی آخری الہامی کتاب ہے۔ یہ کتاب آسمانوں پر اللہ کے پاس لوحِ محفوظ میں محفوظ ہے۔ دنیا میں یہ کتاب مسلمانوں کے دلوں میں محفوظ ہے۔ کتابی شکل میں یہ کتاب تقریباً تمام دنیا میں موجود ہے۔ اس کتاب کی حفاظت خود اللہ کر رہا ہے۔ اس کتاب کو جس شب لوحِ آسمان سے دنیا پر اتارا گیا وہ رات شب قدر کے نام سے مشہور ہے۔ جس رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔ اس کتاب کو اللہ کے رسول پر تئیس سال میں نازل کیا گیا۔ فرشتوں کے امام حضرت جبرئیل اس کتاب کو اللہ کے رسول تک لاتے رہے۔ یہ کتاب چودہ سو سال گزرنے کے باوجود آج بھی اپنی اصلی حالت میں دنیا میں موجود ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ اللہ کی الہامی کتاب ہے جس کی حفاظت کا ذمہ کسی انسان نے نہیں بلکہ اللہ نے لے رکھا ہے۔ اگر اس کی حفاظت مسلمانوں کے پاس ہوتی تو شاید یہ کتاب اپنی اصل حالت میں موجود نہ ہوتی چونکہ مسلمان قوم عروج و زوال کے

مرحلوں سے گزرتی رہی ہے۔اس طرح وہ اپنے زوال کے زمانے میں اس کتاب کی حفاظت کا حق ادا کرنے کے قابل نہ تھی اور اس کے دشمن مسلمانوں کی اس اساس کو نعوذ باللہ ختم کرنے کیلئے آزاد تھے۔انہوں نے اس اساس کو ختم کرنے اور مٹانے کی کوشش بھی کی مگر اس کے باوجود یہ کتاب آج بھی موجود ہے۔ترقی یافتہ انسان نے بے شمار کتابیں تحریر کیں لیکن کوئی کتاب اس کتاب کے مقابلے میں نہ آسکی۔انسان آج تک یہ ثابت نہ کر سکا ہے کہ یہ کتاب نعوذ باللہ الہامی نہ ہے وہ یہ ثابت کرنے سے بھی قاصر رہا ہے کہ یہ اپنی اصلی حالت میں نہ ہے اور وہ یہ ثابت بھی نہ کر سکا ہے کہ اس کتاب کا کوئی مضمون حقیقت کے خلاف ہے۔جوں جوں سائنس اور ٹیکنالوجی ترقی کر رہی ہے۔اس کتاب کے راز حقیقت بن کر انسان کے سامنے آرہے ہیں، لیکن انسان پھر بھی اس کتاب پر ایمان نہ لا رہا ہے۔ اس کتاب کو نہ ماننے کی وجہ یہ نہیں کہ انسان اس کتاب کو ایک سچی الہامی کتاب تسلیم نہ کرتا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اس کتاب میں دیئے ہوئے ضابطہ حیات کو اپنے اوپر نافذ نہ کرنا چاہتا ہے۔اسے علم ہے کہ اگر اس نے اس کتاب کو الہامی کتاب تسلیم کر لیا تو پھر اس کے ضابطہ حیات کو بھی تسلیم کر کے نافذ کرنا پڑے گا اور اگر اس نے ایسا کر دیا تو انسان انسان کی غلامی سے آزاد ہو جائے گا اور آزاد انسان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی غلامی اختیار کرنی پڑے گی۔اس طرح اس کا جاہ وجلال اور شان وشوکت سب خاک میں مل جائے گا۔وہ قانون بنا نہ سکے گا بلکہ اس پر اللہ کے قانون کا نفاذ ہوگا وہ انسانوں کے حقوق سلب نہ کر سکے گا بلکہ ان کے حقوق زبردستی ان سے چھین لیے جائیں گے۔وہ لوگوں کا استحصال نہ کر سکے گا بلکہ لوگ اس سے اپنے استحصال کا بدلہ لیں گے۔وہ منصف بن کر لوگوں کے ساتھ ناانصافی نہ کر سکے گا۔بلکہ ہر ناانصافی کا حساب اس سے لیا جائے گا۔وہ لوگوں کی دولت پر عیاشی نہ کر سکے گا بلکہ ظلم اور استحصال سے جمع کی ہوئی دولت کو ان کے حقداروں کو لوٹانے کا پابند ہوگا۔وہ اپنی اطاعت زبردستی نہ کرا سکے گا بلکہ وہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے پر مجبور ہوگا۔وہ زمین پر بادشاہ۔حاکم اور حکمران نہ بن سکے گا بلکہ وہ زمین پر اللہ کا

خلیفہ بن کر انسانوں کا خادم بن جائے گا۔ اسے دنیا میں ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا پڑے گا۔ جس کی بنیاد انصاف اور مساوات پر ہوگی۔ اسے ایک عام انسان کی طرح زندگی گزارنی ہو گی۔ ظاہر ہے با اثر انسان، بادشاہ، حاکم، حکمران یہ تبدیلی پسند نہیں کرتے۔ حالانکہ دنیا کے عوام الناس کا یہ ایک دیرینہ مطالبہ ہے۔

قرآن مجید آج بھی انسان کیلئے ایک زبردست چیلنج ہے۔ اگر انسان اس کتاب کو نعوذ باللہ غلط ثابت کرنا چاہتا ہے تو وہ آزاد ہے۔ مگر وہ اس کتاب کے کسی ایک مضمون کو بھی غلط ثابت نہ کر سکے گا۔ انسان آج تک اس کتاب کو نعوذ باللہ غلط ثابت نہ کر سکا ہے تو آئندہ کیسے کرے گا۔ اگر یہ کتاب واقعی اللہ کی آخری الہامی کتاب ہے، اگر اس کے مضمون حقیقت پر مبنی ہیں، اگر اس میں دیا گیا نظام حیات انسان کی آزادی اور خوشحالی کا ضامن ہے، اگر یہ کتاب کائنات کے رازوں کا مخزن ہے تو پھر آج کا ترقی یافتہ انسان اس کتاب کو تسلیم کیوں نہیں کر لیتا؟ اگر انسان اس کتاب کو تسلیم نہیں کرتا تو کیا وہ اپنے آپ کو حقیقت شناس کہہ سکتا ہے اور اگر انسان حقیقت شناس نہ ہو تو وہ اپنے آپ کو مہذب اور ترقی یافتہ کیسے کہہ سکتا ہے۔ کیا ایسا انسان کائنات کی حقیقت کو جان سکتا ہے؟ اور کیا ایسا انسان کائنات کو تسخیر کرنے کے قابل ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے ایسا انسان نہ حقیقت شناس ہے اور نہ مہذب ہے اور نہ ہی ترقی یافتہ ہے۔ کیا ایسا انسان ضدی اور ہٹ دھرم نہ ہے؟ اگر ایسا انسان ضدی اور ہٹ دھرم ہے تو پھر ایسا انسان کائنات کی حقیقتوں کو کیسے جان سکتا ہے۔

کیا انسان اس ضد اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ نہ سکتا ہے؟ کاش انسان اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر حقیقت شناس بن جائے تاکہ وہ اس کتاب کا ادراک حاصل کر سکے جس میں دنیا اور کائنات کی تسخیر کے راز پوشیدہ ہیں۔ اگر انسان ان رازوں کو جان ہی نہ سکا تو پھر وہ دنیا اور کائنات کو بھلا کیسے تسخیر کر سکے گا۔ دنیا کی محدود حکومت اور حکمرانی کے مقابلے میں دنیا کی خلافت اور کائنات کی خلافت ہزار ہا درجے بہتر ہے۔ کاش انسان اس حقیقت کو جان سکے۔

اس کتاب کا مصنف خود اللہ ہے جو کائنات کا خالق۔ دنیا کا خالق اور انسان کا خالق

ہے۔اس کتاب کا خیال بھی اللہ کا ہے۔اور یہ صرف خیال نہیں بلکہ حقائق کا حقیقی بیان ہے۔ اس کتاب کے الفاظ بھی اللہ کے اپنے ہیں۔اس طرح اس کتاب کا ایک ایک حرف اور ایک ایک لفظ حقیقت کا آئینہ دار ہے۔اس کتاب میں بیان کی گئی کوئی حقیقت بھی مشکوک یا مشتبہ نہ ہے۔

اگر ایک موجد اپنی ایجاد کے بارے میں حقائق بیان کرسکتا ہے تو پھر اللہ اپنی کائنات کے بارے میں حقیقت کا حال کیوں بیان نہ کرسکتا ہے۔اگر انسان موجد کے بیان کردہ حقائق پر یقین کر لیتا ہے تو پھر وہ اللہ کے بیان کردہ حقائق پر یقین کیوں نہ کرتا ہے۔اگر وہ اللہ کے وجود کو تسلیم کرتا ہے تو پھر اسے اللہ کی کتاب کو بھی تسلیم کرنا پڑیگا۔یہ نہیں ہوسکتا کہ انسان اللہ کے وجود کو تو تسلیم کرے لیکن اللہ کے بیان کردہ حقائق کو تسلیم نہ کرے۔ کیا انسان کسی موجد کے وجود کو اس طرح تسلیم کرسکتا ہے کہ وہ اس کے بیان کردہ حقائق کو تسلیم کرنے سے انکار کردے۔اگر وہ موجد کے بیان کو تسلیم نہیں کرتا تو وہ دراصل موجود کے وجود کا انکار کرتا ہے۔اس طرح اگر انسان اللہ کے بتائے ہوئے حقائق کا انکار کرتا ہے تو وہ درحقیقت اللہ کے وجود کا عملی انکار کررہا ہوتا ہے۔کیا انسان اللہ کے وجود کا انکار کرسکتا ہے؟ اگر وہ اللہ کے وجود کا انکار نہ کرسکتا ہے تو پھر اس کی کتاب میں بیان شدہ حقائق کا انکار کیسے کرسکتا ہے۔ لیکن انسان ایسا کررہا ہے۔کیا انسان کا یہ رویہ حقیقت پسندانہ ہے اور کیا وہ یہ رویہ اپنا کر اپنے آپ کو مہذب اور ترقی یافتہ انسان کہلانے کا حقدار ہے؟

انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ اور نائب ہے۔اللہ انسان کو کائنات کی نیابت اور خلافت دینا چاہتا ہے۔انسان کا عقل وشعور محدود ہے۔کائنات کے بے شمار حقائق ایسے ہیں جو انسان کے عقل وشعور سے ماوراء ہیں۔انسان ان حقائق کا احاطہ اپنے عقل وشعور سے نہ کرسکتا ہے۔انسان ان حقائق کے بارے میں مختلف مفروضے اختراع کرتا ہے۔جو حقائق سے مطابقت نہ رکھتے ہیں۔اس طرح انسان اپنی زندگی اور مادی وسائل ان بے بنیاد اور من گھڑت مفروضوں پر ضائع کردیتا ہے۔

انسان کی زندگی محدود ہے۔انسان کے مادی وسائل بھی زیادہ نہیں۔انسان نے اپنی قلیل زندگی اور محدود مادی وسائل کے ساتھ دنیا پر اپنی خلافت قائم کرنی ہے اور اسے مستحکم کرنا ہے۔اس طرح اللہ نے انسان کی آسانی اور سہولت کیلئے کائنات کی پوشیدہ حقیقتوں کے بارے میں اپنی کتاب میں بتا دیا ہے تا کہ وہ اپنی قیمتی زندگی اور اپنے قیمتی وسائل ان حقیقتوں کی تلاش پر ضائع نہ کر دے بلکہ وہ اپنی زندگی اور اپنے وسائل کو دنیا پر اس طرح خرچ کر سکے تا کہ وہ اپنے تخلیقی مقاصد کو پورا کر کے زمین پر اپنی کامیاب خلافت قائم کر سکے۔

اللہ نے زمین پر کامیاب خلافت قائم کرنے کیلئے بھی انسان کو ہدایات اپنی کتاب میں دی ہیں۔ بلکہ اللہ نے انسان کیلئے ایک مکمل ضابطہ حیات اپنی کتاب میں تجویز کیا ہوا ہے۔

انسان اگر اللہ کی کتاب سے رہنمائی حاصل کر لے تو وہ بڑی آسانی سے زمین پر اپنی خلافت قائم کر کے اسے تسخیر کر سکتا ہے۔اللہ نے اپنی کتاب میں کائنات کی تسخیر کا راز بھی بتایا ہے اور وہ راز یہی ہے کہ اگر انسان زمین کو تسخیر کرنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ اپنی موت کے بعد کائنات کو تسخیر کرنے کے قابل ہو جائیگا۔

انسان کے سامنے صرف اس وقت ایک ہی دنیا ہے اور یہ دنیا آسمان پر ستاروں اور سیاروں میں موجود نہ ہے۔ بلکہ زمین پر ہے۔انسان نے اس دنیا کو تسخیر کرنا ہے۔لیکن اس سے پہلے انسان نے اپنے اندر کی دنیا کو تسخیر کرنا ہے۔اگر وہ اپنے اندر کی دنیا تسخیر کر سکا تو وہ باہر کی دنیا کو بھی تسخیر کر لے گا۔اللہ نے اپنی کتاب میں واضح طور پر بتا دیا ہے کہ وہ کس طرح اپنے من کی دنیا کو تسخیر کر سکتا ہے۔اللہ نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہ کس طرح من کی دنیا سے باہر کی دنیا کو تسخیر کرنا چاہتا ہے تو اسے اللہ کی کتاب قرآن مجید کو نہ صرف الہامی کتاب تسلیم کرنا ہو گا بلکہ اس کے ایک ایک لفظ پر غور کر کے اس پر عمل کرنا ہو گا۔اگر انسان نے ایسا کر لیا تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔کیا انسان کامیاب نہیں ہونا چاہتا؟ اگر وہ کامیاب ہونا چاہتا ہے تو پھر وہ نسخہ کیمیاء کا انکار کیسے کر سکتا ہے۔اگر انسان جان بوجھ کر اس کتاب کا بلا جواز انکار کرتا ہے تو کیا ایک ترقی یافتہ انسان ایسا کر سکتا ہے؟ اگر وہ یہ انکار کرتا

ہے تو اسے اپنے ترقی یافتہ ہونے پر ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ غور و خوض کرنا چاہیے اور اگر وہ غلطی پر ہے تو اسے اپنی اصلاح کر لینی چاہیے، چونکہ اب بھی اس کے پاس وقت ہے۔

آج کا ترقی یافتہ انسان علامہ ہے۔ وہ دنیا کے تمام علوم کا علم رکھتا ہے۔ وہ دنیا کی تمام مخلوقات کے بارے میں جانتا ہے۔ وہ نباتات، جمادات، حیوانات سب کا علم رکھتا ہے۔ وہ اپنے جسم کے اندر جو مشینری کام کر رہی ہے کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ وہ مخلوقات کے تخلیقی مقاصد کو جانتا ہے۔ وہ زمین کے اندر پوشیدہ خزانوں کو جانتا ہے۔ وہ سمندر کی تہہ میں چھپے ہوئے خزانوں کو جانتا ہے۔ وہ فضاء اور خلا کے بارے میں جانتا ہے۔ وہ چاند کے بارے میں کافی کچھ جان چکا ہے اور دوسرے سیاروں کے بارے میں جاننے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ دنیا میں موجود تمام کتابوں کا علم رکھتا ہے جن کے مصنف انسان ہیں۔ اگر انسان کوئی علم نہیں رکھتا تو اس کتاب کا نہیں رکھتا جس کا مصنف اللہ ہے۔ وہ اس کتاب کو پڑھتا تک نہ ہے۔ اگر پڑھتا ہے تو اس پر غور نہ کرتا ہے اگر غور کرتا ہے تو عمل کرنے کی بجائے اس کی علمی بحثوں مین الجھ جاتا ہے۔ جس طرح اس کتاب کے پڑھنے کا حق ہے اس طرح وہ اسے نہ پڑھتا ہے اور نہ ہی پڑھاتا ہے۔ حالانکہ اس کتاب میں دنیا بلکہ کائنات کے تمام علوم کے خزانے موجود ہیں۔ انسان کا اپنا ماضی، حال اور مستقبل اس میں پوشیدہ ہے۔ دنیا کا ماضی، حال اور مستقبل اس میں چھپا ہوا ہے۔ بلکہ کائنات کا ماضی، حال اور مستقبل اس میں پوشیدہ ہے۔ اس میں انسان کے ماضی، دنیا کے ماضی اور کائنات کے ماضی کے بارے میں جو بیان کیا گیا ہے۔ وہ کوئی تاریخ نہ ہے جسے کسی انسان نے مرتب کیا ہے بلکہ یہ وہ حقائق ہیں جن کو خالق کائنات نے بیان کیا ہے۔ اس میں انسان کے حال، دنیا کے حال اور کائنات کے حال کے بارے میں وہ معلومات نہ ہیں جو کسی ڈاکٹر، انجینئر اور سائنسدان نے بیان کی ہیں بلکہ اس میں وہ معلومات ہیں جن کو انسان کے خالق، دنیا کے خالق اور کائنات کے خالق نے بیان کیا ہے۔ اس میں انسان کے مستقبل، دنیا کے مستقبل اور کائنات کے مستقبل کے بارے میں وہ مفروضے یا پیش گوئیاں نہ ہیں۔ جن کو

سائنسدانوں، جغرافیہ دانوں یا نجومیوں نے بیان کیا ہے۔ بلکہ اس میں وہ حقیقتیں ہیں جن کو خالق کائنات نے بیان کیا ہے۔ جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔

انسان اس کتاب کو پڑھ کر اس پر غور وحوض کر کے اور اس پر عمل کر کے اپنے مستقبل کو نہ صرف شاندار بنا سکتا ہے بلکہ اپنے حال کو بھی درست کر کے خوش حال بنا سکتا ہے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ انسان اس کتاب کو پڑھنا تک گوارہ نہ کرتا ہے اگر کبھی پڑھ لیتا ہے تو اس پر غور وحوض نہیں کرتا اور اگر کبھی تدبر اور تفکر کرتا ہے تو اس پر عمل نہیں کرتا۔ یہ کتاب انسان کے لئے ہے۔ یہ کتاب اللہ کا تحفہ ہے۔ یہ کتاب انسان کا ماضی ہے۔ یہ کتاب انسان کا حال ہے اور یہ کتاب انسان کا مستقبل ہے۔ انسان نہ اپنے ماضی کو بھلا سکتا ہے نہ اپنے حال سے بے خبر رہ سکتا ہے اور نہ اپنے مستقبل سے بے فکر رہ سکتا ہے۔ اگر انسان اپنے ماضی کو فراموش کرنا چاہتا ہے۔ اگر وہ اپنے حال کو خوشحال بنانا چاہتا ہے اور اگر وہ اپنے مستقبل سے مطمئن ہونا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ اس کتاب کی تلاوت شروع کر دے۔ اس پر تدبر اور تفکر کرے اور اسے اپنی زندگی کا ضابطہ بنا لے۔ کاش انسان اس کتاب کی حقیقت سے آشنا ہو سکے۔

اگر انسان اس کتاب کو ایک دفعہ خلوص دل سے پڑھ لے تو پھر اسے کسی اور کتاب کی ضرورت نہ رہے گی۔ اسے چاند، سورج، سیاروں اور ستاروں کی حقیقت جاننے کیلئے قیمتی اور مہنگے راکٹ نہ بھیجنے پڑیں گے بلکہ وہ اس کتاب میں غور وفکر کر کے ان کی حقیقت سے آگاہ ہو جائے گا۔ اسے دنیا کا نظام درست کرنے کیلئے نت نئے تجربات نہ کرنے پڑیں گے۔ بلکہ اسے صرف اللہ کے نظام کو خلوص سے نافذ کرنا ہوگا۔ اسے مادی وسائل کے تلاش کیلئے چاند اور سیاروں پر نہ جانا پڑے گا۔ بلکہ زمین ہی اس کے لئے تمام وسائل پیدا کر دے گی۔ اسے اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کیلئے انسانوں کو غلام نہ بنانا پڑے گا۔ بلکہ اپنے آپ کو اللہ کی غلامی میں دینا ہوگا۔ اسے موت کا خوف نہ ہوگا۔ بلکہ وہ خوشی خوشی موت کو قبول کرے گا۔ وہ مرنے کے بعد مردہ نہ ہوگا بلکہ کسی اور سیارے اور ستارے میں منتقل ہو جائے گا۔ اسے دنیا چھوڑنے کا کوئی غم نہ ہوگا چونکہ وہ کائنات کو اپنی دنیا بنانے والا ہوگا۔ وہ دنیا کی

خلافت سے محروم نہ ہوگا۔ بلکہ کائنات کی خلافت کا حق دار ہوگا۔

کیا انسان ان کامیابیوں کو حاصل نہیں کرنا چاہتا؟ اگر چاہتا ہے تو پھر اس کتاب سے دوری کیوں اختیار کرتا ہے۔ اس کتاب کے نزدیک کیوں نہیں آتا۔ ایک دفعہ وہ اسے خلوص دل سے پڑھ تو لے۔ اگر یہ کتاب اسے مطمئن نہ کرسکی پھر تو اسے اعتراض کا حق ہے۔ لیکن اگر انسان اس کو بغیر پڑھے رد کرتا ہے تو ایسا کرنے کا اس کے پاس کیا جواز ہے۔ کیا کتاب کا انکار محض ضد اور ہٹ دھرمی ہے۔ اگر یہ صرف ضد اور ہٹ دھرمی ہے تو ترقی یافتہ انسان کو یہ زیب نہ دیتی ہے، اسے یہ ضد اور ہٹ دھرمی جتنی جلد ہو سکے چھوڑ دینی چاہیے۔ آج سے چودہ سو سال قبل ان پڑھ اور جاہل انسان اس کتاب سے دور بھاگتا تھا۔ آج کے ترقی یافتہ انسان نے بھی اسی طرح کا رویہ اپنا رکھا ہے۔ کیا آج کا ترقی یافتہ انسان اپنے آپ کو ان پڑھ اور جاہل کہلوانا پسند کرے گا۔

یہ کتاب قدیم بھی ہے اور جدید بھی۔ چونکہ اس کتاب کا تعلق کائنات سے ہے جو قدیم بھی ہے اور جدید بھی۔ اس کتاب کا تعلق دنیا سے ہے جو قدیم اور جدید ہے۔ اس کتاب کا تعلق انسان سے ہے جو قدیم بھی اور جدید ہے۔ جس طرح یہ کتاب کائنات، دنیا اور انسان کی قدیم تاریخ کو بیان کرتی ہے۔ اسی طرح یہ جدید کائنات، دنیا اور انسان کے حقائق کو بیان کرتی ہے۔ اس کتاب میں انسان کے تمام جدید مسائل کا حل موجود ہے، چاہے ان مسائل کا تعلق زندگی کے کسی شعبے سے ہو۔ انسان نے خلفائے راشدین کے بعد اس کتاب کو اپنے مسائل کے حل کیلئے استعمال ہی نہ کیا ہے۔ انسان تسلیم کرتا ہے کہ خلفائے راشدین کے زمانے میں انسان اپنے مسائل حل کرنے میں کامیاب ہوا تھا، تو پھر انسان اب اپنے مسائل اس کتاب سے حل کرنے کی کوشش کیوں نہ کرتا ہے۔ ایک دفعہ اسے یہ تجربہ کر کے دیکھ لینا چاہیے۔ اگر وہ خلوص دل کے ساتھ یہ تجربہ کر لے تو انشاء اللہ ضرور کامیاب ہوگا۔ لیکن انسان اس تجربے سے کیوں پہلو تہی کرتا ہے۔ کیا اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ وہ اپنے مسائل حل کرنے میں مخلص نہیں اگر وہ مخلص ہے تو پھر اسے یہ تجربہ ضرور کرنا چاہیے اور اگر وہ

مخلص ہی نہ ہے تو وہ اس کتاب کے نفاذ سے بچنے کیلئے کوئی نہ کوئی بہانہ ضرور بنا لے گا۔ جیسا کہ اس نے یہ بہانا بنا رکھا ہے کہ یہ کتاب انسان کے جدید مسائل کو حل کرنے کے قابل نہ ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جدید انسان ان مسائل کو حل کرنے کے قابل نہ ہے۔ انسان کو ان مسائل کے حل کیلئے وہی قدیم انسان بننا پڑے گا جس انسان کا ذکر اس کتاب میں ہے۔ لیکن آج کا جدید انسان قدیم انسان والا انسان بننا نہ چاہتا ہے۔ چونکہ وہ قدیم انسان بن کر انسانوں کا خادم نہ بن سکتا ہے۔ بلکہ وہ جدید انسان رہ کر انسانوں کا حاکم رہنا چاہتا ہے۔ وہ قدیم انسان بن کر اللہ کا غلام نہ بننا چاہتا ہے۔ بلکہ جدید انسان رہ کر انسانوں کو اپنی غلامی میں رکھنا چاہتا ہے۔

اب دنیا کے انسانوں نے خود ہی فیصلہ کرنا ہے کہ وہ قدیم انسان بن کر اپنے جدید مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں یا جدید انسان بن کر جدید انسان کا غلام رہنا چاہتے ہیں۔ اگر وہ جدید مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں اور جدید انسان کی غلامی سے آزاد ہونا چاہتے ہیں تو انہیں اس قدیم کتاب کو نافذ کر کے وہ قدیم انسان بننا ہوگا جو حقیقت میں حقیقی انسان تھا۔ انسان انسان ہے۔ نہ وہ قدیم ہے نہ جدید۔

اسی طرح یہ اللہ کی کتاب ہے جو نہ قدیم ہے نہ جدید۔ قدیم اور جدید انسان کے ذہن کی ایک اختراع ہے۔ کاش انسان قدیم ااور جدید کے چکر سے نکل کر انسان بن جائے تا کہ وہ اللہ کی کتاب کو اپنی کتاب مان سکے۔ یہ کتاب آج سے چودہ سو سال پہلے انسانوں کیلئے بھی تھی۔ آج کے انسان کیلئے بھی ہے اور قیامت تک کیلئے آنے والے انسانوں کے لئے بھی ہے۔ یہ کتاب بظاہر قدیم ہے لیکن یہ کتاب حقیقت میں نہ قدیم ہے نہ جدید ہے۔ بلکہ ایک کتاب ہے جو زمانے کی قید سے آزاد ہے۔

انسان اس کتاب کو تسلیم کر کے خود بھی زمانے کی قید سے آزاد ہو سکتا ہے۔ اگر انسان زمان کی قید سے ایک دفعہ آزاد ہو گیا تو پھر مکان کی قید سے بھی آزاد ہو جائے گا۔ انسان زمان و مکاں کی قید سے آزاد ہو کر ہی انسان بن سکتا ہے۔ جو کائنات کو تسخیر کرنے کی

صلاحیت رکھتا ہے۔ اگر انسان قدیم اور جدید کے چکر سے ہی نکل سکے تو وہ زمان و مکان کے چکر سے کیسے نکل سکے گا۔ اللہ کی کتاب انسان کو زمان و مکان کے چکر سے نکال کر زمان و مکان کی قید سے آزاد کرا سکتی ہے۔ کاش انسان اللہ کی کتاب کی حقیقت کو سمجھ سکے۔ کاش انسان اس کتاب کو پڑھ اور سمجھ سکے۔ کاش انسان اس کتاب کو اپنا ضابطہ حیات بنا سکے۔ کاش آج کا انسان اللہ کی کتاب والا پسندیدہ انسان بن سکے۔ کاش انسان چلتا پھرتا قرآن بن سکے تاکہ وہ اللہ کا حقیقی بندہ بن کر حقیقی انسان بن سکے۔

قرآن مجید کے معلم اعلیٰ

قرآن مجید اللہ کی تصنیف کردہ کتاب ہے۔ یہ کتاب کائنات کے بارے میں ہے۔ چونکہ کتاب میں ارشاد ہوتا ہے۔ ولا رطب ولا یابس الا فی کتب مبین۔ اس طرح اس کتاب کے بارے میں مکمل معلومات صرف اللہ ہی کے پاس ہیں۔ چونکہ یہ کتاب انسانوں کیلئے تصنیف کی گئی تھی۔ لہٰذا اس کا مکمل علم انسانوں کو دینا ضروری تھا، تاکہ وہ اس کتاب کے مقاصد کو سمجھ کر انہیں حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ یہ کتاب اللہ کے رسول ﷺ پر حضرت جبرائیل امین کے ذریعے نازل کی گئی۔ انہوں نے کتاب کا ایک ایک لفظ اور کتاب کی ایک ایک آیت امانتداری سے اللہ کے رسول ﷺ کے قلب مبارک پر اتار دی۔ چونکہ جبرائیل امین تمام کائنات کا علم نہ رکھے ہوئے تھے، اس طرح وہ کائنات کی مکمل تفسیر سے آگاہ نہ تھے۔ البتہ جو کچھ وہ جانتے تھے انہوں نے وہ اللہ کے رسول ﷺ کو بتا دیا۔ لیکن کتاب کا یہ علم مکمل نہ تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ کو کتاب کا مکمل علم دیا جانا تھا۔ تاکہ وہ کائنات اور اس کی حقیقتوں کے بارے میں شہادت دے سکیں۔ کتاب کا مکمل علم صرف اللہ براہ راست دے سکتا تھا۔ لہٰذا اللہ نے معراج کی شب اپنے رسول اللہ ﷺ کو اپنے پاس آسمان پر بلوایا اور کتاب کا مکمل علم ان کو دے دیا۔ کتاب میں ارشاد ہوتا ہے۔ الرحمن علم القرآن فاوحی علی عبدہ ما اوحی۔ رب العالمین کتاب کا علم دینے والا تھا اور رحمۃ اللعالمین کتاب کا علم لینے والے تھے۔ اس طرح یہ اندازہ نہ لگایا جا سکتا ہے کہ کتاب کا

کتنا علم دیا گیا اور کتنا لیا گیا۔ اگر دینے والے کی رحمت بے کراں ہو اور لینے والے کا عشق اور شوق لامحدود ہو تو پھر اس علم کی حد کا احاطہ کرنا صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ انسان صرف اتنا کہہ سکتا ہے کہ اللہ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو کتاب کا مکمل علم دے دیا۔ کتاب کا علم دراصل کائنات کا علم ہے۔

اس طرح اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے رب سے کائنات کا مکمل علم حاصل کر لیا۔ آسمان پر جانے۔ واپس آنے اور کائنات کا علم حاصل کرنے میں صرف ایک لمحہ یا چند لمحے صرف ہوئے۔ قدیم انسان اس سفر کا تصور نہ کر سکتا تھا۔ لیکن آج کا ترقی یافتہ انسان اس سفر کا بخوبی ادراک کر سکتا ہے۔ چونکہ اس نے خود بھی ایسے سفر کا تصور اپنے ذہن میں بنا رکھا ہے۔ جس جانب وہ بڑی تیزی سے گامزن ہے۔

اگر آج سے چودہ سو سال پہلے والا انسان اس سفر کا انکار کر کے منکرین میں شامل ہو گیا تھا تو پھر آج کا انسان اس کا انکار کر کے کیسے موجد بن سکتا ہے۔ یہ سفر ایک حقیقت ہے جو انسان کو ابھی ایک خواب نظر آتا ہے۔ اگر یہ سفر حقیقت نہ ہوتا تو انسان یہ خواب کیسے دیکھ سکتا تھا اور اسے حقیقت بنانے میں اپنے مادی وسائل کو کیوں بے دریغ ضائع کرتا۔ انسان اپنے دل سے اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے۔ لیکن زبان سے اس کا اظہار نہیں کرتا۔ وہ زبان سے اس کا اظہار اس لئے نہیں کرتا چونکہ اس طرح اسے اللہ کے رسول ﷺ کی رسالت کو تسلیم کر کے اس ضابطہ حیات کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا جو اللہ نے انسان کی ہدایت اور رہنمائی کیلئے بنایا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ صرف اللہ کی مدد سے طے کیا تھا۔ چونکہ آپ ﷺ اللہ کے رسول تھے اور آپ ﷺ کو شاہد بنانا تھا، لہٰذا یہ سفر طے کروایا گیا۔

انسان نہ اللہ کا رسول ہے نہ اللہ کے رسول کا غلام۔ وہ نہ اللہ کو اپنا رب تسلیم کرتا ہے۔ نہ خود کو اس کا بندہ۔ وہ اللہ کی مدد سے یہ سفر بھی طے نہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ صرف سائنس اور ٹیکنالوجی کی بدولت یہ سفر طے کرنا چاہتا ہے۔ تو پھر وہ یہ سفر طے کرنے میں کیسے کامیاب ہو سکتا ہے۔ وہ بے شک چاند تک پہنچ گیا ہے۔ لیکن اسے یہ بخوبی علم ہے کہ کائنات میں چاند کا

کیا مقام ہے اور اس کی کیا حیثیت ہے۔ کائنات چاند سے بہت آگے ہے، اور اس کی انتہا کا علم انسان حاصل نہ کر سکا ہے۔

انسان نے کائنات کا سفر ضرور کرنا ہے۔ انسان نے کائنات کے گوشے گوشے میں جانا ہے۔ انسان نے کائنات کے ہر سیارے اور ستارے میں آباد ہونا ہے۔ انسان نے کائنات کے اس حصے میں بھی جانا ہے جہاں سے وہ اللہ کو ایسے ہی دیکھ سکے گا جیسے وہ زمین سے چاند کو دیکھتا ہے۔ لیکن اس کیلئے اسے کسی راکٹ، چاند گاڑی، ستارہ یا سیارہ گاڑی کی ضرورت نہ ہوگی۔ بلکہ اسے اس صاف اور شفاف قلب کی ضرورت ہوگی جو اللہ کے نور سے منور ہوگا اور جس کے اندر رسالت کا تیل ہوگا۔ یہ قلب ہی وہ طاقتور راکٹ ہوگا جو اسے آن واحد میں زمین سے آسمان پر لے جائے گا اور واپس لے آئے گا اور اسی راکٹ پر سوار ہو کر انسان اپنی موت اور قیامت کے بعد ستاروں اور سیاروں میں آباد ہو جائے گا۔

انسان نے سر دست صرف اللہ کو کائنات کا خالق اور اللہ کے رسول ﷺ کو کائنات کا راز داں تسلیم کر کے اللہ اور رسول کی اطاعت کرنی ہے۔ اگر انسان نے اللہ کو معلم رسول ﷺ اور اللہ کے رسول ﷺ کو معلم انسانیت تسلیم کر لیا تو وہ کائنات کے تمام پوشیدہ رازوں کو جان جائے گا۔ اگر انسان نے اس حقیقت کو تسلیم نہ کیا تو وہ تمام عمر کائنات کے ایک دو سیاروں کی حقیقت سے بھی واقف نہ ہو سکے گا۔ کیا ایک دو سیاروں کے بارے میں کچھ جان لینا کائنات کو جاننے کے مترادف ہو سکتا ہے؟ کیا کائنات اربوں اور کھربوں ستاروں اور سیاروں پر مشتمل نہیں؟ کیا انسان ان سب کے بارے میں کچھ کچھ بھی جان سکے گا؟ کاش انسان حقیقت کو جان کر اس کا اعتراف کر سکے۔

قرآنِ مجید کے معلم (معلم انسانیت)ﷺ

اللہ نے کتاب (کائنات) کا مکمل علم اپنے رسول ﷺ کو دینے کے بعد انہیں ہدایت کی کہ وہ کتاب کا ضروری علم انسانوں تک پہنچا دیں۔ تا کہ وہ دنیا میں ایک کامیاب خوشحال زندگی گزارنے کے بعد آخرت میں جنت حاصل کر سکیں اور دوزخ سے نجات پا سکیں۔

چونکہ دنیا کی زندگی محدود اور عارضی تھی اور آخرت کی زندگی مستقل اور دائمی تھی اس طرح اللہ کے رسول نے انسان کو اس ضابطہ حیات کا مکمل علم دے دیا۔ سب سے پہلے اس ضابطہ حیات کو اپنی ذات پر نافذ کیا۔ اس طرح آپ ﷺ قرآن مجید کے صرف معلم نہ رہے بلکہ مجسم قرآن بن گئے۔ لوگوں نے آپ ﷺ کا موازنہ دوسرے معلموں سے کیا۔ آپ ﷺ کے ضابطہ حیات کا موازنہ دوسرے ضابطوں سے کیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ دوسرے معلم صرف معلم تھے۔ وہ اپنے ضابطوں کے امین نہ تھے۔ ان کی اپنی زندگی ان ضابطوں سے بالکل آزاد تھی۔

ان ضابطوں کا اطلاق ان کی ذات پر نہ ہوتا تھا ان کے دیئے ہوئے ضابطے ظلم اور ناانصافی پر مبنی تھے جو صرف چند انسانوں کے مفادات کے تحفظ کیلئے مرتب کئے گئے تھے، جبکہ اللہ کے رسول ﷺ نہ صرف معلم تھے بلکہ اللہ کے دیئے ہوئے ضابطے کے امین بھی تھے۔ ان کی اپنی زندگی اس ضابطے سے آزاد نہ تھی۔ ان کی ذات پر بھی اس ضابطے کا اطلاق اسی طرح ہوتا تھا جس طرح دوسرے انسانوں پر ہوتا تھا۔ ان کا اپنا کردار بھی اتنا ہی پاک اور صاف تھا جتنا پاک اور صاف کردار وہ لوگوں کا بنانا چاہتے تھے۔ اس ضابطے کی بنیاد انصاف اور مساوات پر تھی۔ یہ ضابطہ تمام انسانوں کے مفاد میں تھا۔ یہ ضابطہ کسی خاص انسان یا گروہ کے نہ مفاد میں تھا نہ خلاف تھا۔ اس طرح جب ظلم اور ناانصافی کی چکی میں پسے ہوئے انسانوں نے ایسے رحیم، مخلص، غمخوار اور مہربان معلم کو دیکھا تو فوراً ان کے شاگرد بن گئے۔ انہوں نے اس ضابطہ حیات (قرآن مجید) کی تعلیم لینا شروع کر دی اور اس کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے کردار کو بھی بدلنا شروع کر دیا جوں جوں وہ اس کی تعلیم حاصل کرتے جاتے ان کے کردار میں نکھار آتا جاتا اور جب انہوں نے اپنی تعلیم مکمل کی وہ بالکل ایک مختلف انسان بن چکے تھے۔ اس معلم کے دشمنوں اور اس ضابطے کے مخالفین نے ان پر ظلم وستم کی انتہا کر دی، لیکن نہ انہوں نے اپنے معلم کو چھوڑا اور نہ ان کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات سے غداری کی۔ اس طرح دنیا میں انسانوں کا ایک مضبوط گروہ بن گیا جو بعد

میں ایک قوم بن گئی۔ قرآن مجید کے یہ معلم چودہ سو سال ہوئے اس دنیا سے جا چکے ہیں، لیکن ان کے پیروکار اربوں کی تعداد میں آج بھی موجود ہیں، لیکن وہ اپنے معلم کی تعلیم بھول گئے ہیں، اسی وجہ سے وہ ایک قوم نہ بن سکے ہیں۔ یہ ضابطہ حیات آج بھی دنیا میں موجود ہے جسے کوئی انسان یہ نہ کہہ سکتا ہے کہ یہ ضابطہ حیات انسان کے مفاد میں نہ ہے۔ تمام انسان کتابی لحاظ سے اس ضابطے کی افادیت کے قائل ہیں لیکن چونکہ یہ ضابطہ دنیا کے کسی حصے میں نافذ نہ ہے اس طرح انسان اس ضابطہ حیات کی برکات سے مستفید نہ ہو سکا ہے۔

جو انسان اس ضابطے کو سچا مانتے ہیں وہ بھی اس ضابطے کو مکمل طور پر اپنی ذات پر نافذ نہ کر سکے ہیں۔ اس ضابطے کو سچا ماننے والے دوسرے ضابطہ حیات کو اپنائے ہوئے ہیں اس طرح انفرادی اور اجتماعی طور پر انسان اس ضابطہ حیات سے مستفید نہ ہو رہا ہے۔ انسان دنیا میں اتنا کھو گیا ہے کہ وہ اپنے تخلیقی مقصد کو بھول گیا ہے۔ انسان نے آخرت کو بھلا دیا ہے۔

انسان نے دنیا کو ہی جنت سمجھ رکھا ہے۔ انسان مرنے سے پہلے ہی ستاروں اور سیاروں پر آباد ہونا چاہتا ہے۔ انسان نے موت کو ہی اپنی زندگی کا خاتمہ قرار دیدیا ہے۔ انسان نے آخرت کا انکار کر دیا ہے۔ انسان نے اپنی اخروی زندگی کا انکار کر دیا ہے۔ اس طرح وہ اس ضابطہ حیات کو اپنانے سے کترا رہا ہے، حالانکہ انسان بخوبی جانتا ہے کہ اس کے یہ نظریات درست نہ ہیں پھر بھی وہ ان کو چھوڑنے پر تیار نہ ہو رہا ہے۔ البتہ جو انسان انسان کے ظلم کا شکار ہو رہے ہیں ان کی آرزو ہے کہ انسان اس ضابطے کو اپنا لے، لیکن ان کی آواز سننے والا کوئی نہ ہے۔ اگر انسان آج انفرادی طور پر ہی اس ضابطہ حیات کو اپنی ذات پر نافذ کر لے تو وہ اپنے آپ کو کسی حد تک انسان کے ظلم و ستم سے بچا سکتا ہے اور اگر انسان اسے اجتماعی طور پر نافذ کر لیں تو وہ دنیا کو جنت نظیر بنا سکتے ہیں۔ وہ نہ صرف دنیا کی خلافت حاصل کر سکتے ہیں بلکہ مرنے کے بعد ستاروں اور سیاروں پر ابدی خوش حال زندگی کو بھی پا سکتے ہیں۔

انسان قرآن مجید کی تعلیم حاصل کر کے مجسم قرآن بن سکتا ہے۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کو معلم انسانیت تسلیم کر کے مجسم معلم انسان بن سکتا ہے۔ اس طرح وہ کائنات کے راز کو جان

سکتا ہے۔ اگر وہ کائنات کے راز کو جان گیا تو پھر اسے تسخیر بھی ضرور کر لے گا۔

اللہ نے کائنات کا راز اپنے رسول ﷺ کو تو بتا دیا ہے۔ انہوں نے یہ راز انسان کو بتا دیا ہے۔ یہ راز ایک مکمل ضابطہ حیات کی شکل میں انسان کے پاس موجود ہے انسان کی کامیابی کا راز اس ضابطے کے نفاذ میں ہے۔ یہ کتنی بد قسمتی کی بات ہے کہ انسان کے پاس نسخہ کیمیا موجود ہے جو اسے ابدی حیات دے سکتا ہے، لیکن انسان پھر بھی مر رہا ہے۔ کیا وہ انسان جس کے پاس زہر کا تریاق ہو کبھی زہر کے اثر سے مر سکتا ہے؟ انسان کے پاس وہ آبِ حیات ہے جو اسے موت سے نہ صرف بچا سکتا ہے بلکہ ابدی خوش حال حیات دے سکتا ہے۔ لیکن انسان اس آب حیات کو پینے سے انکار کر رہا ہے۔ کیا یہ انسان عقلمند ہے؟ اگر ایسا بے وقوف انسان عقلمند ہے تو پھر بے وقوف کون ہے؟ کاش انسان یہ آب حیات جلد پی لے تا کہ وہ خود بھی امر ہو جائے اور دنیا کو بھی امر بنا لے وگرنہ وہ خود بھی مر جائے گا اور دنیا کو بھی تباہ کر دے گا۔ کاش انسان حقیقت شناس ہو جائے۔ کاش انسان دانشمند اور عقلمند ہو جائے۔ کاش انسان قرآن کا قاری بننے کی بجائے مجسم قرآن بن جائے۔ کاش انسان انسانیت کا معلم بن جائے۔

قرآن مجید کے امین

قران مجید تمام الہامی کتابوں کا امین اور محافظ ہے۔ الہامی کتاب زبور دنیا سے ناپید ہو چکی ہے جبکہ توریت اور انجیل میں اس قدر تحریف ہو چکی ہے کہ اصل توریت اور انجیل کو تلاش کرنا ناممکن ہو گیا ہے۔ اس طرح اب صرف قرآن مجید ہی ایک الہامی کتاب انسان کے پاس موجود ہے جو تمام گذشتہ الہامی کتب کی امین اور محافظ ہے۔ یہ کتاب تمام الہامی کتابوں کا مجموعہ اور تفصیل ہے۔

اللہ نے عالم ارواح میں تمام انسانوں کو ایک امانت دی تھی اور تمام انسانوں نے اس امانت کا امین ہونے کا اقرار کیا تھا۔ یہ امانت اللہ کو اپنا رب تسلیم کرنا تھا۔ تمام انسانوں نے اللہ کو اپنا رب تسلیم کیا تھا۔ زمین پر آنے کے بعد اللہ نے اپنے رسولوں اور انبیاء کے ذریعے

اورالہامی کتب کے ذریعے انسان کو اس امانت کا احساس دلوایا اور امانت کا حق ادا کرنے کا حکم دیا۔ خوش نصیب انسانوں نے اللہ کی امانت کا حق ادا کیا۔ اس طرح وہ دنیا میں امین کہلائے۔ انبیاء نے اللہ کی امانت کو انسانوں تک پہنچایا، اس طرح وہ بھی امین کہلائے۔ اللہ نے اپنے آخری مکمل پیغام کو انسان تک اس طرح پہنچایا کہ قرآن مجید لانے والے فرشتے حضرت جبریل بھی امانت دار تھے اور اللہ کے رسول ﷺ جن پر یہ قرآن مجید نازل ہوا وہ بھی بعثت سے قبل امین اور صادق کے القاب سے موسوم تھے۔ اس طرح قرآن مجید جو تمام الہامی کتب کا امین ہے انسان تک من وعن پہنچایا گیا، جو آج تک اپنی اصل حالت میں موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کی اس امانت کو نہ صرف من وعن انسانوں تک پہنچایا بلکہ اس امانت کا حق ادا کر دیا۔ انہوں نے اپنی سیرت سے بھی ثابت کر دیا کہ وہ واقعی اللہ کی اس کتاب کے امین ہیں۔ اگر قرآن مجید اور آپ ﷺ کی سیرت کو باہم یکجا کر کے پڑھا جائے تو دونوں میں کوئی فرق نظر نہ آئے گا، بلکہ آپ ﷺ کی سیرت قرآن مجید کی عملی تفسیر نظر آئے گی۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ کی سیرت کو کتاب میں اسوہ حسنہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور اس کی اطاعت کو ماننے والوں کیلئے لازم قرار دیا گیا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ اور اہل بیت کو قرآن مجید کی اس طرح تعلیم دی کہ وہ نہ صرف قرآن مجید کے امانت دار بن گئے بلکہ ان کی زندگیاں اور سیرتیں آپ ﷺ کی زندگی اور سیرت میں رنگ دی گئیں۔ اس طرح وہ بھی قرآن مجید کے امین بن گئے۔ انہوں نے اس امانت کو آگے انسانوں تک پہنچایا، جن خوش قسمت انسانوں نے اس امانت کو قبول کیا اور اسے اپنی زندگی کا حصہ بنایا اس امانت کو اٹھا رکھا ہے اور اس امانت کا حق ادا کر رہے ہیں وہ مسلمانوں میں امام اور اولیاء اللہ کے نام سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ جو انسان قرآن مجید کا امین بننا چاہے بن سکتا ہے، لیکن اسے پھر امانت کا حق بھی ادا کرنا ہوگا۔ اگر اس نے اس امانت کو قبول کر لیا لیکن اس کا حق ادا نہ کیا تو قرآن مجید

اس کے خلاف اللہ کی عدالت میں گواہ بن جائے گا اور یوں انسان قرآن مجید کو اللہ کی کتاب تسلیم کرنے کے باوجود سزا کا حقدار ٹھہرایا جائے گا۔ اگر انسان اس امانت کا حق ادا کرے گا، تو وہ نہ صرف دنیا میں انسانوں کی امامت حاصل کر لے گا بلکہ اللہ کی عدالت میں قرآن مجید اس کی شفاعت کرے گا۔ جس کی شفاعت کو رد نہ کیا جائے گا۔

تمام مسلمان قرآن مجید کے امین ہیں۔ کتنے اس امانت کا حق ادا کر رہے ہیں اور کتنے امانت میں خیانت کر رہے ہیں کے بارے میں ہر مسلمان بہتر جانتا ہے، لیکن اتنا ضرور ہے کہ قرآن مجید کے امین کیلئے دنیا کی خلافت اور امامت ضروری ہے۔ اگر اس کے پاس دنیا کی خلافت اور امامت ہے تو وہ قرآن مجید کا امین ہے اور اگر وہ اس سے محروم ہے تو وہ امین نہ ہے۔ اسے امین بننے کی کوشش کرنی چاہیئے وگرنہ قرآن مجید اس کے خلاف دلیل ہوگا اور اس کے پاس اس دلیل کا کوئی توڑ نہ ہوگا۔ کاش مسلمان قرآن مجید کا امین بن جائے۔ کاش وہ قاری کے ساتھ ساتھ قرآن بھی بن جائے تا کہ دنیا کی امامت اور خلافت حاصل کر کے آخرت کی خلافت حاصل کر سکے۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب تک مسلمان قرآن مجید کے امین رہے وہ دنیا کے امام بھی رہے۔ کیا انسان اس حقیقت کو جھٹلا سکتا ہے۔ انسان قرآن مجید کو الہامی کتاب تسلیم کر کے اور اللہ کے رسول ﷺ کو آخری رسول تسلیم کر کے خود بھی قرآن مجید کا امین بن سکتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی حکومت اور حکمرانی کو خلافت اور امانت میں تبدیل کر سکتا ہے لہٰذا اسے مسلمانوں کی خلافت اور امامت سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہ ہے۔ قرآن مجید ایک امانت ہے اور تمام انسان اس کے امین بن سکتے ہیں اور تمام امامت اور خلافت بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ رب صرف اللہ ہے۔ اللہ کے آخری رسول صرف حضرت محمد ﷺ ہیں باقی سب انسان اللہ اور رسول ﷺ کے خلیفہ ہیں۔ اس طرح تمام انسان برابر ہیں نہ کوئی بڑا ہے نہ چھوٹا، نہ کوئی آقا ہے نہ غلام اور نہ کوئی حاکم اور نہ محکوم۔ کیا قرآن مجید ایک حقیقت نہیں ہے۔ کیا اللہ کے رسول ﷺ ایک حقیقت نہ ہیں۔ کیا اہل بیت اور صحابہ حقیقت نہ ہیں اور

کیا مسلمان ایک حقیقت نہ ہیں تو پھر انسان ان حقائق کو تسلیم کیوں نہ کرتا ہے۔ کیا انسان کے پاس ان حقائق کو تسلیم نہ کرنے کا کوئی جواز ہے؟ اگر اس کا کوئی جواز نہ ہے تو پھر انسان ترقی یافتہ ہونے کے باوجود کیوں اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر مصر ہے۔ انسان کیوں کھلے دل سے قرآن مجید، اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت، اہل بیت، صحابہ کی سیرت اور اولیاء اللہ کی سیرت کا مطالعہ نہ کرتا ہے۔ وہ مسلمانوں کی تاریخ کا بغیر تعصب کے کیوں مطالعہ نہ کرتا ہے۔ اگر انسان کھلے ذہن سے اور تعصب سے بالا ہو کر یہ مطالعہ کرے تو وہ حقائق کو ضرور تسلیم کرے گا اور اگر وہ ان حقائق کو سمجھ گیا تو پھر کائنات کے دوسرے حقائق کو بھی جان لے گا۔ اس طرح وہ اپنے دنیاوی مسائل کو بھی حل کر لے گا اور اپنی اخروی زندگی کو بھی بہتر بنا سکے گا۔

اگر انسان ان حقائق کو اپنی دنیا کی زندگی میں تسلیم کر لیتا ہے تو پھر اسے دوسری دنیا کے حقائق کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی۔ وہ ابن حوض کوثر سے سیراب ہوگا جو قیامت کے بعد محشر کے دن اللہ کے رسول ﷺ کی تحویل میں ہوگا۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی شفاعت کو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا اور اس جنت میں ابدی خوشحال حیات بھی حاصل کر لے گا، جسے وہ ستاروں اور سیاروں میں تلاش کرتا پھر رہا ہے۔ کاش انسان حقیقت شناس ہو جائے تا کہ وہ رسالت اور کتاب کی حقیقت کو جان سکے۔ کاش انسان سورۃ کوثر کی تفسیر کو سمجھ لے تا کہ وہ قرآن مجید کی حقیقت کو سمجھ سکے۔

سورۃ کوثر آج سے چودہ سو سال پہلے انسان کے لئے ایک چیلنج تھا۔ آج کے انسان کیلئے بھی یہ ایک زبردست چیلنج ہے۔ اگر انسان میں ہمت ہے تو اسے غلط ثابت کر کے دکھا دے۔ اگر وہ اسے غلط ثابت نہ کر سکے تو پھر اس سورۃ کو اللہ کا پیغام سمجھ کر قبول کر لینا چاہئے، تا کہ وہ قرآن مجید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت سے مستفید ہو سکے۔ انسان آج تک اس سورۃ کی حقیقت کا انکار نہ کر سکا ہے تو بھلا اب کیسے کرے گا، جبکہ سائنس اور ٹیکنالوجی نے کائنات کی وسعت کے بارے میں کچھ نہ کچھ اسے ضرور بتا دیا ہے۔ موت نے دنیا کی

حقیقت کو بخوبی واضح کر دیا ہے۔ دنیا کے لاینحل مسائل نے اسے مضطرب کیا ہوا ہے۔ کیا انسان ان تمام حقائق کے ادراک کے باوجود پھر بھی اس حقیقت کا انکار کرے گا۔

کیا انسان کا انکار بے جواز نہیں؟ اگر یہ بے جواز ہے تو انسان اس سے دست کش کیوں نہیں ہو جاتا۔ انسان آزمائے ہوئے نظریات جو غلط ثابت ہو چکے ہیں کو کیوں خیرباد نہ کہتا ہے اور وہ اس نظریہ حیات کو کیوں نہ اپناتا ہے جو درست ثابت ہو چکا ہے اور جس کی صحت سے انکار کی اس کے پاس کوئی وجہ بھی موجود نہ ہے۔ کیا وہ اس نظریئے کو محض اس وجہ سے مسترد کر رہا ہے کہ یہ مسلمانوں کا نظریہ حیات ہے، لیکن اسے جان لینا چاہئے کہ یہ صرف مسلمانوں کا نظریہ حیات نہ ہے بلکہ یہ نظریہ حیات تمام انسانوں کا ہے جسے خالق کائنات نے تجویز کیا ہے۔ مسلمان تو محض اس نظریہ کے امین ہیں۔ تمام انسان اس نظریئے کو اپنا کر اس کے امین بن سکتے ہیں۔

کاش انسان اللہ کے دیئے ہوئے نظریہ حیات کو اپنا نظریہ حیات بنا لے تاکہ وہ تسخیر کائنات کے مشن میں کامیاب ہو سکے۔ سورۃ کوثر کی بقایا آیات کے مطالعہ اور معانی سے خاطر خواہ واقفیت حاصل کرنے کیلئے انسان کی زندگی اور دنیا کی حقیقت سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔ انسان کی زندگی اور دنیا کی حقیقت سے واقفیت کیلئے قیامت کی حقیقت سے واقف ہونا ضروری ہے۔ آئیں اب ہم قیامت کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش کریں۔

کیا قیامت ایک حقیقت ہے

زمین نے اور زمین پر موجود مخلوقات نے ایک دن اجتماعی طور پر تباہ ہونا ہے۔ انسان نے اپنی سائنسی تحقیقات سے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ زمین اور اس کی مخلوقات نے ایک دن ضرور تباہ ہونا ہے۔ وہ اس تباہی کے بارے میں جو مدت بتاتا ہے وہ اربوں سال کی ہے، لیکن جس تیزی کے ساتھ ترقی یافتہ انسان خلائی تحقیقات کو ترقی دے رہا ہے اور کسی زندہ سیارے اور ستارے کی تلاش میں مضطرب ہے وہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ مدت درست نہ ہے، بلکہ یہ اجتماعی تباہی مستقبل قریب میں وقوع پذیر ہونے والی ہے۔ اگر زمین نے

اربوں سال بعد تباہ ہونا ہے تو پھر انسان کو زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہ ہے چونکہ انسان نے جو طرز زندگی اپنا رکھا ہے اور جس طرح کے مہلک ہتھیار بنا رکھے ہیں، اس کے پیش نظر اگر انسان چند صدیوں تک زمین پر زندہ رہ جائے تو یہ بڑی بات ہے۔ جہاں تک انسان کی انفرادی زندگی کا تعلق ہے تو وہ اوسطاً 70/60 سال ہے اس طرح انسان کو زمین کی تباہی کے بارے میں فکر کرنے کا کوئی جواز نہ ہے۔ زمین کے وسائل ہزاروں سال کیلئے کافی ہیں اس طرح اسے اپنے مادی وسائل کیلئے بھی کسی اور سیارے یا ستارے کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود انسان اپنے آپ کو زمین پر محفوظ نہ پاتا ہے اور وہ کسی اور محفوظ سیارے یا ستارے کی طرف ہجرت کرنے کیلئے بے تاب ہے۔ اس پریشانی اور بے تابی کی آخر وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انسان کو یقین ہو گیا ہے کہ زمین کسی بھی وقت مکمل تباہی سے دوچار ہو سکتی ہے۔ انسان اپنے آپ کو اس اچانک تباہی سے بچانا چاہتا ہے لہٰذا وہ زمین کو چھوڑ کر کسی اور سیارے میں منتقل ہونا چاہتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ قیامت نے آنا ہے۔ کب اور کس وقت آنا ہے اس کا صرف خالق کائنات کو علم ہے یا پھر قیامت کی نشانیوں کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کو علم ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے اور قیامت کے درمیان اتنا فاصلہ بتایا ہے جو انسان کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ چونکہ آپ ﷺ اس دنیا سے روپوش ہو چکے ہیں لہٰذا قیامت کسی وقت بھی آ سکتی ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ القیامہ میں قیامت کا ذکر کچھ اس طرح سے کیا گیا ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ﴿۱﴾ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ؕ﴿۲﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ؕ﴿۳﴾ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۚ﴿۵﴾ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ؕ﴿۶﴾ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۙ﴿۷﴾ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۙ﴿۸﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۙ﴿۹﴾ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۚ﴿۱۰﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ؕ﴿۱۱﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ࣙالْمُسْتَقَرُّ ؕ﴿۱۲﴾ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ؕ﴿۱۳﴾ بَلِ الْاِنْسَانُ

عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّ لَوْ اَلْقٰى مَعَاذِیْرَهٗ ﴿۱۵﴾ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ
لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ
قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَ
تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾
وَ وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ كَلَّاۤ اِذَا
بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ ﴿۲۶﴾ وَ قِیْلَ مَنْٚ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّ ظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾
وَ الْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اِلٰى رَبِّكَ یَوْمَىٕذِ اِلْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ (قیامہ)

"نہیں میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور نہیں میں قسم کھاتا ملامت کرنے والے نفس کی۔ کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کر سکیں گے؟ کیوں نہیں؟ ہم تو اس کی انگلیوں کی پور پور تک ٹھیک بنا دینے پر قادر ہیں۔ مگر انسان چاہتا یہ ہے کہ وہ آگے بھی بداعمالیاں کرتا رہے۔ پوچھتا ہے آخر کب تک آنا ہے وہ قیامت کا دن۔ پھر جب دیدے پتھرا جائیں گے اور چاند بے نور ہو جائے گا اور چاند اور سورج ملا کر ایک کر دیئے جائیں گے اس وقت یہی انسان کہے گا کہاں بھاگ کر جاؤں؟ ہرگز نہیں وہاں کوئی جائے پناہ نہ ہو گی۔ اس روز تیرے رب کے سامنے ہی جا کر ٹھہرنا ہو گا۔ اس روز انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا کیا کرایا بتا دیا جائے گا، بلکہ انسان خود ہی اپنے آپ کو جانتا ہے چاہے وہ کتنی ہی معذرتیں پیش کرے۔ ہرگز نہیں اصل بات یہ ہے کہ تم جلدی حاصل ہونے والی چیز (دنیا) سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔ اس روز کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے اور کچھ چہرے اداس ہوں گے اور سمجھ رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ برتاؤ ہونے والا ہے۔ ہرگز نہیں جب جان حلق تک پہنچ جائے گی اور کہا جائے گا کہ ہے کوئی جھاڑ پھونک

کرنے والا اور انسان یہ جان لے گا کہ دنیا سے جدائی کا دن آپہنچا ہے اور پنڈلی سے پنڈلی جڑ جائے گی۔ وہی دن ہوگا تیرے رب کی طرف روانگی کا''۔

دو ناقابل تردید حقیقتیں

1۔ نفس لوامہ

ملامت کرنے والا نفس ہر انسان کے اندر موجود ہوتا ہے۔ یہ نفس انسان کا ضمیر ہوتا ہے۔ یہ نفس انسان کو اچھائی کی ترغیب دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے۔ نفس لوامہ برے سے برے انسان میں بھی موجود ہوتا ہے۔ انسان کوشش کے باوجود نفس لوامہ کو مار نہ سکتا ہے۔ بے شک انسان اسے دبا سکتا ہے اور اس کی آواز کو بند کر سکتا ہے لیکن وہ اسے مکمل طور پر ختم نہ کر سکتا ہے۔ یہ نفس دل کے کسی کونے میں زندہ ضرور رہتا ہے اور انسان کو ملامت کرتا رہتا ہے۔ انسان کوشش کے باوجود اس سے مکمل طور پر جان نہ چھڑا سکتا ہے۔ انسان اسے بار بار مارتا ہے، لیکن یہ پھر زندہ ہو جاتا ہے اور اس وقت بھی زندہ ہوتا ہے جب انسان دنیا والوں کے سامنے مر چکا ہوتا ہے۔

انسان دنیا والوں کے سامنے بے شک فرشتہ انسان ہو، لیکن اپنے ضمیر کے سامنے مجرم ہی ہوتا ہے۔ دنیا والے اسے بے شک معصومیت اور پاکدامنی کے میڈل دیں، لیکن اس کا ضمیر اسے اچھائی اور پاکدامنی کا سرٹیفکیٹ کبھی نہ دیتا ہے۔ وہ دنیا والوں کے سامنے کتنا ہی خوش اور مطمئن شخص ہو لیکن اس کا نفس لوامہ اسے کبھی بھی پریشانی سے آزاد نہ ہونے دیتا ہے۔ وہ اپنے ضمیر سے نجات کیلئے خواب آور گولیاں کھاتا ہے۔ قسم قسم کی رنگین محفلیں سجاتا ہے لیکن جب ہوش میں آکر تنہا ہوتا ہے تو ضمیر اس کی نیند کو غارت اور اس کی خوشیوں کو تباہ کر دیتا ہے۔ اس طرح ضمیر کا مجرم انسان ساری عمر ایک اذیت ناک زندگی گزارنے پر مجبور ہوتا ہے۔ بعض اوقات وہ اپنے ہاتھوں سے ہی اپنی زندگی کو ختم کر کے سکون قلب حاصل کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے لیکن مرنے کے بعد بھی اس کا ضمیر اسے آرام نہ لینے دیتا ہے، بلکہ اسے اس کے انجام سے خوفزدہ کرتا رہتا ہے جو اس کا مقدر بن چکا ہوتا ہے۔

اگر انسان کی دنیا ہی سب کچھ ہوتی اور آخرت کی کوئی حقیقت نہ ہوتی تو نفس لوامہ کے وجود کی انسانی جسم میں ضرورت نہ تھی۔ پھر انسان کے اندر اچھائی اور برائی کا ادراک نہ ہوتا۔ پھر نفس لوامہ اور نفس امارہ کی جنگ نہ ہوتی۔ پھر نفس امارہ اور نفس لوامہ کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ پھر نفس لوامہ کا وجود ہی ختم ہو جاتا۔ لیکن نفس لوامہ جو انسان کا ضمیر ہے ایک حقیقت ہے۔ اس حقیقت سے انسان اگر انکار کرنا چاہے بھی تو نہ کرسکتا ہے۔ جس طرح نفس لوامہ ایک حقیقت ہے اسی طرح قیامت بھی ایک حقیقت ہے۔ جس طرح انسان نفس لوامہ کا انکار نہ کرسکتا ہے اس طرح وہ قیامت کا بھی انکار نہ کرسکتا ہے۔ جس طرح انسان دنیا کا انکار نہ کرسکتا ہے اس طرح وہ آخرت کا بھی انکار نہ کرسکتا ہے۔ کیا انسان نفس لوامہ کا انکار کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں، تو پھر وہ قیامت کا انکار کیسے کرسکتا ہے۔ جیسے انسان اپنے نفس لوامہ کو ہلاک نہ کرسکتا ہے اس طرح وہ قیامت کی حقیقت سے بھی انکار نہ کرسکتا ہے۔ کاش انسان نفس لوامہ کی حقیقت کا اقرار کر کے قیامت کی حقیقت کا اقرار جلد کر لے تا کہ وہ دنیا میں سکون قلب حاصل کر کے آخرت میں پر سکون ابدی زندگی حاصل کر سکے۔

موت

موت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی انسان انکار نہ کرسکتا ہے۔ جب سے انسان اس دنیا میں آیا ہے وہ موت سے دوچار ہے۔ انسان نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں بے پناہ ترقی کی ہے لیکن وہ موت پر قابو نہ پا سکا ہے۔ موت پر قابو پانا تو درکنار انسان بیماری پر بھی مکمل طور پر قابو نہ پا سکا ہے، جو صرف موت کا ایک سبب ہے۔ انسان اگر ایک بیماری پر قابو پا لیتا ہے تو کئی اور بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ انسان عام انسانوں کو کبھی بیماریوں سے نجات دلا سکے گا یا نہیں، لیکن وہ آج تک سپر طاقتوں کے سربراہوں کو بھی مکمل طور پر بیماریوں سے محفوظ نہ کرسکا ہے۔ موت کے دوسرے اسباب سے محفوظ کرنا نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن۔ حفاظت اور سیکورٹی کے اعلیٰ ترین انتظامات کے باوجود اہم ترین شخصیات حادثات اور دہشت گردی کا شکار ہو رہی ہیں۔ آج دنیا کا کوئی بھی انسان موت سے محفوظ

اور مامون نہ ہے۔ انسان کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے طاقتور بادشاہ، بڑے بڑے عظیم سائنسدان، ڈاکٹر اور حکیم موت کے منہ میں جا کر نیست و نابود ہو چکے ہیں۔

اگر یہ دنیا حقیقت ہوتی اور اسے اربوں سال تک آباد رہنا ہوتا تو کم از کم انسان کی عمریں تو طویل ہوتیں تاکہ وہ اس سے پوری طرح مستفید ہو سکتے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان کی اوسط عمر 70/60 سال سے زیادہ نہ ہے۔ جہاں تک کسی انفرادی انسان کی عمر کا تعلق ہے تو کوئی بھی انسان یقینی طور پر کچھ نہ کہہ سکتا ہے کہ فلاں انسان اتنے سال ضرور زندہ رہے گا۔ موت انسان پر ہر وقت مسلط رہتی ہے اور انسان کسی لمحے بھی موت سے دوچار ہو سکتا ہے۔

انسان موت سے بچنے کیلئے طرح طرح کی ترکیبیں اور تدبیریں کرتا ہے لیکن پھر بھی وہ موت سے نجات نہ پا سکا ہے۔ انسان بڑے بڑے محل تعمیر کرتا ہے لیکن موت اسے ان محلوں میں رہنے نہ دیتی ہے۔ وہ دولت، سونے چاندی کے انبار لگاتا ہے مگر موت اسے ان کے استعمال کی مہلت نہیں دیتی۔ وہ بڑے بڑے لشکر تیار کرتا ہے لیکن موت اسے ان کی قیادت کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ وہ بڑے بڑے ملک فتح کرتا ہے مگر موت اسے ان کی بادشاہت اور حکمرانی نہیں کرنے دیتی۔ انسان موت سے بچنے کیلئے بڑے مضبوط قلعے تعمیر کرتا ہے لیکن موت وہاں بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اس کے باوجود انسان موت کی حقیقت کو تسلیم نہیں کرتا۔ حالانکہ موت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہ ہے۔

اگر انسان کی زندگی کی کوئی حقیقت ہوتی تو پھر یہ زندگی موت کے ہاتھوں اتنی مجبور نہ ہوتی۔ موت کا وجود اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان کی زندگی عارضی ہے لیکن انسان جانتا ہے کہ کائنات عارضی نہ ہے۔ انسان یہ بھی جانتا ہے کہ زمین تباہی کی طرف جا رہی ہے۔ انسان یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ زمین کی تباہی کے باوجود کائنات قائم رہے گی۔ انسان کو یہ بھی علم ہے کہ زمین کائنات کا سب سے چھوٹا سیارہ ہے۔ انسان یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ روح

انسان کے جسم سے نکل کر کائنات کے کسی اور مقام پر چلی جاتی ہے۔ انسان یہ بھی جانتا ہے کہ انسان کا جسم گلنے سڑنے کے باوجود تباہ نہ ہوتا ہے۔ اس طرح انسان کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ مرنے کے بعد بھی کوئی زندگی ضرور ہے جس کا ادراک انسان ابھی تک اپنی سائنسی تحقیقات سے نہ کر سکا ہے۔ انسان کو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ زمین کے علاوہ کائنات میں اور بھی بے شمار زمینیں ہیں اور زمینی دنیا کے علاوہ اور بھی بے شمار دنیائیں ہیں جہاں انسان کبھی جا کر آباد ہو سکتا ہے، مگر ابھی تک وہ ان تک رسائی حاصل نہ کر سکا ہے۔ اس طرح موت کی حقیت اس بات کا ثبوت ہے کہ موت کے بعد بھی انسان کی ایک زندگی ہے جو کائنات کے دوسرے سیاروں پر ہوگی اور زمین نے ایک دن تباہ ہونا ہے اور زمین کی یہ تباہی انسان کو دوسرے سیاروں پر منتقل کرنے کا سبب بنے گی۔ انسان موت سے دوچار ہونے کے بعد ہی ابدی حیات پا سکتا ہے۔ اس طرح دنیا کی تباہی کے بعد ہی وہ کائنات کے دوسرے سیاروں پر منتقل ہو سکے گا۔

اگر انسان موت کی حقیقت کو تسلیم کر لے تو وہ قیامت کی حقیقت کو بھی تسلیم کر لے گا۔ اگر انسان موت کی حقیقت کا انکار کرتا ہے پھر بھی وہ موت سے نجات نہ پا سکتا ہے۔ اس طرح اگر وہ قیامت کی حقیقت کا انکار کرتا ہے تو بھی وہ اپنی دنیا کو تباہی سے نہ بچا سکے گا۔ موت بھی ایک حقیقت ہے اور قیامت بھی ایک حقیقت ہے اگر انسان ان دونوں حقیقتوں کو تسلیم کر لیتا ہے تو پھر وہ اپنی دنیاوی اور اخروی دونوں زندگیوں کی اصلاح کر سکتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی دنیاوی زندگی کو خوشحال بنا کر دنیا کو تسخیر کر سکتا ہے اور اپنی اخروی زندگی کو بہتر بنا کر کائنات کے دوسرے سیاروں کو تسخیر کر سکتا ہے۔ کاش انسان موت کو ایک حقیقت تسلیم کر لے تا کہ وہ قیامت کی حقیقت کو تسلیم کرنے کے قابل ہو جائے۔ کیا موت ایک حقیقت نہیں؟ اگر یہ ایک حقیقت ہے تو پھر انسان اسے تسلیم کیوں نہ کر لیتا ہے۔

اگر انسان اس حقیقت کو تسلیم کر لے تو پھر وہ قیامت کی حقیقت کو بڑی آسانی سے تسلیم کر سکتا ہے۔ اگر زندگی کے بعد موت ہو سکتی ہے تو موت کے بعد زندگی کیوں نہیں ہو سکتی۔

اگر زمین پر دنیا ہو سکتی ہے تو آسمانوں پر بے شمار دنیائیں کیوں نہ ہو سکتیں ہیں۔ اگر اس دنیا میں انسان ایک خاص مدت تک زندہ رہ سکتا ہے تو ان دنیاؤں میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے کیوں زندہ نہ رہ سکتا ہے۔ اگر اللہ اس دنیا کو زندہ کر سکتا ہے تو دوسری دنیاؤں کو زندہ کیوں نہ کر سکتا ہے۔ اگر اس دنیا میں اللہ انسان کو آباد کر سکتا ہے تو دوسری دنیاؤں میں کیوں آباد نہ کر سکتا ہے۔ اگر اللہ نطفے اور بیضے سے انسان کو پیدا کر سکتا ہے تو پھر گلی سڑی ہڈیوں سے کیوں دوبارہ زندگی نہ دے سکتا ہے۔ کاش انسان حقیقت کا اقرار کر سکے

انسان حقیقت شناس ہے۔ انسان حقائق کا متلاشی ہے۔ انسان بہترین عقل اور دماغ کا مالک ہے پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ضمیر، موت اور قیامت کی حقیقتوں کا انکار کر رہا ہے۔ آئیں اس انکار کی وجہ کا جائزہ لیں۔

انکار کی وجوہ دنیا سے محبت

انسان اپنی زندگی اپنے بچوں کے مستقبل اور دنیا سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ انسان اپنی زندگی کو خوشحال اور طویل دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ اپنے بچوں کے مستقبل کو محفوظ اور شاندار دیکھنا چاہتا ہے۔ انسان دنیا کے اصول کو بخوبی جانتا ہے کہ ہر عمل کا ایک ردعمل اور ہر کام کا ایک نتیجہ ہوتا ہے۔ وہ دنیا کے وسائل کے حصول کیلئے جتنی زیادہ محنت کرتا ہے اتنے ہی زیادہ وسائل حاصل کر لیتا ہے۔ اس طرح وہ انہی کاموں کو کرتا ہے جن کا صلہ اسے دنیا میں جلد ملنے کی توقع ہوتی ہے۔ وہ ایسے کام نہ کرتا ہے جن کا صلہ دنیا میں دیر سے ملتا ہے یا بالکل ملنے کی امید ہی نہ ہوتی ہے۔ انسان کا ضمیر اسے ایسے کام کرنے سے روکتا ہے جو برے اور غلط ہوں مگر بظاہر یہ کام انسان کی دنیاوی زندگی کیلئے فائدہ مند اور سودمند ہوتے ہیں، لہٰذا انسان اپنے فائدے اور مفاد کیخلاف اپنے ضمیر کی بات ماننے کیلئے تیار نہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس انسان کے اندر موجود نفس امارہ اسے بتاتا ہے کہ دنیا کی زندگی اور خوشحالی ہی سب کچھ ہے، لہٰذا موت سے پہلے پہلے اسے دنیا کے تمام وسائل جمع کر لینے چاہئیں تاکہ وہ ایک خوشحال زندگی گزارنے کے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کی زندگی کو بھی خوشحال بنا سکے۔ وہ انسان

کو یہ بھی بتا تا ہے کہ خوشحالی حاصل کرنا اس کا بنیادی حق ہے اور اس کے حصول کیلئے وہ دوسرے انسانوں کے بنیادی حقوق کو غصب اور پامال کرنے کا بھی حق رکھتا ہے۔ اس طرح انسان دنیا کے وسائل کے حصول کیلئے تمام اخلاقی اور قانونی ضابطوں کو بھول جاتا ہے۔ نفس امارہ اسے بتاتا ہے کہ اخلاقی اور قانونی ضابطوں کی کوئی حقیقت نہ ہے اور یہ ضابطے اس کی دنیاوی ترقی میں رکاوٹ ہیں۔ نفس لوامہ انسان کو اس ضابطوں کا پابند بناتا ہے۔ موت بھی انسان کو ان ضابطوں کا پابند بناتی ہے تاکہ انسانی حقوق کا احترام ہو سکے اور انسان اخروی زندگی کو بہتر بنا سکے۔ اس طرح انسان نفس لوامہ اور موت دونوں سے انکار کر دیتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی کو زیادہ سے زیادہ خوشحال بنا سکے اور اپنے لئے اور اپنے بچوں کیلئے دنیاوی وسائل زیادہ سے زیادہ جمع کر سکے۔

انسان نفس امارہ اور دنیا دونوں کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ وہ نفس امارہ اور دنیا دونوں سے محبت کرنا شروع کر دیتا ہے۔ وہ نفس لوامہ اور اخروی زندگی دونوں سے متنفر ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ دنیا کی محبت میں ایسا گم ہو جاتا ہے کہ وہ ضمیر اور موت کے وجود سے انکار کر دیتا ہے۔ وہ اس طرح خیال کرتا ہے کہ اس نے ضمیر کو ہلاک کر دیا ہے اور موت اسے کبھی نہ آئے گی۔ لیکن نہ وہ ضمیر کے وجود کو فراموش کر سکتا ہے نہ ہی موت کی حقیقت کا انکار کر سکتا ہے۔ اس طرح وہ بظاہر دنیا کی خوشحالی اور خوشی حاصل کر لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ خوشحالی اور خوشی سے وہ کبھی محروم نہ ہو گا، لیکن نہ تو وہ خوش رہ سکتا ہے اور نہ ہی زندگی کی ضمانت حاصل کر سکتا ہے۔ ضمیر اسے تمام عمر ملامت کرتا رہتا ہے اور موت اسے زندگی سے محروم کر دیتی ہے۔ دنیا کی محبت کی وجہ سے وہ ان حقیقتوں کا انکار کرتا ہے، لیکن دنیا انسان سے محبت نہ کرتی ہے۔ وہ انسان کو ایک دن موت کے حوالے کر دیتی ہے۔ انسان دنیا کو حقیقت سمجھتا ہے لیکن وہ ایک سراب ثابت ہوتی ہے۔ لیکن انسان پھر بھی اس سراب کی محبت اپنے دل سے نہ نکال سکتا ہے۔ اس طرح انسان دنیا کی وجہ سے اپنے ضمیر اور اپنی موت دونوں کا منکر ہو جاتا ہے۔ اگر انسان ان دونوں کا انکار دنیا کی وجہ سے کرتا ہے تو پھر

دنیا کو چھوڑ کر آخرت کو کیسے مان سکتا ہے، جسے انسان نے ابھی دیکھا تک نہ ہے۔ اس طرح انسان قیامت کا اقرار کس طرح کر سکتا ہے۔ انسان دنیا کو لافانی سمجھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ یہ ازل سے ہے اور شاید ابد تک رہے گی۔ اگر انسان کی زندگی فانی ہے تو دنیا کیسے لافانی ہو سکتی ہے۔ لیکن انسان دنیا کی محبت میں اتنا محو ہو چکا ہے کہ وہ اپنی فانی زندگی کو لافانی خیال کرتا ہے اور موت کی حقیقت اسے ایک سراب نظر آتی ہے۔ کیا دنیا کی محبت میں اتنا زیادہ مبتلا ہونا ترقی یافتہ انسان کو زیب دیتا ہے کہ وہ اس طرح حقائق کا ہی انکار کر دے۔ انسان بے شک دنیا سے محبت کرے، لیکن اسے موت کی حقیقت، ضمیر کی حقیقت اور دنیا کی حقیقت کو تسلیم کر کے آخرت کی حقیقت کو بھی تسلیم کر لینا چاہئے تا کہ وہ دنیا میں ایک متوازن زندگی گزارنے کے بعد آخرت کی کامیاب زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکے۔ کاش انسان حقیقت پسند ہو جائے۔

بداعمالی کی آزادی

اگر انسان ضمیر، موت اور قیامت کی حقیقت کو تسلیم کر لے تو پھر اسے برے اعمال کی سزا کو بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اسے یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اچھے اور نیک اعمال کا صلہ ہوتا ہے اور برے اور بداعمال کی سزا ہوتی ہے۔ وہ اس بات سے بھی انکار نہیں کر سکتا کہ اعمال کی جزاء اور سزا دنیا میں بھی ملتی ہے اور مرنے کے بعد بھی ملتی رہے گی۔ اسے یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ نیک اور برے اعمال کا تعلق دنیا اور آخرت دونوں سے ہے۔ اسے یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ جزا اور سزا کا تعلق اس دنیا اور اس دنیا دونوں سے ہے۔ اسے یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ موت کے بعد بھی ایک زندگی ہے۔ اسے یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ اس دنیا کے علاوہ ایک اور دنیا بھی ہے جہاں اس سے اس دنیا کی زندگی کا حساب کتاب اللہ نے لینا ہے۔ اسے یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ اپنی اخروی زندگی کو تبھی خوش کن بنا سکتا ہے اگر اس نے دنیا کی زندگی اللہ کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات کے مطابق گزاری ہو۔ اسے یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ اگر اس نے اپنی زندگی اس ضابطہ حیات کے مطابق نہ گزاری تو اسے اللہ کی سزا

سے کوئی نہ بچا سکے گا۔ اسے یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ برے اعمال کی سزا دوزخ اور نیک اعمال کا صلہ جنت ہے۔

اگر انسان ان باتوں کو درست تسلیم کر لے تو پھر وہ کوئی برا کام یا گناہ کا کام نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے ضمیر کی آواز کو دبا نہیں سکتا۔ وہ موت سے بے خوف نہیں ہو سکتا۔ وہ قیامت کا انکار نہیں کر سکتا۔ اس طرح وہ ان باتوں کو مان کر بداعمالی کی آزادی حاصل نہیں کر سکتا۔ لہٰذا وہ اپنی دنیاوی زندگی کو اتنا رنگین اور خوشحال نہیں بنا سکتا جتنا وہ رنگین اور خوشحال بنانا چاہتا ہے۔ لیکن انسان دنیا میں اتنا ڈوب چکا ہوتا ہے کہ وہ ہر طور اپنی زندگی کو زیادہ سے زیادہ رنگین اور زیادہ سے زیادہ خوشحال بنانا چاہتا ہے۔ اس طرح وہ ضمیر، موت اور قیامت کی حقیقت کا ہی انکار کر دیتا ہے تا کہ وہ اپنی بداعمالیوں کیلئے بالکل آزاد ہو جائے۔ وہ اپنے ضمیر کو یہ کہہ کر خاموش کر دیتا ہے کہ جب تمام معاشرہ ہی ایسا ہے تو وہ اکیلا درست ہو کر کیا کرے گا، لہٰذا اسے بھی اپنے آپ کو معاشرے کے رنگ میں رنگ لینا چاہیئے۔ موت کے خوف کو وہ اس طرح دور کر لیتا ہے کہ مرنے کے بعد وہ گل سڑ جاتا ہے لہٰذا بے جان ہڈیوں کو کیسے سزا دی جا سکتی ہے اور اگر یہ سزا ہو گی بھی تو صرف چند ایام کیلئے پھر وہ بھی اللہ کی رحمت سے جنت میں چلا جائے گا۔ اسے یہ بھی یقین ہوتا ہے کہ اس کے رشتے دار، دوست، احباب اسے اس سزا سے بھی بچا لیں گے اور وہ بغیر کسی سزا اور حساب کتاب کے جنت کے باغوں میں جا پہنچے گا۔ اس طرح مختلف حیلوں بہانوں کے ذریعے انسان اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ ضمیر مطمئن ہو چکا ہے حالانکہ ضمیر پوری طرح مطمئن نہ ہوتا ہے، اس کے باوجود وہ سمجھتا ہے کہ اب وہ آزاد ہو چکا ہے جو کرنا ہے کر لے تا کہ وہ اپنی دنیا کو قلیل مدت میں جنت بنا لے۔ اس طرح انسان اپنے ضمیر اور موت کو دھوکہ دے کر دنیا کو جنت بنا لیتا ہے اور جب وہ اس جنت سے مستفید ہونے لگتا ہے تو موت حقیقت بن کر اس کے سامنے آ جاتی ہے اور اسے اس جنت سے زبردستی نکال کر لیجاتی ہے اور اس کا سویا ہوا ضمیر بیدار ہو جاتا ہے اور اسے ایک ایک بداعمالی کی سزا کا احساس دلا کر اس کے جنت کی زندگی

کے نشے کو ختم کر دیتا ہے۔ اس طرح انسان جب دنیا سے روانہ ہوتا ہے تو اس کے پاس پریشانی اور نا امیدی کے سوا کچھ نہ ہوتا ہے یوں وہ اپنے ضمیر اور موت کو دھوکہ دینے کی کوشش میں خود ہی دھوکہ کھا جاتا ہے۔

انسان یہ سب کچھ جانتا اور سمجھتا ہے لیکن پھر بھی وہ اپنے آپ کو اس فریب کے جال سے باہر نہ نکال سکتا ہے۔ وہ دوسرے انسانوں کو اس جال میں پھنسا ہوا دیکھتا ہے۔ ان کے انجام کو بھی دیکھتا ہے لیکن پھر بھی عبرت حاصل نہ کرتا ہے۔ وہ اپنے ضمیر اور اپنی موت کی حقیقت کا تو انکار کرتا ہے لیکن اس فریب، دھوکے اور سراب کو حقیت جانتا ہے۔ وہ اس فریب، دھوکے اور سراب میں بار بار مبتلا ہوتا ہے لیکن پھر بھی اسے اس کی حقیقت کا علم نہ ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انسان چاہتا ہے کہ وہ اپنی بداعمالیوں کیلئے آزاد ہو، چاہے اس کیلئے اسے دنیا کی کتنی ہی حقیقتوں کا انکار کرنا پڑے۔ کیا انسان کا یہ رویہ دانشمندانہ ہے؟ اگر نہیں تو انسان اسے چھوڑ کر ضمیر، موت اور قیامت کی حقیقت کو تسلیم کیوں نہ کر لیتا ہے۔ کاش انسان ان حقائق کو جلد تسلیم کر لے تاکہ وہ اپنی زندگی سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکے۔

آخرت سے انکار

انسان اپنی تاریخ سے آگاہ ہے اربوں انسان اس دنیا میں آئے اب موجود نہ ہیں۔ وہ کہاں گئے۔ وہ بظاہر مر گئے لیکن اس کی روحیں تو نہ مری تھیں آخر وہ کہاں گئیں۔ اگر وہ اسی دنیا میں موجود ہیں تو پھر انسان سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کے باوجود ان کو تلاش کیوں نہ کر سکتا ہے۔ اگر وہ اس دنیا میں موجود نہیں پھر کوئی اور دنیا ضرور موجود ہے جہاں وہ موجود ہیں۔

انسان یہ تسلیم کرتا ہے کہ اس دنیا کے علاوہ بھی کوئی دنیا ضرور موجود ہے اسی وجہ سے وہ اس دنیا کو تلاش کر رہا ہے سیاروں تک انسان کی رسائی کی کوشش اسی تلاش کا حصہ ہے اگر انسان کسی اور دنیا کو تسلیم ہی نہیں کرتا تو پھر وہ اسے چاند اور دوسرے سیاروں میں کیوں تلاش کر رہا ہے۔ یہ تلاش اس بات کا ثبوت ہے کہ آج کا ترقی یافتہ انسان یقین کامل رکھتا ہے کہ

اس دنیا کے علاوہ اور دنیا بھی ہے۔

یہ دنیا کہاں ہے؟ کیسی ہے، انسان کو کچھ علم نہ ہے۔ اللہ چونکہ کائنات کا خالق اور مالک ہے لہٰذا اس نے اپنی الہامی کتاب قرآن مجید اور اپنے آخری رسول ﷺ کے ذریعے انسان کو بتا دیا ہے کہ اس دنیا کے علاوہ ایک اور دنیا ہے جو آخرت کی دنیا ہے۔ اس دنیا کے دو حصے ہیں۔ ایک کا نام جنت اور دوسری کا نام دوزخ ہے۔ یہ دنیا کائنات کے تمام ستاروں، سیاروں اور کہکشاؤں تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس دنیا میں انسان نے موت اور قیامت کے بعد آباد ہونا ہے۔ اس دنیا کا تعلق موجودہ دنیا سے براہ راست اور گہرا ہے۔ انسان اگر موجودہ دنیا میں اپنی زندگی اللہ کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات کے مطابق گزارتا ہے تو وہ دنیا کے اس حصے میں ابدی حیات حاصل کر لیتا ہے جس کا نام جنت ہے، جو موجودہ دنیا سے بہت بڑی اور خوبصورت ہے۔ اگر انسان اپنی زندگی اللہ کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات کے مطابق نہیں گزارتا بلکہ من مانی کرتا ہے تو اسے سزا کے طور پر دنیا کے اس حصے میں ابدی حیات دی جائے گی جو آگ کی دنیا ہے اور جس کا نام دوزخ ہے۔

انسان اگر آخرت کی اس دنیا کو تسلیم کر لیتا ہے تو پھر وہ اللہ کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات کو تسلیم کرنے کا پابند ہو جاتا ہے اس طرح دنیا میں کوئی ایک انسان دوسرے انسان سے برتر اور بہتر نہ ہو سکتا ہے۔ تمام انسان برابر ہو جاتے ہیں۔ انسانوں میں نہ کوئی حاکم ہوتا ہے نہ محکوم، نہ کوئی بادشاہ ہوتا ہے نہ رعایا اور نہ کوئی آقا ہوتا ہے نہ غلام، بلکہ تمام انسان زمین پر اللہ کے خلیفہ اور نائب بن جاتے ہیں۔ اس طرح بادشاہوں، حاکموں، سرداروں کو بھی ایک عام انسان بننا ہوتا ہے۔

دنیا میں انسانوں کے دو طبقے موجود ہیں۔ ایک طبقہ بادشاہوں، حاکموں، سرداروں، سرمایہ داروں اور با اثر انسانوں کا طبقہ ہے جبکہ دوسرا طبقہ رعایا، محکوموں، خدمت گاروں، مزدوروں اور بے کس و مجبور انسانوں کا ہے۔ انسانوں کا پہلا طبقہ با اثر اور طاقتور ہے۔ وہ انسانوں کے درمیان طبقاتی تفاوت قائم رکھنا چاہتا ہے۔ انسانوں کا دوسرا طبقہ اس تفاوت کو

ختم کرنا چاہتا ہے لیکن چونکہ یہ طبقہ کمزور ہے اس طرح کامیاب نہ ہو سکا ہے۔ یہ انسان کا کمزور طبقہ ہی حقیقت میں آخرت پر یقین رکھتا ہے۔ جہاں تک بااثر طبقے کا تعلق ہے وہ آخرت کی دنیا پر یا تو بالکل یقین نہ رکھتا ہے اور اگر رکھتا بھی ہے تو یہ ہی سمجھتا ہے کہ آخرت میں وہی جنت کے حقدار ہوں گے۔ بااثر طبقہ آخرت کے بارے میں جو رائے رکھتا ہے بے اثر طبقہ بعض اوقات ان کی رائے سے متاثر ہو کر وہی رائے اختیار کر لیتا ہے۔ اس طرح انسانوں کی اکثریت آخرت کی حقیقت کو اس طرح تسلیم نہیں کرتی جیسی کہ وہ ہے۔

اس طرح انسان آخرت کی دنیا کی حقیقت کو تسلیم نہ کرتا ہے۔ چونکہ آخرت کی دنیا آنکھوں سے اوجھل ہے۔ جب انسان نفس لوامہ کی حقیقت اور موت کی حقیقت جو موجودہ دنیا کی حقیقتیں ہیں کو تسلیم نہیں کرتا۔ تو وہ آخرت کی حقیقت کو بھلا کیسے تسلیم کرے گا۔ اگر انسان آخرت کی حقیقت کو تسلیم کر لے تو پھر وہ نفس لوامہ، موت اور قیامت کی حقیقت سے کیسے انکار کر سکتا ہے۔ اگر بااثر انسان آخرت کی حقیقت کو تسلیم کر لیں تو وہ انسانوں کو اپنا محکوم اور غلام نہیں بنا سکتے اور اگر محکوم اور غلام انسان آخرت کی حقیقت کو تسلیم کر لیں تو وہ محکوم اور غلام نہیں رہ سکتے۔ بااثر انسان انسانوں کو اپنا غلام رکھنا چاہتے ہیں۔ اس طرح وہ محکوم اور غلام انسانوں کو آخرت کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہونے دیتے، البتہ جو انسان آخرت کی حقیقت سے واقف ہو جاتے ہیں وہ نہ خود محکوم اور غلام رہتے ہیں اور نہ ہی انسان کو اپنا محکوم اور غلام بناتے ہیں۔ لیکن ایسے انسانوں کی تعداد دنیا میں بہت کم ہے۔

اگر انسان آخرت کی دنیا کی حقیقت کو جان جائے تو وہ نفس لوامہ، موت اور قیامت کی حقیقتوں کو جان کر اپنی اصلاح کر لے گا۔ اس طرح وہ اس دنیا اور اس (آخرت) دنیا دونوں میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس طرح انسان آخرت کو تسلیم کر کے اپنی دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کی دنیا کے اس حصے کو بھی تسخیر کر سکتا ہے جس کا نام جنت ہے۔ کیا انسان دنیا کو جنت نہیں بنانا چاہتا؟ کیا انسان جنت کا وارث نہیں بننا چاہتا؟ تو پھر وہ آخرت کا انکار کیوں کرتا ہے وہ اس حقیقت کو تسلیم کیوں نہیں کر لیتا۔

موت کے مناظر

انسان ہر لمحے موت کے مناظر دیکھتا ہے۔ وہ بچوں، بوڑھوں، جوانوں، مردوں اور عورتوں کو اپنی نظروں کے سامنے مرتے دیکھتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ کچھ انسان طبعی موت مرتے ہیں اور کچھ انسانوں کو غیر طبعی موت سے سابقہ پڑتا ہے۔ کچھ انسان انفرادی طور پر مرتے ہیں اور کچھ اجتماعی طور پر موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ کچھ انسان انسانوں کے ہاتھوں موت کا شکار ہوتے ہیں اور کچھ حادثات اور قدرتی آفات کا شکار ہوتے ہیں۔ بادشاہوں سے لے کر فقراء تک سب موت کا لقمہ بنتے ہیں۔

انسان موت کے بعد کے مناظر بھی ہر روز اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ موت کے بعد وہ انسان کے بے بس اور مجبور لاشے کو دیکھتا ہے۔ انسان بڑے بڑے محل، سونے چاندی کے ڈھیر اور بڑے بڑے بنک بیلنس ہونے کے باوجود عام کپڑے کے کفن میں ملبوس ہوتا ہے۔ اس کی ننھی سی قبر ویران اور غیر آباد قبرستان میں تیار کی جاتی ہے۔ اس کے اپنے بچے اسے زیادہ دیر تک اپنے گھر میں رکھنا پسند نہیں کرتے۔ انسان کا مال متاع، اولاد، عزیز و رشتے دار اور خدمت گار سب اسے چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ اسے محلوں، کوٹھیوں اور بنگلوں سے نکال کر ویران قبرستان میں لیجاتے ہیں اور اسے زمین کے اندر دفن کر دیتے ہیں۔ اس کی اولاد اس کی جائیداد کی مالک بن جاتی ہے۔ ادھر وہ قبر میں گل سڑ رہا ہوتا ہے، ادھر اس کی اولاد اس کی جائیداد کو فضول برباد کر رہی ہوتی ہے۔

انسان یہ جان جاتا ہے کہ کل اس کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک ہونا ہے، لیکن وہ ان مناظر سے کوئی سبق حاصل نہ کرتا ہے نہ عبرت پکڑتا ہے۔ وہ دنیا کے مال و متاع کے حصول میں اس طرح گم ہو جاتا ہے کہ موت اسے یاد ہی نہ آتی ہے۔ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے کبھی مرنا ہی نہ ہے اور اگر مرنا ہے تو ہزار سال بعد۔ وہ نہ اپنی موت کو یاد کرتا ہے اور نہ ہی کبھی اپنی قبر کے بارے میں سوچتا ہے۔ وہ اپنی قبر کی زندگی کے بارے میں بالکل غور و فکر نہ کرتا ہے۔ وہ یہ جاننے کی کوشش نہ کرتا ہے کہ قبر کا قیام کتنے عرصے کا ہوگا۔ قبر میں اس کی

زندگی کی کیا نوعیت ہوگی۔ دنیا کی زندگی کا قبر کی زندگی سے کیا تعلق اور واسطہ ہے۔ قبر کی زندگی کو کس طرح خوشگوار بنایا جا سکتا ہے۔ قبر کی اذیت ناک زندگی سے کس طرح بچا جا سکتا ہے۔ وہ یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتا کہ اسے کس طرح دنیا کی زندگی گزارنی چاہئے تاکہ قبر کی زندگی پرسکون اور پرلطف ہو سکے۔ وہ کیا کیا کام ہیں جن کے کرنے سے قبر کی زندگی پرسکون ہو سکتی ہے اور کون سے کام ہیں جن کے اجتناب سے قبر کی وحشت اور آلام سے بچا جا سکتا ہے۔ وہ کونسا مال و متاع ہے جو قبر میں بھی اس کے ساتھ جا سکتا ہے وہ کونسی جائیداد ہے جو اسے قبر میں فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ وہ کون سے ساتھی، دوست اور رشتے دار ہیں جو قبر میں بھی اس کے ساتھی بن سکتے ہیں اور وہ کونسی اولاد ہے جو اسے قبر میں بھی فائدہ دے سکتی ہے۔

انسان یہ جانتا ہے کہ انسان کی روح زندہ رہتی ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ انسان کا جسم فنا نہ ہوتا ہے۔ انسان یہ بھی جانتا ہے کہ قبر کی زندگی کے بعد بھی ایک زندگی ہے مگر وہ اس زندگی کے بارے میں غور و فکر نہ کرتا ہے۔ اسے علم ہے کہ اس زندگی کا آغاز قیامت کے بعد ہونا ہے۔ اسے یہ بھی علم ہے کہ اسے دنیا کے حساب کتاب کیلئے اللہ کی عدالت میں حاضر ہونا ہے جہاں انصاف ہونا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ کے فیصلے میں کوئی مداخلت نہ کر سکتا ہے اسے یہ بھی علم ہے کہ اس کے اپنے اعضاء نے اس کیخلاف گواہی دینی ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اسے اللہ کے سامنے غلط بیانی کرنے اور جھوٹ بولنے کی ہمت اور طاقت نہ ہوگی۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ کی عدالت سے جو فیصلہ ہوگا وہ اٹل ہوگا اور اسے اس کے مطابق جنت یا دوزخ میں جانا ہوگا۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ دوزخ اور جنت کی زندگی ابدی ہے۔

مگر یہ سب کچھ جاننے کے باوجود انسان اپنی دنیا کی زندگی میں وہ مال و متاع اور وسائل جمع کرنے اور ذخیرہ کرنے کی کوشش نہیں کرتا جو اسے ان مشکل مراحل سے گزرنے میں مددگار ثابت ہو سکیں۔ انسان غالباً یہ سمجھتا ہے کہ یہ سب مراحل خود بخود طے ہو جائیں گے۔ اس کا یہ خیال ہے کہ اس سے دنیا کی زندگی کے بارے میں کوئی باز پرس نہ ہوگی اور اسے بغیر حساب کتاب کے جنت کی ابدی زندگی کا پروانہ دیدیا جائے گا۔ وہ شاید سمجھتا ہے کہ

جنت مال غنیمت ہے جو اسے مفت مل جائے گی۔ کیا اسے علم نہیں کہ دنیا کی ایک حقیر شے کیلئے وہ دن رات محنت کرتا ہے اور جان مارتا ہے تب جا کر اسے حاصل کر سکتا ہے تو کیا جنت جو نعمتوں کا خزانہ ہے، وہ بغیر کسی محنت اور مشقت کے حاصل کر لے گا۔ یہ درست ہے کہ اسے جنت میں جانے کے بعد کوئی محنت اور مشقت نہیں کرنی پڑے گی، لیکن اسے حاصل کرنے کیلئے اسے جہاد اکبر کرنا ہوگا۔ یہ جہاد اس کی تمام زندگی پر محیط ہوگا۔

انسان کو ان سب باتوں کا علم ہے مگر اس کے باوجود وہ حقیقت کا انکار کرتا ہے۔ وہ ان مشکل مرحلوں سے گزرنے کے آسان اور خود ساختہ راستے بنا لیتا ہے اور ان کے سہارے اور بھروسے پر اپنی زندگی فضول اور بیکار گزار دیتا ہے، لیکن جب اسے موت نظر آتی ہے تو وہ ندامت کا اظہار کرتا ہے مگر بے سود، موت اسے اپنی آغوش میں لے کر قبر کے حوالے کر دیتی ہے۔ قبر اسے اذیت ناک زندگی گزارنے پر مجبور کرتی ہے۔ قیامت کے بعد محشر کے دن قبر اسے زندہ سلامت اللہ کی عدالت میں پیش کر دے گی اور یوں انسان اللہ کی عدالت میں ایک مجرم کی حیثیت سے پیش کر دیا جائے گا۔ وہاں انسان کو اس کی زندگی کی فلم دکھائی جائیگی وہ اس فلم کو تبدیل کرنے کیلئے اللہ سے دنیا کی ایک اور زندگی مانگے گا۔ مگر انسان کو علم ہونا چاہئے کہ دنیا کی زندگی صرف ایک دفعہ ہی انسان کو ملتی ہے۔ جس طرح کی وہ چاہے اپنی زندگی کی فلم تیار کر سکتا ہے۔ اس کی موت کے بعد اس فلم کو محفوظ کر لیا جائے گا اور پھر انسان اس فلم کے مناظر اپنی آنکھوں سے قبر کے اندر اور اللہ کی عدالت میں دیکھے گا۔ وہ اس فلم کو بدلنا چاہے گا مگر بدل نہ سکے گا۔ آج انسان آزاد ہے، جس طرح کی چاہے اپنی فلم تیار کرے، لیکن اسے یہ فلم ہر حال میں دیکھنی ہوگی اور اسی فلم کی بناء پر اس کی قسمت کا فیصلہ ہوگا جسے وہ تبدیل نہ کر سکے گا۔ کاش انسان اپنی فلم ایسی تیار کر لے کہ وہ اللہ کے سامنے نمائش کے قابل ہو اور وہ انسانوں کو یہ فلم فخر سے دکھا سکے۔

انسان موت کے نظاروں کو دیکھ کر مغموم ہوتا ہے حالانکہ اسے متفکر ہونا چاہئے۔ وہ ان نظاروں کو دیکھ کر آنسو بہاتا ہے۔ حالانکہ اسے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہونا چاہئے۔ وہ اپنے

بھائی کو قبر میں دفن کرنے کے بعد مطمئن ہو جاتا ہے، حالانکہ اسے پریشان ہونا چاہیئے۔ وہ اپنے بھائی کی قبر کی زیارت نہیں کرتا حالانکہ وہ اس کی ملاقات کا منتظر ہوتا ہے۔ وہ قبور کی زیارت کے بعد مطمئن ہو جاتا ہے، حالانکہ اسے اپنی موت کی تیاری کرنی چاہیئے۔ انسان موت سے بے گانہ ہو جاتا ہے، حالانکہ موت اس کے نزدیک ہوتی ہے۔ انسان اپنے بھائی کو قبر میں چھوڑ کر محل، کوٹھی اور بنگلے میں آ جاتا ہے۔ حالانکہ اس کا بھائی اور قبر اسے اپنے پاس بلا رہے ہوتے ہیں۔ وہ دنیا میں کھو جاتا ہے حالانکہ موت اس کے اندر غوطہ لگانے کیلئے تیار کھڑی ہوتی ہے۔ انسان موت کو بھلا دیتا ہے لیکن موت انسان کو کبھی نہیں بھولتی۔ انسان آخرت کا انکار کرتا ہے لیکن موت آخرت کی پیغامبر بن کر اس کے پاس آتی ہے اور اس کے انکار کو اقرار میں بدل دیتی ہے۔ کیا انسان موت کے بعد بھی آخرت کا انکار کر سکے گا؟ اگر موت ایک حقیقت ہے تو آخرت کیوں ایک حقیقت نہ ہے۔ کیا انسان کے پاس اس حقیقت سے انکار کا جواز ہے؟ اگر اس کا کوئی جواز نہیں تو پھر انسان اس حقیقت کو تسلیم کیوں نہ کر لیتا ہے تاکہ انسان حقیقت شناس بن جائے۔ آج کا ترقی یافتہ انسان حقیقت شناس ہے تو پھر وہ اخرت کا انکار کیوں کرتا ہے۔ کیا اس کے انکار سے آخرت کا وجود ختم ہو جائے گا؟ کیا انسان آخرت کے وجود کو ختم کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

موت کے مناظر تو انسان دیکھتا رہتا ہے۔ اگر وہ قیامت کے مناظر کو اپنے تصور کی آنکھ سے دیکھنا چاہتا ہے تو وہ قرآن مجید کی تین سورتوں اذا الشمس کورت، اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انشقت کا مطالعہ بغور کرے۔ وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے علم سے ان سورتوں کے مضامین اور حقائق کو بخوبی سمجھ سکے گا۔ اگر یہ درست ہے کہ شمسی نظام اس تباہی کی طرف گامزن ہے جن کی نشاندہی ان سورتوں میں کی گئی ہے تو پھر آج کے ترقی یافتہ انسان کے پاس قیامت کو تسلیم نہ کرنے کا کیا جواز ہے۔

اگر انسان کے پاس اس حقیقت سے انکار کا جواز نہ ہے تو پھر اسے آخرت کی حقیقت کو بھی تسلیم کر لینا چاہیئے چونکہ ہو سکتا ہے کہ آخرت کی حقیقت کے ادراک میں سائنس اور

ٹیکنالوجی اس کی کچھ زیادہ مدد نہ کر سکے، چونکہ جہاں سائنس اور ٹیکنالوجی کی حد ختم ہوتی ہے وہاں سے آخرت کی دنیا کا آغاز ہوتا ہے۔ اگر انسان آغاز تک نہیں پہنچ سکتا تو انتہا تک کیسے پہنچے گا۔ اس طرح انسان آخرت کی دنیا کو سائنس اور ٹیکنالوجی کی مدد سے صرف محسوس کر سکتا ہے دیکھ نہ سکتا ہے۔ وہ اس دنیا میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی مدد سے منتقل نہ ہو سکتا ہے بلکہ موت اور قیامت کے بعد خود بخود منتقل ہو جائے گا۔ قیامت ایک حقیقت ہے جسے انسان کو تسلیم کر لینا چاہئے وگرنہ اسے پچھتانا پڑے گا۔

قیامت کب آنی ہے

قیامت صغریٰ

موت قیامت صغریٰ ہے۔ ہر انسان کی موت کا ایک وقت مقرر ہے، لیکن انسان کو اس کا علم نہ ہے۔ انسان پیدائش کے فوراً بعد مر سکتا ہے۔ بچپن میں فوت ہو سکتا ہے۔ نوجوانی میں مر سکتا ہے اور بڑھاپے میں پہنچ کر فوت ہو سکتا ہے۔ کوئی نجومی، ڈاکٹر یا حکیم کسی انسان کے بارے میں حتمی رائے نہ دے سکتا ہے کہ وہ اتنے سال ضرور زندہ رہے گا۔ اگر بالفرض کوئی نجومی، ڈاکٹر یا حکیم انسان کو بتلا بھی دے کہ وہ اتنے عرصے تک زندہ رہے گا پھر بھی انسان موت سے محفوظ نہ ہو سکتا ہے۔ اسے ہر وقت موت کا خوف رہتا ہے چونکہ موت کسی نجومی، ڈاکٹر یا حکیم کی رائے کی پابند نہ ہے۔

موت کے بعد انسان کا تعلق اس دنیا سے ختم ہو جاتا ہے۔ انسان اس دنیا کی نظر میں مردہ ہو جاتا ہے اور دنیا انسان کی نظر میں مردہ ہو جاتی ہے۔ دنیا کے انسان مرنے والے کو مردہ نعش خیال کرتے ہیں اور مرا ہوا انسان زندہ انسانوں کو مردہ سمجھتا ہے۔ اس طرح یہ آباد دنیا مرنے والے کیلئے غیر آباد اور ویران ہو جاتی ہے اور زندہ انسان اس کی نظر میں مردہ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح مرنے کے بعد انسان سمجھتا ہے کہ شاید قیامت آ گئی ہے اور دنیا تباہ ہو گئی ہے۔ انسان کے مرنے کے بعد دنیا آباد رہتی ہے لیکن انسان اس حقیقت کو تسلیم نہیں

کرتا چونکہ وہ ایک دوسری دنیا میں جا چکا ہوتا ہے جہاں سے یہ دنیا اسے ایک سراب کی طرح نظر آتی ہے۔ مرنے کے بعد وہ اس دنیا سے واقف ہو جاتا ہے جسے وہ دنیا میں ایک سراب خیال کرتا تھا۔ اس طرح انسان موت کے ساتھ ہی قیامت کو بھی دیکھ لیتا ہے۔

چونکہ انسان پر موت ہر وقت مسلط رہتی ہے، اس طرح انسان کسی وقت بھی قیامت سے دوچار ہو سکتا ہے۔ اس طرح اس مال و متاع، جائیداد اور اولاد کی حقیقت اس کے سامنے بے معنی ہو جاتی ہے، جن کیلئے وہ اپنی تمام عمر جدوجہد کرتا رہتا ہے، اگر اس نے یہ جدوجہد اللہ کے بتائے ہوئے ضابطے کے تحت کی ہوتی ہے تو وہ دوسری دنیا میں بھی اس سے مستفید ہوتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔ اگر اس نے یہ جدوجہد اللہ کے مقرر کردہ ضابطے کے خلاف کی ہوتی ہے تو دوسری دنیا میں اسے دکھ اور پریشانی سے دوچار ہونا پڑتا ہے اس طرح وہ افسردہ اور مغموم ہو جاتا ہے۔ وہ دوسری دنیا میں چونکہ جا چکا ہوتا ہے اور پہلی دنیا اس کی نظر میں قیامت کی وجہ سے تباہ و برباد ہو چکی ہوتی ہے اس طرح وہ ایک مغموم اور افسردہ زندگی گزارنے پر بھی مجبور ہو جاتا ہے۔

انسان ہر روز مرتا اور زندہ ہوتا ہے۔ انسان جب رات کو سوتا ہے تو مردہ ہی ہوتا ہے۔ وہ دنیا سے بے خبر ہوتا ہے۔ صرف سانس کا آنا جانا اس کی زندگی کا ثبوت ہوتا ہے۔ وہ نیند میں وہ کچھ دیکھتا ہے جو دنیا میں نہ دیکھتا ہے۔ صبح کو جب بیدار ہوتا ہے تو پھر اپنے آپ کو اسی دنیا میں موجود پاتا ہے۔ یہ سونا اور جاگنا انسان کو مرنے کے بعد زندہ ہونے کا سبق دیتا ہے لیکن انسان اس سے عبرت حاصل نہ کرتا ہے۔ انسان روز مرتا ہے اور زندہ ہوتا ہے پھر بھی وہ قیامت کو دور خیال کرتا ہے حالانکہ قیامت اس کے قریب ہوتی ہے۔ اگر وہ ایک رات سونے کے بعد بیدار نہ ہو سکے تو کیا یہ لمحہ قیامت سے کم ہوگا۔ اگر قیامت انسان کے اتنی زیادہ قریب ہے تو پھر وہ اسے دور کیسے قرار دے سکتا ہے۔ کیا انسان موت سے کسی لمحے محفوظ ہے اگر نہیں تو پھر قیامت سے وہ کیسے محفوظ ہو سکتا ہے۔ انسان موت کو قیامت صغریٰ کا نام دیتا ہے حالانکہ مرنے والے کیلئے یہ قیامت کبریٰ سے کسی طرح کم نہ ہوتی ہے۔ مرنے والا

انسان قیامت کو صرف ایک دفعہ ہی دیکھ سکتا ہے۔ اگر وہ قیامت کبریٰ تک زندہ رہا تو اسے دیکھ لے گا اور اگر موت نے اسے یہ مہلت نہ دی تو وہ موت کے ساتھ ہی قیامت کبریٰ کو دیکھ لے گا۔ اب انسان نے خود ہی فیصلہ کرنا ہے کہ قیامت قریب ہے یا دور اور اگر یہ قریب ہے تو پھر انسان نے اس کی بربادی سے اپنے آپ کو بچانے کیلئے کیا انتظام کیا ہے اور اگر اس نے اپنے بچاؤ کیلئے کوئی انتظام نہ کیا ہے تو پھر کب کرے گا اور اگر انسان بغیر کسی حفاظتی انتظام کے قیامت سے دوچار ہو گیا تو پھر وہ دوسری دنیا میں کیا کرے گا۔ دوسری دنیا ایک حقیقت ہے جہاں انسان نے ہمیشہ کیلئے زندہ رہنا ہے۔ اگر انسان اس زندگی کا کوئی انتظام نہ کر سکا تو پھر وہ یہ زندگی کیسے گزارے گا۔ اگر انسان عارضی زندگی بغیر کسی خاطر خواہ انتظام کے نہ گزار سکتا ہے تو پھر ابدی زندگی کیسے گزار سکے گا۔ کاش انسان یہ سوچ سکے۔

قیامت کبریٰ

انسانوں نے ایک دن اجتماعی طور پر تباہ ہونا ہے۔ زمین نے بھی ایک دن تباہ ہونا ہے۔ قیامت کبریٰ نے کب آنا ہے، کے بارے میں کسی کو علم نہ ہے۔ البتہ اللہ نے اپنی الہامی کتاب میں بتا دیا ہے کہ قیامت بہت قریب آ چکی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے قیامت کی چند نشانیاں بتائیں ہیں اگر ان پر غور و خوض کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قیامت واقعی بہت نزدیک آ چکی ہے اور انسان اس سے بالکل بے خبر ہے۔ قیامت کی نشانیوں کے جائزے سے پہلے ایک حدیث شریف کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ قیامت کتنی نزدیک آ چکی ہے۔

ترمذی، ابو سعید خدری: میں عیش و آرام اور بیفکری کی زندگی کیسے گزار سکتا ہوں جبکہ حال یہ ہے کہ اسرافیل صور منہ میں لئے، کان لگائے، پیشانی جھکائے انتظار کر رہے ہیں کہ کب حکم ہوتا ہے صور پھونکنے کا۔

لوگوں نے پوچھا پھر ہم کیا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا پڑھتے رہو (حسبنا اللہ یعنی ہمیں صرف اللہ کافی ہے وہ ہی ہمارا کارساز ہے۔

یعنی صرف اللہ کے توکل اور بھروسے پر زندگی گزارتے رہو۔

قیامت کی نشانیاں

جنسی بے راہ روی

باندی اپنی مالکہ کو جنم دے گی۔ یہ نشانی پوری ہو چکی ہے۔

مادیت پرستی

برہنہ، ننگے پاؤں اور مفلس چرواہے اونچے اونچے مکان بنا کر اترائیں گے۔ یہ نشانی بھی پوری ہو چکی ہے۔

فسق و فجور کا دور دورہ

جب فسق و فجور عام ہو جائے گا تو تمام انسان ہلاک ہو جائیں گے حالانکہ ان میں نیک لوگ بھی موجود ہوں گے۔ یہ نشانی تیزی سے پوری ہو رہی ہے۔

قتل و خونریزی کا عام ہو جانا

قیامت قائم نہ ہو گی جب تک مرج عام نہ ہو جائے گا۔ یہ نشانی بھی تیزی سے پوری ہو رہی ہے۔

بلاوجہ اور بے مقصد قتل و غارت

لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ قاتل نہیں سمجھے گا کہ میں نے کیوں قتل کیا اور مقتول نہیں جانے گا کہ مجھے کیوں قتل کیا گیا۔ یہ نشانی بھی سچ ثابت ہو رہی ہے۔

دھواں: زمین اور فضا میں دھوئیں کا پھیل جانا۔ یہ نشانی بھی سچ ثابت ہو رہی ہے۔ اوزون کی تہہ کا کمزور ہو کر پھٹ جانا اور فضاء کا آلودہ ہو جانا (ماحول کی آلودگی)

جزیرہ عرب میں لڑائی

تم جزیرہ عرب میں لڑو گے اللہ تمہارے ہاتھوں اسے فتح کرے گا۔ پھر فارس سے لڑو گے اسے بھی فتح کرائے گا۔ پھر روم سے لڑو گے وہاں بھی اللہ فتح دے گا۔ اس کے بعد

دجال سے لڑو گے وہاں بھی اللہ فتح دے گا۔

سوائے دجال کے ساتھ جنگ کے باقی تمام نشانیاں سچ ثابت ہو چکی ہیں۔

حجاز سے آگ کا نکلنا

قیامت قائم ہونے سے قبل ایک آگ سرزمین حجاز سے ایسی نکلے گی جس سے بصرہ کے اونٹوں کی گردنیں چمک جائیں گی۔ یہ نشانی بھی خلیج کی جنگ میں پوری ہوتی نظر آ رہی ہے۔

مشرق سے فتنے کا نکلنا

آپ ﷺ نے مشرق کی جانب اشارہ کر کے تین بار ارشاد فرمایا۔

ہوشیار ہو جائے فتنہ ادھر سے ہو گا جہاں سے شیطان کا سینگ نکلتا ہے۔ (بھارت اسرائیل گھٹ جوڑ اس طرف ایک واضح نشانی ہے)

مسلمانوں اور کافروں میں گھمسان کی لڑائی

مسلمانوں کی کافروں سے ایک تباہ کن جنگ ہو گی جس میں سو میں سے ننانوے مسلمان شہید ہوں گے۔ جنگ اتنی شدید ہو گی کہ پرندے ادھر سے گزریں گے تو مر کر نیچے گر جائیں گے۔ خلیج کے حالات اس جانب تیزی سے بڑھ رہے ہیں جو اس تباہ کن جنگ کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس جنگ میں ایٹم بم بھی استعمال ہو سکتے ہیں۔

فرات سے سونے کے پہاڑ کا برآمد ہونا

عنقریب فرات سے سونے کا ایک پہاڑ برآمد ہو گا۔ لوگ جب سنیں گے تو اس طرح آئیں گے۔ پہاڑ کے پاس والے کہیں گے کہ اگر ہم نے انہیں یوں ہی لینے دیا تو وہ سب لے جائیں گے۔ اس قول کا نتیجہ یہ ہو گا کہ باہم کشت و خون ہو گا اور ہر ایک سو میں سے ننانوے آدمی مارے جائیں گے۔

خلیج میں تیل سونے کا ایک پہاڑ ہے جس کی وجہ سے خلیج کی ایک لڑائی ہو چکی ہے۔ یہ تیل جنگ عظیم کا سبب بن سکتا ہے۔ حالات تیزی سے اس جانب بڑھ رہے ہیں۔ یہ جنگ ایٹمی جنگ بھی ہو سکتی ہے۔

مسلمانوں کی یہودیوں سے لڑائی

قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ مسلمانوں کی یہودیوں سے لڑائی نہ ہو جائے۔ مسلمان یہود کو قتل کریں گے یہاں تک کہ یہودی پتھر یا درخت کی آڑ میں چھپیں گے، مگر وہ درخت یا پتھر کہے گا۔ اے اللہ کے بندے میرے پیچھے یہ یہودی ہے اسے قتل کردے۔ ہاں درخت مرقد نہ کہے گا چونکہ یہ شجر یہود ہے۔

مسلمانوں کی محدود حد تک جنگ اسرائیل کے ساتھ شروع ہے اور یہ کسی وقت بھی خوف ناک صورتحال پیدا کرسکتی ہے اور یوں یہ جنگ قیامت کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہے۔

لات وعزیٰ کی پرستش

رات دن ختم ہونے سے قبل لات وعزیٰ کی پرستش شروع ہو جائیگی۔ یہ نشانی بھی سچ ثابت ہو رہی ہے۔ موحد دن بدن دنیا میں کم ہو رہے ہیں اور شرک دن بدن زیادہ ہو رہا ہے۔

کعبہ شریف کو گرایا جائے گا

کعبہ شریف کو دو چھوٹی پنڈلیوں والا حبشی گرائے گا۔ مسلمانوں کے مرکز کو ختم کرنے کیلئے کفار یہ سازش تیار کر رہے ہیں، لیکن انہیں جان لینا چاہئے کہ اگر کعبہ شریف کو انہوں نے گرانے کی کوشش کی تو پھر وہ اپنے محلوں کو بھی گرانے اور تباہ ہونے سے نہ بچا سکیں گے۔ قیامت انہیں تباہ و برباد کردے گی۔

ان نشانیوں کو دیکھ کر انسان اندازہ لگا سکتا ہے کہ قیامت کتنی نزدیک آچکی ہے۔ انسان کو اپنی زندگی کا بالکل کوئی بھروسہ نہ ہے۔ دنیا چند سالوں یا صدیوں کی مہمان ہے اس طرح انسان اس زندگی کو بھلا کیسے بھلا سکتا ہے جو ابدی ہے۔ انسان اس دنیا سے کیسے بے رغبتی برت سکتا ہے جو کائنات میں پھیلی ہوئی ہے اور جو ازل سے ہے اور ابد تک رہنے والی ہے۔ اس طرح انسان اپنی قلیل زندگی کو ابدی زندگی پر اور حقیر دنیا کو عظیم دنیا پر کیسے قربان کرسکتا ہے۔ انسان ابدی حیات اور کائنات کو تسخیر کرنے کیلئے اللہ کے ضابطہ حیات کو بڑی آسانی سے اپنا سکتا ہے۔ انسان اگر یہ فیصلہ کرتا ہے تو اس کا فیصلہ حقیقت پر مبنی ہوگا اور دانشمندانہ ہو

گا۔ اگر ان حقائق کو جاننے کے بعد کوئی دوسرا فیصلہ کرتا ہے تو وہ اسے کبھی بھی حقیقت پسندانہ اور دانشمندانہ فیصلہ قرار نہ دے سکتا ہے۔ اگر اس کے باوجود وہ اپنے فیصلے کو ترک نہیں کرتا تو انسان اپنے آپ کو عقلمند اور دانشمند کیسے کہہ سکتا ہے۔ وہ کیسے مہذب اور ترقی یافتہ انسان کہلا سکتا ہے۔ وہ کس طرح اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کر سکتا ہے کہ وہ کائنات کو تسخیر کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ حقائق کا منکر انسان انسان کہلانے کا حقدار نہیں۔ وہ اللہ کا نائب اور خلیفہ کیسے بن سکتا ہے۔ انسان ابھی زندہ ہے۔ دنیا ابھی تک قائم ہے۔ انسان کو چاہئے کہ وہ ان ناقابل تردید حقائق کا اعتراف کرلے تا کہ وہ اپنے آپ کو تسخیر کرلے۔ دوسرے انسانوں کو تسخیر کرلے۔ دنیا کو تسخیر کرلے اور پھر موت اور قیامت کو تسخیر کرنے کے بعد کائنات میں موجود اس جنت کو تسخیر کرلے جو اس کے خوابوں کی دنیا سے بھی وسیع و عریض اور خوبصورت ہے۔ انسان تسخیر کائنات کا خواہشمند ہے۔ انسان اپنے اس خواب کی تعبیر دیکھ سکتا ہے۔ آئیں اب ہم دیکھیں کہ انسان اپنے خواب کو کیسے حقیقت بنا سکتا ہے۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ

اللہ کے رسول ﷺ کو دنیا کی بادشاہی اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئیں جنہیں اپنے اللہ کی رفاقت پر قربان کر دیا۔ اہل بیت، صحابہ، صالحین اور اولیاء اللہ نے بھی دنیا کو آخرت پر قربان کر دیا۔ اس طرح انسان کو بھی صرف اللہ کی اطاعت کرنی ہوگی۔ اسے اللہ کے رسول ﷺ کو اللہ کا رسول ﷺ ماننا ہوگا۔ اسے کلمہ طیبہ پڑھ کر اس کے تقاضوں کو پورا کرنا ہوگا۔ اسے اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنا ہوگی۔ اسے کتاب و سنت کو اپنا ضابطہ حیات بنانا ہوگا۔ اسے نیکی اور برائی میں تمیز کرنی ہوگی۔ اسے اپنی زندگی کتاب و سنت کے مطابق گزارنی ہوگی۔ اسے نیک کام کرنے ہوں گے اور برے کاموں سے بچنا ہوگا۔ اسے نیک کاموں کو پھیلانا ہوگا اور برے کاموں کو مٹانا ہوگا۔ اسے اللہ، اللہ کے رسول ﷺ، اہل بیت، صحابہ، صالحین اور اولیاء اللہ سے محبت کرنی ہوگی اور شیاطین اور اس کے چیلوں سے نفرت کرنی ہوگی۔ اسے اللہ، رسول ﷺ، اہل بیت، صحابہ، صالحین

اور اولیاء اللہ کو اپنا دوست سمجھ کر ان سے محبت کر کے ان کی اطاعت کرنی ہوگی۔ اسے شیطان اور اس کے حواریوں کو اپنا دشمن سمجھ کر ان سے نفرت کرنی ہوگی۔ اور ان کے خلاف جہاد کرنا ہوگا۔ اسے اپنی جان مال اور اولاد اللہ کی راہ میں قربان کرنی ہوگی۔ اسے نفس امارہ کو شکست دینی ہوگی اور نفس لوامہ کو اجاگر کر کے نفس مطمعنہ حاصل کرنا ہوگا۔ اسے اپنے نفس کے خلاف جہاد اکبر کرنا ہوگا۔ اسے برائی کے خلاف جہاد کرنا ہوگا۔ اسے اپنی چند سالہ زندگی ابدی زندگی پر قربان کرنی ہوگی۔ اسے یہ اپنی چھوٹی سی عارضی دنیا اس جنت کیلئے قربان کرنی ہوگی جو وسیع و عریض اور ابدی ہے۔ اسے اپنی زندگی کو آخرت پر قربان کرنا ہوگا۔ اسے اپنی دنیا کو کائنات کیلئے قربان کرنا ہوگا۔

اگر انسان نے اس طرح اللہ کی عبادت کر لی تو پھر وہ امر ہو جائے گا۔ اللہ کی طرح۔ اللہ کے رسول کی طرح۔ اہل بیت کی طرح، صحابہ کی طرح، صالحین کی طرح اور اولیاء اللہ کی طرح۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ

اللہ کے رسول ﷺ، آپ کی اہل بیت، صحابہ، صالحین اور اولیاء اللہ سب نے حیات جاوداں حاصل کر رکھی ہے۔ انسان ایسی حیات حاصل کر لے گا کہ اس کے دشمن اسے مار نہ سکیں گے۔ شیطان اور اس کے حواری انسان کو اپنی طاقت کے باوجود تباہ نہ کر سکیں گے۔ شیطان تو شیطان موت بھی انسان کو مار نہ سکے گی۔ انسان مرنے کے باوجود زندہ ہوگا۔ وہ اس دنیا میں بھی زندہ ہوگا اور اس دنیا میں بھی زندہ ہوگا۔ قیامت اس کی دنیا کو تباہ نہ کر سکے گی۔ قیامت کے بعد اسے ایک ایسی دنیا ملے گی کہ وہ اس دنیا کو بھول جائے گا۔

کیا اللہ کے رسول ﷺ آج تک زندہ نہ ہیں؟ کیا آپ ﷺ کی اہل بیت آج تک زندہ نہ ہے؟ کیا آپ کے صحابہ آج تک زندہ نہ ہیں؟ کیا آپ کی امت آج تک زندہ نہ ہے؟ کیا صالحین زندہ نہ ہیں؟ کیا اولیاء اللہ زندہ نہ ہیں؟ حالانکہ بظاہر وہ دنیا میں موجود نہ ہیں۔ انسان یہ زندگی حاصل کر سکتا ہے۔ انسان مرنے کے بعد بلکہ قیامت کے بعد بھی زندہ

رہ سکتا ہے۔ انسان دنیا کو تسخیر کرنے کے بعد کائنات کو بھی تسخیر کر سکتا ہے۔ انسان اگر کلمہ طیبہ پڑھ کر سورۃ اخلاص اور سورۃ کوثر کی حقیقتوں کو تسلیم کر لے اور اپنی زندگی کتاب وسنت کے مطابق گزارے تو وہ یہ ابدی زندگی حاصل کر کے تسخیر کائنات کے مشن کو پورا کر سکتا ہے۔

تسخیر کائنات کا مشن انسان نے مرحلہ وار طے کرنا ہے۔ سب سے پہلے انسان نے اپنے اندر کی کائنات کو تسخیر کرنا ہے۔ انسان نے نفس امارہ کو شکست دیکر اور نفس لوامہ کو تقویت دیکر نفس مطمعنہ کو تسخیر کرنا ہے۔ دنیا میں چلتے پھرتے اربوں انسان اس دنیا کے سیارے اور ستارے ہیں۔ انسان نے محبت، شفقت، مہربانی اور قربانی کے ذریعے ان سیاروں اور ستاروں کو تسخیر کرنا ہے۔ زمین پر موجود دیگر مخلوقات کو بھی انسان نے اپنے بہتر طرز عمل سے تسخیر کرنا ہے۔ اگر انسان ان سب کو تسخیر کرنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ موت کو تسخیر کر لے گا۔ وہ اچھے اعمال سے موت کی بعد کی زندگی کو تسخیر کر لے گا۔ اس طرح قیامت اس کی دنیا کو تباہ نہ کر سکے گی بلکہ وہ ایک اور دنیا میں چلا جائے گا جو ستاروں اور سیاروں سے بھی آگے ہے۔ اس طرح وہ قیامت کو تسخیر کرنے کے بعد کائنات کو تسخیر کر لے گا۔ انسان نے کلمہ طیب پڑھ کر تسخیر کائنات کی چابی حاصل کر لی ہے۔ یہ چابی ہر انسان نے حاصل کرنی ہے چونکہ ہر انسان نے اپنی کائنات کو خود ہی تسخیر کرنا ہے کوئی دوسرا اسے اس کی کائنات تسخیر کر کے نہ دے گا۔

اب آئیں ہم دیکھیں کہ تسخیر کائنات کیلئے انسان کے پاس کون سے وسائل ہونے ضروری ہیں۔ انسان اگر ان وسائل کو حاصل نہ کرے گا تو وہ محض کنجی سے کائنات کو تسخیر نہ کر سکے گا۔ ہر انسان نے اپنے اپنے وسائل جمع کرنے ہیں چونکہ انسان صرف اپنے وسائل کو ہی کام میں لا سکے گا۔ کسی دوسرے انسان کے وسائل سے فائدہ نہ اٹھا سکے گا۔ ان وسائل میں صرف چند حقائق ہیں جنہیں انسان کو تسلیم کرنا ہو گا بقایا وسائل انسان نے اپنے عمل محنت اور جدوجہد سے حاصل کرنے ہوں گے۔

آئیں ہم ان وسائل کا جائزہ لیں:

تسخیر کائنات کے وسائل، حقائق

1۔ اللہ کو رب تسلیم کر کے اس کی مکمل اطاعت کرنا، تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

2۔ اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا رسول تسلیم کر کے ان کی مکمل اطاعت کرنا۔ کچھ تفصیل بیان ہو چکی ہے بقایا پیش کی جاتی ہے

1۔ حضرت محمد ﷺ کو صرف اللہ کا رسول تسلیم کرنا

تمام انبیاء کی طرح حضرت محمد ﷺ انسان ہیں۔ وہ بطور انسان دنیا میں تشریف لائے اور انہوں نے اپنی رسالت کے فرائض انجام دیئے۔ نبوت کے اعلان کے بعد ماننے والوں نے ان کو اللہ کا رسول تسلیم کیا۔ آپ ﷺ دنیا سے روپوش ہونے تک اللہ کے رسول رہے۔ دنیا سے جانے کے بعد بھی آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ قیامت تک آپ اللہ کے رسول رہینگے۔ قیامت کے بعد ابد تک آپ اللہ کے رسول رہینگے۔ اس طرح آپ ﷺ ازل سے اللہ کے رسول ہیں اور ابد تک رسالت کے عہدہ پر فائز رہیں گے۔

دنیا کا یہ دستور ہے کہ جو انسان جس عہدہ پر فائز ہوا سے اس کے عہدہ ہی کی نسبت سے پکارا جاتا ہے۔ جب تک وہ اس عہدہ پر موجود رہتا ہے وہ اسی نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ اگر کوئی صدر ہو تو لوگ اسے صدر کے نام سے ہی پکارتے ہیں چاہے اس کا باپ ایک عام انسان ہو اور اس کا خاندان معاشرے میں کوئی خاص مقام نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح وزیر اعظم کو وزیر اعظم کے نام سے ہی پکارا جاتا ہے۔ گورنر، وزیر اعلیٰ، وزراء، جج اور انتظامی افسران سب اپنے عہدوں سے ہی جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ ان کو ان کے ناموں، باپوں کے ناموں یا خاندانوں سے پکارنا پروٹوکول کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ کوئی سائنسدان، انجینئر، ڈاکٹر یا اور ماہر عام انسان کی طرح پکارا جانا پسند نہ کرتا ہے۔ اگر انسان عام انسانوں کے پروٹوکول کو ضروری سمجھتا ہے اور اس کی پابندی لازمی خیال کرتا ہے تو پھر اللہ کے رسول ﷺ کے پروٹوکول کا لحاظ کیوں نہ کرتا ہے۔ وہ کیوں انہیں عام انسان اور بشر کے نام سے پکارنے پر بضد ہے۔ کیا وہ اللہ کی کتاب کا مطالعہ نہ کرتا ہے۔ اللہ خود اپنے

رسول ﷺ کو ان کے نام تک سے نہ پکارتا ہے بلکہ بہترین القاب سے پکارتا ہے۔ کبھی یٰسین، یاایھاالمزمل کبھی یاایھا المدثر کبھی کسی اور کبھی کسی القاب سے یاد کرتا ہے۔ اللہ اپنی کتاب میں مسلمانوں کو منع کرتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو عام انسانوں کی طرح نہ پکارو وگرنہ تمہارے سب اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں خبر تک نہ ہوگی۔ اللہ اپنی کتاب میں یہ ارشاد فرما کر وما محمدا ابا احد امن الرجالکھم ولکن رسول اللہ وخاتم النبین فیصلہ کر دیا ہے کہ حضرت محمد صرف اور صرف اللہ کے رسول ہیں جو نبوت کو ختم کرنے والے ہیں۔ صحابہ کرام ہمیشہ آپ ﷺ کو اللہ کا رسول کہہ کر پکارتے تھے۔ انہوں نے کبھی آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے نام سے نہ پکارا تھا نہ ہی انہوں نے کبھی آپ ﷺ کو بشر کہہ کر پکارا تھا۔

رسالت کے منکر آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے نام سے پکارتے تھے۔ وہ آپ ﷺ کو ایک عام انسان خیال کرتے تھے اور آپ ﷺ کو بشر کہہ کر آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے تھے۔ کیا آپ ﷺ کی رسالت کو تسلیم کرنے والوں نے کفار جیسا رویہ اختیار نہ کر رکھا ہے؟ کیا ایسے رویے کا کوئی جواز ہے، اگر اس کا کوئی جواز نہ ہے تو پھر وہ اسے تبدیل کیوں نہیں کر لیتے۔ کیا اللہ کے رسول ﷺ نے کبھی نعوذ باللہ فرمایا ہے کہ وہ اللہ کے بندے نہ ہیں۔ کیا اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو اپنا بندہ تسلیم نہ کیا ہے۔ اگر خالق کائنات آپ ﷺ کو اپنا بندہ تسلیم کرتے ہوئے آپ ﷺ کا احترام کرتا ہے تو پھر عام انسان کے پاس احترام نہ کرنے کا کیا جواز ہے۔

کیا رسالت کو ماننے والے اس طرح کی بے ادبی کے مرتکب ہو سکتے ہیں، جس بے ادبی کے مرتکب کفار ہوتے رہے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ کاش رسالت کو تسلیم کرنے والے رسول ﷺ کا احترام کر سکیں وگرنہ اعمال کے ضائع ہونے کا احتمال ہے۔ کیا مسلمان بلاوجہ اپنے نیک اعمال کو ضائع ہونے دیں گے؟ ہرگز نہیں۔

2۔ یہ تسلیم کرنا کہ کائنات کا علم صرف اللہ اور اللہ کے رسول کو ہے

انسان جتنے بھی علوم حاصل کر لے اور جتنی بھی ترقی کر لے پھر بھی اس کا علم قلیل ہی رہتا ہے۔ اللہ کا علم لامحدود ہے۔ جب کہ اللہ کے رسول ﷺ کا علم محدود ہے لیکن یہ محدود علم عام انسان کے علم کے مقابلے میں لامحدود ہے۔ اگر انسان کا علم ایک قطرے کے برابر ہے تو اللہ کے رسول ﷺ کا علم سمندر ہے۔ صحابہ اکرام اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے علم کو تسلیم کرتے تھے۔ اور ہر بات پر ان کا یہ عرض کرنا ان کی عادت تھی "واللہ ورسولہ اعلمہ" جس چیز کا علم ان کو دیا جاتا تھا وہ اس پر یقین کر لیتے تھے اور کوئی سوال و جواب نہ کرتے تھے۔

آج بھی انسان یہ تسلیم کر کے مکمل اطاعت کا ثبوت دے سکتا ہے۔ اگر انسان اپنے علم کو بہتر اور برتر قرار دیتا ہے تو پھر اس کا اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان مکمل نہ ہے۔ مکمل ایمان لانے کے بعد ہی وہ اس علم سے فیضیاب ہو سکتا ہے۔ انسان اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے علم کو کامل علم تسلیم کر کے اس علم سے زیادہ مستفید ہو سکتا ہے وگرنہ وہ اس علم سے محروم رہے گا۔

3۔ اللہ کے رسول کو خاتم النبیین تسلیم کرنا

انسان اللہ کے رسول ﷺ کو اللہ کا آخری رسول تسلیم کر کے ہی رسالت سے پوری طرح مستفید ہو سکتا ہے۔ اگر انسان اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے تو پھر کوئی جھوٹا اور کذاب انسان نبی بن کر اسے دھوکہ دے سکتا ہے اور گمراہ کر سکتا ہے۔

اگر انسان اس حقیقت کو تسلیم کر لے تو کوئی جھوٹا اور کذاب انسان نہ اسے دھوکہ دے سکتا ہے نہ گمراہ کر سکتا ہے۔ اس طرح انسان اپنی منزل کو پا سکتا ہے۔

4۔ اللہ اور رسول ﷺ کو حاکم اعلیٰ اور منصف اعلیٰ تسلیم کرنا

کتاب وسنت میں جن امور کے بارے میں فیصلہ ہو چکا ہے، ان کے بارے میں کوئی

سوال و جواب نہ ہوسکتا ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ کے ماننے والوں کو ان فیصلوں کو من وعن تسلیم کرنا ہوتا ہے۔ اگر کسی انسان کی رائے ان فیصلوں کے خلاف ہو تو انسان اس رائے کو مسترد کرنے کا پابند ہے۔ اگر انسان ان فیصلوں کیخلاف کسی اور رائے کو درست تسلیم کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کو اپنا رب اور حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا رسول ﷺ تسلیم نہ کرتا ہے۔ جن امور کا فیصلہ کتاب وسنت میں موجود نہ ہے انسان ان امور کو کتاب و سنت کی روشنی میں قیاس اور اجتہاد سے حل کرسکتا ہے۔

کتاب وسنت کو سپریم قانون کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ دنیا کے تمام آئین اور قانون اس سپریم قانون کے پابند ہوتے ہیں۔ اگر انسان کا کوئی آئین اور قانون کتاب وسنت کے خلاف ہو تو وہ کالعدم ہوتا ہے اور اس کی کوئی قانونی حیثیت نہ ہوتی ہے۔ کتاب وسنت کا اطلاق تمام انسانوں پر یکساں ہوتا ہے اور کوئی انسان اس سے بالا نہ ہوسکتا ہے۔ اس طرح انسان کتاب وسنت کو سپریم قانون تسلیم کر کے اللہ اور رسول ﷺ کو حاکم اعلیٰ اور منصف اعلیٰ تسلیم کرلیتا ہے۔

اگر انسان اللہ اور رسول ﷺ کو حاکم اعلیٰ اور منصف اعلیٰ تسلیم نہ کرے تو وہ ماننے والوں کی صف میں شامل نہیں ہوسکتا۔ ایسا انسان بے شک اپنے آپ کو ماننے والا کہے لیکن اللہ اور رسول ﷺ کی نظر میں وہ ماننے والا نہ ہوسکتا ہے۔ ماننے والا وہ ہوتا ہے جو اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ اور رسول ﷺ کی تحویل میں دے دیتا ہے اور ان کا مطیع ہو کر ان کا مکمل غلام بن جاتا ہے۔ غلامی کو تسلیم کر لینے کے بعد انسان آزاد نہ رہ سکتا ہے۔ اگر انسان آزاد رہنا چاہتا ہے تو پھر اسے کلمہ طیبہ کا اقرار سوچ سمجھ کر کرنا چاہیئے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ انسان کلمہ طیبہ کا اقرار بھی کرے اور آزاد بھی رہے۔ لہٰذا انسان کو سوچ سمجھ کر کلمہ طیبہ کا اقرار کرنا چاہیئے اور اگر وہ اس کا ایک دفعہ اقرار کر لیتا ہے پھر اپنے آپ کو اللہ کا اور اللہ کے رسول ﷺ کا غلام سمجھنا چاہیئے اور اسی غلامی میں اپنی تمام زندگی گزار دینی چاہیئے۔ اگر انسان نے کسی وقت اس غلامی سے آزاد ہونے کی کوشش کی اور اپنے آپ کو آزاد کرلیا تو اس

کا اقرار انکار میں بدل جائے گا۔ اس طرح اس کی عمر کا تمام جمع شدہ سرمایہ ضائع ہو جائے گا۔ اس طرح وہ دنیا میں بڑے بڑے نیک کاموں کو محشر کے دن بے وزن پائے گا۔ اگر انسان اپنے سرمایہ کو وزنی بنانا چاہتا ہے اور ان سے اپنے آپ کو پوری طرح مستفید کرنا چاہتا ہے تو اسے کلمہ طیبہ کے اقرار کے بعد اللہ اور رسول ﷺ کو حاکم اعلیٰ اور منصف اعلیٰ تسلیم کر کے اپنی آزادی سے اور انسان کی غلامی سے اپنے آپ کو آزاد کرانا ہوگا۔ اگر انسان نے اللہ اور رسول کی غلامی کو مستحکم کر لیا اور اپنے آپ کو انسان کی غلامی سے آزاد کر لیا تو وہ کلمہ طیبہ کے اقرار کا مزہ چکھ لے گا ورنہ کلمہ پڑھنے کے باوجود وہ اس کی لذت سے محروم ہی رہے گا۔ کاش انسان کلمہ طیبہ کا مزہ چکھ لے۔

5۔ تمام رسولوں اور الہامی کتابوں کو تسلیم کرنا

جب سے انسان زمین پر آیا ہے اللہ نے اس کی ہدایت اور رہنمائی کیلئے وقتاً فوقتاً نبی اور رسول بھیجے ہیں جن میں سے کچھ کو صحیفے اور کچھ کو الہامی کتابیں عطا کی گئیں تھیں۔ اس طرح دنیا میں تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار یا اس سے کم و بیش پیغمبر دنیا میں تشریف لائے اور چلے گئے۔ ان سب کو برحق پیغمبر اور رسول تسلیم کرنا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں ان پیغمبروں اور رسولوں میں سے کچھ کا ذکر ہے۔ کچھ پیغمبروں اور رسولوں کا تذکرہ تاریخ انسانی میں مذکور ہے اور اکثریت کا ذکر کسی جگہ بھی محفوظ نہ ہے۔ بحرحال ان سب کو تسلیم کرنا رسالت کو تسلیم کرنے کیلئے ضروری ہے۔ انسان ماضی میں بھی رسالت کا محتاج تھا اور اب بھی ہے۔ اس طرح انسان کو ماضی کے پیغمبروں اور رسولوں کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت قیامت تک کرنا پڑے گی۔ اگر انسان ان پیغمبروں اور رسولوں میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے تو وہ ماننے والا نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید کے علاوہ تمام الہامی کتب دنیا سے اپنی اصلی حالت میں ناپید ہو چکی ہیں، لیکن ان کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ توریت، زبور، انجیل سب الہامی کتب ہیں۔ اس وقت دنیا میں صرف ایک الہامی کتاب قرآن مجید موجود ہے جو قیامت تک محفوظ رہے گی۔ اس

کتاب کو نہ صرف الہامی کتاب تسلیم کرنا ضروری ہے بلکہ اس کے ایک ایک حرف اور ایک ایک لفظ کو الہامی ماننا ضروری ہے۔ انسان اس کتاب کی اطاعت کا پابند ہے۔ اس کتاب کا ایک ایک مضمون الہامی ہے۔ اس کتاب کا ایک ایک امر الہامی ہے۔ اس کتاب کی ایک ایک نہی الہامی ہے۔ اس طرح انسان اس کے تمام مضامین، تمام معروف اور تمام منکرات کو تسلیم کرنے کا پابند ہے۔ اگر انسان اس کے کسی ایک مضمون، کسی ایک معروف اور کسی ایک منکر انکار کرتا ہے تو وہ تمام کتاب کا منکر ہو جاتا ہے۔ اگر انسان اس کتاب کے برخلاف کسی نظریئے، رائے، معروف یا منکر کو درست تسلیم کرتا ہے تو وہ اس کتاب کا انکار کرنے والا بن جاتا ہے۔

اس کتاب کا پڑھنا، سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ہر انسان کیلئے ضروری ہے۔ جس طرح ہوا، پانی اور خوراک انسان کے جسم کی زندگی کیلئے ضروری ہے، اسی طرح اس کتاب کی تلاوت اور اطاعت روح کی نشوونما اور زندگی کیلئے ضروری ہے۔ انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے۔ اگر وہ اپنے جسم کو زندہ رکھنے کی کوشش کرتا ہے تو پھر وہ اپنی روح کو بھی زندہ رکھنے کا پابند ہے۔ اگر انسان نے اپنی روح کو زندہ رکھنے کا بندوبست نہ کیا تو وہ اپنے جسم کو بھی زیادہ دیر تک زندہ نہ رکھ سکے گا۔ اگر اس نے اپنی روح کو زندہ کر لیا تو وہ جسم کی موت کے بعد بھی اسے زندہ رکھ سکتا ہے۔ تسخیر کائنات کا سفر بہت طویل اور کٹھن ہے۔ انسان یہ سفر تبھی طے کر سکتا ہے اگر اس کا جسم اور اس کی روح دونوں زندہ، قوی اور تنومند ہوں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی مدد سے انسان اپنے جسم کو قوی اور صحت مند بنا سکتا ہے اور قرآن مجید سے انسان اپنی روح کو طاقتور اور صحت مند بنا سکتا ہے۔ اس طرح ان دونوں حقائق کو تسلیم کر کے انسان ایک طاقتور انسان بن سکتا ہے۔ ایک طاقتور انسان ہی تسخیر کائنات کا سفر طے کر سکتا ہے۔

6۔ فرشتوں کو تسلیم کرنا

فرشتے وہ نوری مخلوق ہیں جو حضرت آدم کی تخلیق سے قبل کائنات میں موجود تھے۔ ان

تمام فرشتوں نے اللہ کے حکم پر حضرت آدم کو سجدہ کیا تھا۔ اس طرح انسان کو اللہ کا نائب اور خلیفہ تسلیم کیا تھا۔ کائنات کا نظام اللہ خود بھی چلا سکتا ہے لیکن وہ یہ نظام ان فرشتوں کے ذریعے چلا رہا ہے۔ یہ فرشتے بے پناہ طاقت اور قوت کے مالک ہیں۔ یہ طاقت اور قوت اللہ نے ان کو دے رکھی ہے۔ یہ فرشتے انسانوں کی طرح اللہ کی ایک مخلوق ہیں لیکن یہ مخلوق اللہ کی اطاعت کی پابند ہے۔ انسان کی طرح یہ مخلوق آزاد نہ ہے۔ یہ مخلوق اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی کر ہی نہ سکتی ہے۔ حضرت جبریل فرشتوں کے سردار ہیں جو امین کے لقب سے خاص طور پر موسوم ہیں۔ انہی کے ذریعے اللہ نے اپنی رسالت کا پیغام تمام انبیاء تک پہنچایا۔ حضرت میکائیل رزق کے فرشتے ہیں جو تمام مخلوقات کی خوراک کا انتظام کر رہے ہیں اور قیامت تک کرتے رہیں گے۔ حضرت عزرائیل موت کے فرشتے ہیں جو تمام مخلوقات کو موت سے ہمکنار کر رہے ہیں اور قیامت تک اپنے فرض کو ادا کرتے رہیں گے۔ حضرت اسرافیل کے ذمے صور پھونکنے کا فرض ہے۔ وہ صور پھونکے گا تو قیامت آ جائے گی اور تمام دنیا آن واحد میں تباہ ہو جائے گی۔ دوسری دفعہ صور پھونکیں گے تو تمام مردہ انسان زندہ ہو کر میدان عرفات میں جمع ہو جائیں گے، جہاں محشر کے دن دنیا کے حساب کتاب کیلئے اللہ اپنی عدالت لگائے گا اور جزا اور سزا کا فیصلہ انصاف سے کیا جائے گا۔ فرشتے بے شمار ہیں جو تمام کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں اور اپنے اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ انسان ان فرشتوں کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے علم سے دیکھ نہ سکتا ہے البتہ کتاب کے علم سے وہ ان کے وجود کو محسوس ضرور کر سکتا ہے۔

ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے رہتے ہیں جو کراماً کاتبین کہلاتے ہیں۔ ایک فرشتہ انسان کے دائیں کندھے پر ہوتا ہے، جو انسان کے نیک اعمال کو لکھتا ہے۔ ایک فرشتہ انسان کے بائیں کندھے پر موجود ہوتا ہے، جو انسان کے برے اعمال کا اندراج کرتا ہے۔ یہ فرشتے انسان کی موت تک اس کا اعمال نامہ تیار کرتے رہتے ہیں اور اس کے مرنے کے بعد اس کے اعمال نامے کے ساتھ آسمان پر چلے جاتے ہیں۔ قیامت کے بعد محشر کے دن یہ فرشتے

انسان کے اعمال نامے کو اللہ کی عدالت میں پیش کردیں گے انسان اس اعمال نامے کو دیکھ کر حیران ہوگا، چونکہ یہ اس کی تمام زندگی پر محیط ہوگا۔ انسان اس کا انکار نہ کر سکے گا اور اسی اعمال نامے کی بنیاد پر جزا پائے گا یا سزا سے دوچار ہوگا۔ انسان ان فرشتوں کو نہ دیکھ سکتا ہے، نہ محسوس کر سکتا ہے لیکن یہ فرشتے ہر وقت انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ بے شمار فرشتے ہیں جو ہر روز آسمان سے زمین پر اور زمین سے آسمان پر آتے جاتے رہتے ہیں۔ یہ فرشتے انسان کی آزادی میں مداخلت نہ کرتے ہیں لیکن جب اللہ کی طرف سے ان کو اجازت مل جاتی ہے تو یہ انسان کی آزادی کو سلب کر کے اسے بے یار و مددگار کر دیتے ہیں۔ یہ فرشتے نیک انسانوں کے دوست ہوتے ہیں اور ان کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ انسان اللہ کو اپنا رب تسلیم کر کے اور اللہ کے رسول ﷺ کو اپنا رسول ﷺ تسلیم کر کے اور اطاعت کر کے ان فرشتوں کو اپنا دوست، غم خوار اور مددگار بنا سکتا ہے۔ اگر انسان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان اور باغی ہو جائے تو یہی فرشتے انسان کے دشمن بن جاتے ہیں اور انسان کو اللہ کے حکم سے طرح طرح کی سزا اور عذاب دیتے ہیں۔

یہ فرشتے اللہ کی انتظامیہ ہے جو نیک انسانوں کو اپنا تحفظ اور تعاون فراہم کرتی ہے۔ اس طرح انسان تمام بلاؤں اور آفات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ برے انسان کو یہ پولیس فورس تحفظ اور تعاون فراہم نہ کرتی ہے۔ اس طرح انسان گمراہ ہوتا چلا جاتا ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ وہ بلاؤں اور آفات کا شکار ہو جاتا ہے۔

کاش انسان اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کر کے فرشتوں کو اپنا دوست، مددگار اور محافظ بنا سکے۔

7۔ شیطان کے وجود کو تسلیم کرنا

شیطان حضرت آدم کی تخلیق سے قبل آسمانوں پر موجود تھا۔ اس کا تعلق جنوں سے تھا۔ اس نے عبادت کے ذریعے اللہ کا تقرب حاصل کیا ہوا تھا۔ اسے اپنی عبادت پر بہت گھمنڈ تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید اسے زمین پر اللہ کا خلیفہ اور نائب مقرر کیا جائے گا۔ لیکن جب

اللہ نے حضرت آدم کی تخلیق اور خلافت کا فیصلہ کیا تو اسے بہت مایوسی ہوئی۔ تمام فرشتوں نے اللہ کے حکم سے حضرت آدم کو سجدہ کیا اور اس طرح انہوں نے حضرت آدم کو اللہ کا خلیفہ اور نائب تسلیم کرلیا۔ شیطان نے یہ کہہ کر سجدہ سے انکار کر دیا کہ اسے آگ سے پیدا کیا گیا اور حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ اس طرح وہ ان سے افضل ہے اور افضل کم تر کو کیسے سجدہ کر سکتا ہے۔ اس طرح شیطان نے اللہ کے حکم کے باوجود حضرت آدم کو اللہ کا نائب اور خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

اللہ نے شیطان کو مردود قرار دے کر اسے اپنے مقربین کی صف سے نکال دیا۔ شیطان نے حضرت آدم کو اپنا دشمن سمجھ کر ان کو سجدہ نہ کیا تھا، لیکن چونکہ حضرت آدم کی شیطان سے ظاہری طور پر کوئی دشمنی نہ تھی، اس طرح انہوں نے شیطان کو اپنا دشمن قرار نہ دیا۔ وہ شیطان کو اپنا دوست ہی سمجھتے رہے۔ اس طرح شیطان نے دوستی کے روپ میں حضرت آدم سے دشمنی کی اور انہیں جنت سے نکلوا دیا۔

حضرت آدم اور حضرت حوا کے ساتھ شیطان کو بھی جنت سے نکال دیا گیا۔ حضرت آدم اور حضرت حوا نے چونکہ جان بوجھ کر اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کی تھی۔ اس طرح وہ اس لغزش کے باوجود اللہ کے محبوب رہے۔ شیطان نے چونکہ جان بوجھ کر اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی تھی، اس نے تکبر کیا تھا اور توبہ نہ کی تھی اور حضرت آدم اور حضرت حوا کو دھوکہ دیا تھا، اس طرح اسے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مردود قرار دے دیا گیا۔

شیطان نے مردود قرار دیئے جانے کے باوجود اپنی ضد، ہٹ دھرمی اور تکبر کو نہ چھوڑا۔ بلکہ انسان سے کھلم کھلا اعلان جنگ کر دیا۔ اس نے قیامت تک کیلئے اس جنگ کو جاری رکھنے کیلئے اللہ سے قیامت تک کیلئے زندہ رکھنے کی استدعا کی جو اللہ نے منظور کر لی۔ شیطان نے کہا کہ وہ انسان کو گمراہ کر کے اللہ کا باغی اور نافرمان بنا دیگا۔ اللہ نے شیطان کو کھلی اجازت دی کہ اس سے جو ہو سکتا ہے کر لے۔ وہ اس کے مخلص بندوں کو گمراہ نہ کر سکے گا۔

اللہ تعالیٰ کو انسان کی صلاحیتوں اور قابلیتوں پر پورا پورا بھروسہ اور اعتماد تھا لہٰذا شیطان

کو انسان کے ساتھ جنگ کرنے کی اجازت دے دی اور ساتھ یہ بھی اعلان کر دیا کہ جو انسان شیطان کے دھوکے اور فریب میں گرفتار ہو کر اللہ کا باغی اور نافرمان بنے گا وہ بھی شیطان کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مردود ہو گا اور اس کا حشر شیطان کے ساتھ ہو گا اور وہ شیطان کے ساتھ دوزخ میں ابدی اذیت ناک زندگی گزارے گا۔

شیطان نے چونکہ حضرت آدم اور حضرت حوا سے دوست بن کر دشمنی کی تھی۔ حضرت آدم اور حضرت حوا کو بتایا نہ گیا تھا کہ شیطان ان کا دشمن ہے۔ اس طرح معصوم ہونے کے باوجود وہ شیطان کی چال میں گرفتار ہو گئے۔ اللہ چونکہ ان کی نیتوں کو جانتا تھا اس نے لغزش کے باوجود توبہ کرنے پر ان کو معاف کر دیا، لیکن زمین پر بھیجنے کے بعد ان کو بتا دیا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے اور اس نے تمہارے اور تمہاری اولاد کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا ہے، لہٰذا وہ بھی اب شیطان کو اور اس کی اولاد کو اپنا دشمن سمجھیں۔ شیطان کے ساتھ جنگ کیلئے اللہ انسان کو پوری طرح مسلح کرے گا، اور اگر اس کے باوجود شیطان نے انسان کو شکست دے دی یا اپنے جال اور فریب میں گرفتار کر کے اسے اللہ کا باغی اور نافرمان بنا دیا تو اس کا کوئی عذر اور اس کی کوئی معذرت قبول نہ کی جائے گی۔ اور اس شیطان کی طرح دوزخ میں جلایا جائے گا۔

اس طرح شیطان جو انسان کا ازلی دشمن ہے آج تک انسان سے دشمنی کر رہا ہے۔ لیکن انسان اسے اپنا دشمن قرار نہ دیتا ہے۔ بلکہ اسے اپنا مخلص اور مہربان دوست خیال کرتا ہے۔ وہ اپنے اس دشمن دوست کے جال میں اس طرح گرفتار ہو چکا ہے کہ وہ شیطان بن گیا ہے اور دوسرے انسانوں کو اپنے شیطانی جال میں پھنسا رہا ہے۔ اس طرح انسانوں کی اکثریت شیطان کے دوستی کے جال میں پھنس کر اپنے خالق اللہ کو مکمل طور پر بھول چکی ہے۔ کچھ انسان تو برملا اللہ کے وجود کا انکار کر رہے ہیں اور جو اللہ کے وجود کو مانتے ہیں وہ اسے اپنا رب اور حاکم تسلیم نہیں کرتے اور جو اللہ کا اپنا رب اور حاکم تسلیم کر رہے ہیں وہ بھی اللہ کے احکامات کی مکمل اطاعت نہیں کرتے۔ اس طرح انسان اپنے خالق سے دور ہوتے جا رہے

ہیں اور شیطان کے قریب ہوتے جارہے ہیں۔ اللہ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء دنیا میں بھیجے لیکن اکثر انسانوں نے ان کی رسالت سے فائدہ نہ اٹھایا اور شیطان کے چنگل سے آزاد نہ ہوسکے۔ اللہ نے انسان کو الہامی کتابیں بھی دیں لیکن انسان ان سے مستفید نہ ہوسکا۔

اللہ نے اپنے پیارے اور آخری رسول حضرت محمد ﷺ کو کتاب مبین قرآن مجید دے کر بھیجا، لیکن انسان نے اس عظیم نعمت سے بھی اپنے آپ کو فیضیاب نہ کیا۔ رشد و ہدایت کا یہ پیغام انسان کے پاس کتاب وسنت کی صورت میں موجود ہے، لیکن بدقسمتی سے انسان اس طرف کوئی توجہ نہ دے رہا ہے۔ انسان دن بدن شیطان کے چنگل میں گرفتار ہوتا جارہا ہے۔ وہ اس قید کو آزادی خیال کرتا ہے۔ وہ اس ذلت کو عزت کا نام دیتا ہے۔ وہ اس نقصان کو فائدہ قرار دیتا ہے۔ وہ اس تنزلی کو ترقی خیال کرتا ہے۔ وہ اس شکست کو اپنی فتح قرار دیتا ہے اور وہ اپنی موت کو خوش حال زندگی کے نام سے یاد کر کے اتراتا ہے۔ انسان اپنے رب سے صرف دور نہ ہوگیا ہے بلکہ بہت دور ہوگیا ہے۔ اللہ انسان کو بار بار اپنی طرف بلاتا ہے لیکن انسان اپنے خالق کی آواز کو سنتا ہی نہ ہے۔ اگر سنتا ہے تو جواب نہ دیتا ہے۔ اگر جواب دیتا ہے تو انکار سے۔ انسان ہر روز مرتا ہے وہ دوسرے انسانوں کو مرتے دیکھتا ہے اسے اپنی موت سامنے نظر آتی ہے۔ وہ اپنی دنیا کو تباہی کی طرف جاتے دیکھ رہا ہے۔ پھر بھی وہ اپنے رب کی طرف رجوع نہ کرتا ہے۔ انسان کو یہ علم ہے کہ کائنات پر حکومت اللہ کی ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ مرنے کے بعد اسے اللہ کے پاس جانا ہے۔ اسے یہ بھی علم ہے کہ کائنات کے مقابلے میں دنیا کی کوئی حیثیت نہ ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اللہ اسے سزا دے سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ توبہ نہ کرتا ہے۔

کیا انسان جو اشرف المخلوقات ہے جو دنیا کو تسخیر کرنا چاہتا ہے۔ جو سیاروں اور ستاروں کو تسخیر کرنا چاہتا ہے۔ جو بہترین عقل اور دماغ کا مالک ہے اتنی بات نہ سمجھ سکا ہے کہ اللہ اس کا رب ہے۔ اللہ کے پاس اس نے جانا ہے۔ اللہ نے اسے بنایا ہے اللہ نے زمین و آسمان کو بنایا ہے۔ اللہ اسے مارتا ہے۔ اللہ ہی نے اسے زمین پر خلافت دی ہے جس کا

احترام تمام کائنات کر رہی ہے۔ شیطان نے اس کی خلافت کو تسلیم نہ کیا تھا۔ شیطان نے ہی اس کے جد امجد کو جنت سے نکلوایا تھا۔ اسی کیلئے اللہ نے شیطان کو مردود قرار دیا تھا۔ شیطان نے اس کے خلاف اعلان جنگ کیا تھا۔ شیطان ہی اس کا سب سے بڑا دشمن ہے اور اسی کو ہی وہ اپنا سب سے بڑا دوست سمجھتا ہے اور اللہ کا وہ باغی اور نافرمان بن گیا ہے۔

اللہ نے شیطان کے چیلنج کو قبول کر کے فرمایا تھا کہ میرا بندہ انسان تیرے فریب میں نہ آئے گا۔ کیا انسان کی اس شکست سے خالقِ کائنات خوش ہوں گے یا شرمسار؟ کیا انسان کو اس شکست پر خوش ہونا چاہیے یا غمگین؟ ظاہر ہے اللہ انسان کی شکست سے شرمسار ہوں گے اور انسان کو بھی اس ناکامی پر غمگین ہی ہونا چاہیے۔

لہٰذا لیکن انسان اس شکست کو اپنی کامیابی قرار دیتا ہے اور اس پر خوشی کے جشن مناتا ہے۔ کیا انسان کا یہ رویہ حقیقت پسندانہ ہے؟ کیا انسان کو اس رویے کی اصلاح نہ کرنی چاہیے؟ ظاہر ہے کہ انسان کا یہ رویہ حقیقت پسندانہ نہ ہے اور انسان کو اس کی اصلاح کر لینی چاہیے چونکہ ابھی اس کے پاس وقت ہے۔ موت نے ابھی اس کے دروازے پر دستک نہ دی ہے اور قیامت نے ابھی پوری طرح دنیا کو اپنی گرفت میں نہ لیا ہے۔ لہٰذا انسان اپنی اصلاح اسی صورت میں کر سکتا ہے، اگر وہ اللہ کو اپنا دوست اور شیطان کو اپنا دشمن قرار دے۔ اگر وہ اللہ کے رسولوں کو اپنا دوست اور شیطان کی اولاد کو اپنا دشمن سمجھے۔ اگر وہ اللہ کی الہامی کتابوں کو اپنا دوست اور شیطانی کتابوں کو اپنا دشمن خیال کرے۔ اگر وہ صحابہ اہل بیت، صالحین اور اولیاء اللہ کو اپنا دوست اور شیطان کے چیلوں اور حواریوں کو اپنا دشمن قرار دے دے۔

اگر انسان اپنے دوستوں اور دشمنوں میں تمیز کر سکا تو پھر وہ اپنے دوست کی مدد اور تعاون سے شیطان اور اس کے حواریوں کا نہ صرف مقابلہ کر سکتا ہے بلکہ ان کو مغلوب بھی کر سکتا ہے۔ انسان اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد ہی زمین پر اپنی خلافت قائم کر سکتا ہے۔ اگر انسان اس میں کامیاب ہو گیا تو وہ قیامت کے بعد ستاروں اور سیاروں میں اپنی خلافت قائم کر لے گا۔ جہاں نہ شیطان ہو گا نہ اس کے حواری ہوں گے۔ جہاں نہ

موت ہوگی نہ قیامت جہاں نہ دکھ ہوگا نہ بیماری، جہاں نہ محنت ہوگی، نہ مشقت جہاں عیش و آرام ہوگا۔ کاش انسان اپنے دوستوں اور دشمنوں کی شناخت کر سکے۔ کاش انسان اپنے دشمنوں کے ساتھ جنگ کر سکے۔ کاش انسان اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کر کے زمین پر اپنی خلافت کو قائم کر کے مستحکم کر سکے۔ کاش انسان اللہ کو اپنا دوست اور شیطان کو اپنا کھلا دشمن قرار دے سکے۔ شیطان کا وجود ایک حقیقت ہے جسے انسان کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ اگر انسان نے اس حقیقت کا اقرار ہی نہ کیا تو وہ اس کے مکر اور فریب سے اپنے آپ کو کیسے بچا سکے گا۔ اگر وہ شیطان کے مکر و فریب سے اپنے آپ کو نہ بچا سکا تو کل اللہ اس کے کسی عذر اور معذرت کو قبول نہ کریں گے۔ وہ نہ صرف دنیا کی خلافت سے محروم ہو جائے گا۔ بلکہ شیطان کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دوزخ کا ایندھن بن جائے گا۔ اور اس کا تسخیر کائنات کا خواب ادھورا رہ جائے گا۔ جس کی تعبیر وہ کبھی پا نہ سکے گا۔ کیا آج کا خوشحال اور ترقی یافتہ انسان یہ ذلت اور رسوائی برداشت کر لے گا۔ اگر وہ حقیقت شناس نہ بن سکا تو یہ ذلت اور رسوائی اس کا مقدر ہوگا اور اس مقدر کا سکندر وہ خود ہوگا کوئی دوسرا نہ ہوگا۔

8۔ نفسِ امارہ کی حقیقت کو تسلیم کرنا

انسان کا قلب جسم میں بنیادی حیثیت کا مالک ہے۔ قلب ہی انسان کی تمام آرزوؤں اور خواہشات کا مرکز ہے۔ قلب پر دو طاقتیں اثر انداز ہوتی ہیں جن کو نفسِ امارہ اور نفسِ لوامہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ نفسِ لوامہ کا ذکر قیامت کے عنوان کے تحت گزر چکا ہے۔ اب ہم نفسِ امارہ کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

نفسِ امارہ ایک ایسا جذبہ اور طاقت ہے جو انسان کو برائی کی ترغیب دیتا ہے اور نیکی سے روکتا ہے یہ جذبہ اور طاقت انسان کو اپنی نفسانی خواہشات کو حاصل کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ چاہے ان کیلئے انسان کو کچھ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ یہ جذبہ انسان کو باور کراتا ہے کہ انسان آزاد اور خود مختار ہے۔ اس طرح وہ اپنی تمام خواہشات کی تکمیل کا حقدار ہے۔

انسان کسی ضابطے اور قانون کا پابند نہ ہے اور نہ ہی کسی ہستی کے سامنے جواب دہ

ہے۔وہ اپنی خواہشات میں آزاد ہے اوران کی تکمیل کیلئے بھی بالکل آزاد اور خود مختار ہے۔ تمام ضابطے اور قانون اس کی خواہشات کے غلام ہیں اور تمام انسان اس کی خواہشات کو پورا کرنے کے پابند ہیں۔ انسان اپنی نفسانی خواہشات کے لئے یہاں تک آزاد ہو جاتا ہے کہ وہ نعوذ باللہ اللہ کو بھی رب تسلیم نہ کرتا ہے۔ اور نہ ہی اس کے کسی ضابطے اور قانون کی پرواہ کرتا ہے۔ وہ ایک جنگلی درندے کی طرح آزاد ہو جاتا ہے اور جب چاہتا ہے جیسے چاہتا ہے جس کا چاہے شکار کر لیتا ہے۔ وہ اپنی مرضی سے قانون اور ضابطے بناتا ہے۔ جن کو چاہتا ہے ان ضابطوں اور قوانین کے اطلاق سے مستثنیٰ کر دیتا ہے اور جن کو چاہتا ہے ان ضابطوں اور قوانین کے جال میں پھنسا کر قید کر لیتا ہے۔ اس طرح اس کے سامنے نہ انسان کی کوئی حیثیت ہوتی ہے اور نہ ہی انسانیت کا کوئی احترام ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو نعوذ باللہ خدا سمجھنا شروع کر دیتا ہے اور انسانوں کو اپنا زرخرید غلام خیال کرتا ہے۔ وہ دنیا کی تمام حقیقتوں کا انکار کر کے صرف اپنی ذات کا اقرار کرتا ہے وہ دنیا بلکہ کائنات کو بھی اپنا غلام خیال کرتا ہے۔ اس طرح وہ ایک ایسا انسان بن جاتا ہے جو صرف اپنی نفسانی خواہشات کا غلام ہوتا ہے۔ باقی سب انسانوں کو وہ اپنا غلام بنا لیتا ہے۔ وہ موت کی حقیقت کا بھی انکار کر دیتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ وہ کبھی موت سے ہمکنار نہ ہوگا۔ اس طرح انسان مکمل ایک درندے کا روپ دھار لیتا ہے اور تمام انسان اس درندے کا شکار بن جاتے ہیں۔

ایسا انسان اپنے نفس لوامہ کو مار دینے کی کوشش کرتا ہے اور اسے اتنا نحیف اور کمزور کر دیتا ہے کہ وہ اسے کسی برائی سے روکنے کی طاقت سے محروم ہو جاتا ہے اور وہ انسان کو اس کے برے اعمال پر ملامت تو کرتا ہے لیکن انسان اپنی طاقت اور قوت کے وہم میں اس کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔ اس طرح انسان شیطان بن جاتا ہے اور پھر دوسرے انسانوں کو بھی شیطان بنانے کی کوشش میں لگ جاتا ہے۔ تاکہ دنیا میں کوئی انسان اس کے سامنے آنے کی کوشش نہ کرے۔ اگر کوئی انسان اس کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے یا اگر وہ کسی انسان کو رکاوٹ سمجھتا ہے تو اسے بزور شمشیر مٹا دیتا ہے۔ اس طرح انسان ایسے ظالم انسان

کے ظلم کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ انسان پر اپنی مرضی سے حکومت کرتا ہے۔ جو کچھ چاہتا ہے ان سے چھین لیتا ہے اور جو چاہتا ہے ان کو روکھی سوکھی دیتا ہے۔ وہ ایسے آئین اور ضابطے بناتا ہے اور جو اسے مراعات اور تحفظ دیتے ہیں اور دوسرے انسانوں پر ظلم کا جواز پیدا کر کے ان کے استحصال کو ممکن بناتے ہیں وہ خود تو زندگی سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ لیکن دوسرے انسانوں کو زندہ رہنے کا حق بھی نہ دیتا ہے۔ وہ خود محلوں میں رہتا ہے اور دوسرے انسانوں کو جھونپڑوں میں بھی رہنے نہ دیتا ہے۔ وہ خود اپنے آپ کو اللہ کا نائب اور خلیفہ قرار دیتا ہے لیکن دوسرے انسانوں کو یہ حق بھی نہ دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کی مخلوق ہی کہہ سکیں، بلکہ وہ ان کو اپنی مخلوق خیال کرتا ہے۔ اس طرح عام انسانوں پر دنیا تنگ ہو جاتی ہے اور وہ دنیا کی تمام آسائشوں سے محروم ہو کر ایک جانور سے بھی کم درجے کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

انسان سوچتا ہے کہ ایک ذی شعور انسان، ایک مہذب انسان، ایک ترقی یافتہ انسان آخر اتنا بے حس، ظالم، جاہل، غیر مہذب اور گنوار کیوں بن جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان انسان کے قلب پر وار کرتا ہے۔ وہ انسان کے اندر موجود نفس امارہ کو اپنا دوست بنا کر اسے نفس لوامہ کا دشمن بنا دیتا ہے اور پھر نفس امارہ کو طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر اسے اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے۔ پھر جو شیطان کہتا ہے وہ انسان کرتا ہے۔ شیطان ایسے انسان کا استاد بن جاتا ہے اور انسان ایک مخلص شاگرد بن جاتا ہے۔ اس طرح انسان خود بھی شیطان بن جاتا ہے۔ شیطان براہ راست دوسرے انسانوں پر اتنا ظلم نہ کر سکتا ہے جتنا انسان شیطان انسانوں پر کرتا ہے۔ اس طرح شیطان انسان کو شیطان بنا کر خوش ہو جاتا ہے اور اپنی کامیابی پر اتراتا ہے۔ انسان شیطان کا آلہ کار بن جاتا ہے۔ وہ انسانوں کا دشمن بن جاتا ہے۔ اس طرح شیطان دوستی کے روپ میں انسان سے دشمنی کرتا ہے اور انسان کو انسان کا دشمن بنا کر خود انسان کی دشمنی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ تقسیم کرو اور حکومت کرو، شیطان کا اصول ہے۔ وہ انسانوں کو اس طرح تقسیم کر کے ان پر حکومت کرتا ہے۔ انسان کہتا تو یہ ہے

کہ وہ اللہ کا نائب اور خلیفہ ہے، لیکن حقیقت میں وہ شیطان کا نائب اور خلیفہ ہوتا ہے۔ وہ ظاہری طور پر اللہ کو ہی اپنا رب تسلیم کرتا ہے لیکن حقیقت میں شیطان ہی اس کا رب ہوتا ہے۔ اس طرح شیطان انسان کے قلب پر حکومت کرتا ہے اور قلب کے ذریعے تمام انسانوں پر حاکم بن جاتا ہے۔

انسان شیطان کو اپنا دشمن قرار دیتا ہے لیکن اپنے قلب پر حکومت شیطان کی تسلیم کرتا ہے وہ شیطان کو گالیاں دیتا ہے، لیکن اس کے احکامات کو بسر و چشم قبول کرتا ہے۔ وہ شیطان سے نفرت کرتا ہے لیکن محبت پھر بھی اسی سے کرتا ہے۔

کیا انسان کا یہ رویہ درست ہے؟ کیا انسان کو اس کی اصلاح کرنے کی ضرورت نہ ہے؟ شیطان انسان کا دشمن ہے لہٰذا وہ اس کا دوست نہ ہو سکتا ہے۔ نفس امارہ شیطان کا گھر ہے اس طرح نفس امارہ انسان کا دوست نہ ہو سکتا ہے۔ انسان نفس امارہ کی حقیقت کو اگر جان جائے تو وہ شیطان کے شر سے محفوظ ہو سکتا ہے۔ اس طرح انسان انسان کے شر اور شیطان کے شر سے بھی اپنے آپ کو محفوظ کر سکتا ہے۔

اب آئیں ہم دیکھیں کہ کس طرح انسان نفس امارہ پر قابو پا کر شیطان کے شر سے خود بھی محفوظ ہو سکتا ہے اور دوسرے انسانوں کو بھی محفوظ رکھ سکتا ہے۔ انسان فطرت سلیم پر پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح انسان کے والدین کی اچھی تربیت انسان کو اچھا بنا سکتی ہے۔ اچھی تربیت کیلئے والدین کا خود اچھا تربیت یافتہ ہونا ضروری ہے۔ اگر والدین خود ہی شیطان کے فریب میں گرفتار ہو چکے ہوں تو وہ اپنے بچوں کی اچھی تربیت کیسے کر سکتے ہیں۔ انسان جب پیدا ہوتا ہے اس وقت اس کا قلب آئینے کی طرح صاف اور شفاف ہوتا ہے۔ انسان کا قلب اپنے رب کے نور سے چمک رہا ہوتا ہے۔ اگر انسان کے والدین اللہ کو رب ماننے والے اور حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا رسول ماننے والے ہوں تو وہ سب سے پہلے جو آواز نومولود بچے تک پہنچاتے ہیں وہ یہ ہوتی ہے کہ اللہ بہت بڑا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ رب صرف اللہ ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ صرف محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آؤ نماز کی

طرف آؤ کامیابی کی طرف۔ یہ آذان کے الفاظ کا ترجمہ ہے جو نومولود بچے کے کان میں دی جاتی ہے۔ اسی طرح جب بچے کو سب سے پہلے دودھ پلایا جاتا ہے تو اسے دودھ پلانے سے پہلے یا گڑتی دینے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا جاتا ہے۔ اس طرح بچہ سب سے پہلے جو آواز سنتا ہے وہ اللہ اور رسول ﷺ کی گواہی کی ہوتی ہے اور جو خوراک پہلی دفعہ کھاتا ہے اس میں اللہ کی رحمانیت اور رحیمیت شامل ہوتی ہے۔

اس طرح جب وہ بولنے کے قابل ہوتا ہے تو سب سے پہلے اسے کلمہ طیب لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ہی پڑھایا جاتا ہے۔ اس طرح انسان کے قلب پر اللہ اور رسول کا نام ثبت ہو جاتا ہے اور جس قلب میں اللہ اور رسول ﷺ موجود ہوں وہاں شیطان نہ داخل ہوسکتا ہے اور نہ ہی اثر انداز ہوسکتا ہے۔ اس طرح انسان کا قلب پہلے کی طرح صاف اور شفاف رہتا ہے۔ جب انسان تھوڑا سا بڑا ہوتا ہے تو اسے سب سے پہلے جو کتاب پڑھائی جاتی ہے وہ قرآن مجید ہوتی ہے۔ اس طرح قرآن مجید انسان کے قلب پر نازل ہو جاتا ہے۔

جب انسان تھوڑا اور بڑا ہوتا ہے تو وہ نماز پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ اللہ، اللہ کے رسول ﷺ اور قرآن مجید کی عملی اطاعت شروع کر دیتا ہے اور اگر اس اطاعت کو اپنی عادت بنا لیتا ہے تو وہ اللہ کا مقرب بندہ بن جاتا ہے۔ جب انسان اللہ کا مقرب بندہ بن جاتا ہے تو وہ اپنے نفس امارہ پر قابو حاصل کر لیتا ہے۔ اگر انسان اپنے نفس امارہ کو قابو میں لے آتا ہے تو وہ شیطان کے فریب اور دھوکے میں آنے سے آزاد ہو جاتا ہے چونکہ ایسا انسان شیطان کا دشمن بن چکا ہوتا ہے لہذا وہ اس کے قریب جانے سے ڈرتا اور کتراتا ہے۔ وہ دور دور سے انسان پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتا ہے لیکن چونکہ اللہ انسان کے قلب میں گھر کر چکا ہوتا ہے لہذا اس کی کوئی چال کامیاب نہ ہوسکتی ہے۔ شیطان ایسے ولی اللہ سے مایوس ہو جاتا ہے اور اس سے ڈرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس طرح انسان ولی اللہ بننے کے بعد شیطان کے چنگل سے مکمل آزاد ہو جاتا ہے۔

ولی اللہ دوسرے انسانوں کو بھی شیطان سے آزادی کے طریقے بتاتا ہے اور اگر انسان

ان کو اختیار کرتا ہے تو وہ بھی اپنے آپ کو شیطان کے چنگل سے آزاد کر کے ولی اللہ بن جاتا ہے۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہتا ہے تو انسانوں کی اکثریت اللہ کی دوست بن جاتی ہے اور یہ اللہ کے دوست انسان مل جل کر شیطان اور اس کے حواریوں کو شکست دے کر اللہ کے نظام کو دنیا میں قائم کر سکتے ہیں۔

اللہ نے انسان کو شیطان سے بچاؤ کے بے شمار طریقے کتاب وسنت میں بتائے ہیں، لیکن جو طریقہ توبہ کا ہے اس کا جواب نہ ہے۔ اگر انسان اپنے نفس پر ظلم کرے یعنی کسی گناہ کا ارتکاب کر لے (اور انسان گناہ شیطان کی ترغیب پر ہی کرتا ہے) تو وہ اللہ کے رسول ﷺ کو یاد کرے۔ اپنے جرم کا اعتراف کرے۔ اللہ کے رسول ﷺ سے مغفرت کی دعا کی استدعا کرے اور پھر اللہ سے اپنے گناہ کی توبہ کرے۔ اگر اللہ کے رسول ﷺ اس کیلئے اللہ سے مغفرت کی دعا کر دیں تو اللہ گناہ گار انسان کی توبہ کو ضرور قبول کر لیتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ رحمۃ اللعالمین ہیں وہ گناہ گار انسانوں کی مغفرت کی دعا ہر وقت اللہ سے کرتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی گناہ گار انسان ان کے پاس حاضر ہو کر دعا کی استدعا کرے تو وہ اسے کیسے محروم رکھ سکتے ہیں۔

جب رسالت کا سورج اپنی پوری آب وتاب سے دنیا میں چمک رہا تھا اور مدینہ منورہ اس کا مقام تھا تو گناہ گار انسان آپ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے تھے۔ آپ ﷺ سے مغفرت کی استدعا کرتے۔ اگر گناہ کسی حد کی سزا کا متقاضی ہوتا تو آپ ﷺ حد نافذ کر کے انسان کو پاک صاف کرتے تھے۔ انسان کو اپنی پاکی اور طہارت اتنی عزیز تھی کہ وہ خود حد کے نفاذ کا مطالبہ کرتے تھے اور یہ سزا بھگت کر پاک صاف ہو جاتے تھے۔ اگر نماز سے یہ پاکی اور طہارت ممکن ہوتی تو آپ ﷺ کی امامت میں انسان نماز پڑھ کر پاک صاف ہو جاتا تھا۔

آج بھی رسالت کا سورج دنیا کے آسمان پر چمک رہا ہے اور مدینہ منورہ میں روزہ اطہر موجود ہے۔ گناہ گار انسان وہاں جا کر اپنے جرم کا اعتراف کر سکتا ہے اور درود کا نذرانہ پیش

کر کے مغفرت کی دعا کی استدعا کر سکتا ہے اور اللہ کے سامنے توبۃ النصوح کر کے پاک صاف ہو کر شیطان کے چنگل سے آزاد ہو سکتا ہے۔ جو انسان روضہ اطہر پر کسی وجہ سے حاضر نہ ہو سکتا ہے وہ کلمہ طیب پڑھ کر اپنے جرم کا اعتراف کر سکتا ہے، اور درود شریف پڑھ کر مغفرت کی دعا کی استدعا کر کے اللہ سے اپنے گناہ کی توبہ کر کے گناہ سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ انسانوں کو پاک صاف کرنے کیلئے آئے تھے۔ آپ نے اپنی اہل بیت اور صحابہ کو پاک صاف کیا۔ آپ ﷺ آج تک انسانوں کو پاک صاف کر رہے ہیں اور قیامت تک کرتے رہیں گے، لیکن شرط یہ ہے کہ کوئی اپنے جرم کا اعتراف تو کرے۔ کوئی آپ کو اللہ کا رسول ﷺ تو تسلیم کرے۔ کوئی آپ ﷺ کے روزہ اطہر پر حاضر ہو کر درود شریف تو پڑھے یا ویسے ہی درود شریف پڑھ کر اللہ سے اپنی مغفرت کی دعا تو مانگے۔ انشاءاللہ وہ پاک صاف ہو جائے گا۔

اس طرح انسان گناہوں سے پاک صاف ہو کر اپنے نفس امارہ پر قابو پا کر شیطان کی قید سے آزاد ہو سکتا ہے۔ وہ دوسرے انسانوں کو بھی شیطان کی غلامی سے نجات دلا سکتا ہے۔ اس طرح انسان، شیطان اور اس کے حواریوں کو شکست دیکر اپنے آپ کو بہتر ثابت کر کے اللہ کے فیصلے کو برحق ثابت کر سکتا ہے کہ انسان اللہ کا نائب اور خلیفہ بننے کا اہل ہے اور انسان کو خلیفہ بنانے کا فیصلہ حق وانصاف پر مبنی تھا اور شیطان کو اس فیصلے پر اعتراض کا کوئی حق حاصل نہ تھا۔

اگر انسان اپنے نفس امارہ کو قابو نہ کر سکا اور پاک صاف نہ ہو سکا، تو پھر وہ کس طرح شیطان کی غلامی سے آزاد ہو سکتا ہے اور اگر وہ شیطان کا حواری یا غلام بن کر اللہ کے پاس حاضر ہوا تو وہ کس طرح اللہ سے جنت کی خلافت کی استدعا کر سکتا ہے۔ جنت میں شیطان داخل نہ ہو سکتا ہے تو پھر شیطان کے حواری اور غلام وہاں کیسے داخل ہو سکتے ہیں۔

کاش انسان نفس امارہ کو قابو کر کے شیطان کو شکست دے سکے تا کہ وہ جنت کی خلافت

حاصل کر کے کائنات کو تسخیر کر سکے۔ اگر انسان اپنے نفس امارہ اور شیطان کو ہی تسخیر نہ کر سکا تو پھر کائنات کو کیسے تسخیر کر سکے گا۔

انسان اللہ کو اپنا رب، اللہ کے رسول ﷺ کو اپنا رسول ﷺ تسلیم کر کے کتاب و سنت کو اپنا دستور حیات بنا لے تو وہ شیطان اور اس کے حواریوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کر سکتا ہے۔ اگر وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی مدد سے ان کا مقابلہ کرے گا تو اس کی کامیابی کا امکان بہت کم ہے۔ کتاب وسنت کا ہتھیار تمام ان ہتھیاروں سے زیادہ قوی اور طاقتور ہے جو انسان سائنس اور ٹیکنالوجی کی مدد سے تیار کرتا ہے۔ انسان بے شک یہ ہتھیار ضرور تیار کرے لیکن جب تک اس کے پاس کتاب وسنت کی اطاعت کا ہتھیار نہ ہوگا وہ شیطان اور اس کے حواریوں پر مکمل فتح حاصل نہ کر سکے گا۔ کتاب وسنت کے ہتھیار کیلئے کسی سرمائے کی ضرورت نہ ہے، بلکہ اسے صرف انسان نے قلب پر نافذ کرنا ہے، اگر انسان کا قلب اسے قبول کر لیتا ہے تو وہ ایٹم بم، راکٹ سے بھی زیادہ طاقتور بن سکتا ہے۔ کاش انسان اپنے قلب پر کتاب وسنت کو نافذ کر لے تا کہ وہ اتنا قومی اور طاقتور ہو جائے کہ شیطان اور اس کے حواریوں کو شکست دینے کے بعد دنیا کو تسخیر کر لے۔ اگر کتاب وسنت انسان کے قلب پر نافذ نہ ہو سکی تو کوئی راکٹ اور ایٹم بم اسے تباہی سے نہ بچا سکتا ہے۔ انسان نہ سکون قلب حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی دنیا کے مسائل کو حل کر سکتا ہے۔ راکٹ اور ایٹم بم ہی تو انسان کے مسائل ہیں۔ بھلا ان مسائل کو زیادہ راکٹ اور ایٹم بم بنانے سے کیسے حل کر سکتا ہے۔ کیا زہر زہر کا تریاق بن سکتا ہے۔ ایٹم بم انسان کی بقا کیلئے ایک زہر ہے۔ کیا اس کا علاج زیادہ مہلک ایٹم بم بنانے سے کیا جا سکتا ہے؟ اس کا علاج صرف یہ ہے کہ تمام مہلک ہتھیاروں کو تباہ کر کے ایک ایسا ہتھیار بنایا جائے جو طاقتور تو ضرور ہو لیکن تباہ کن نہ ہو جو انسان کو ستاروں اور سیاروں پر پہنچانے کے ساتھ ساتھ اسے زمین پر بھی زندہ رکھ سکے۔ جو اسے زمین پر ایک پرسکون اور خوشحال زندگی کی ضمانت دے سکے اور جو اسے مرنے کے بعد جنت کی وراثت دے سکے۔ انسان یہ سب کچھ حاصل کر سکتا ہے اگر وہ اپنے نفس کو نفس امارہ

سے پاک کر کے شیطان سے نجات حاصل کرے اور پھر نفس لوامہ کو مستحکم کر کے نفس مطمعنہ حاصل کر کے اللہ کا بندہ اور اللہ کے رسول علیہ السلام کا غلام بن کر اللہ کا خلیفہ بن جائے۔

اللہ کا خلیفہ نہ شیطان کا غلام ہو سکتا ہے اور نہ ہی وہ انسان کو اپنا غلام بنا سکتا ہے۔ اللہ کا خلیفہ خود بھی آزاد ہوتا ہے اور انسانوں کو بھی آزاد دیکھنا پسند کرتا ہے۔ وہ شیطان کو اپنا غلام بنا کر اسے قید کر دیتا ہے۔ وہ شیطان کو اللہ کے نظام کا پابند بنا دیتا ہے۔ کاش انسان اللہ کا خلیفہ بن کر آزاد ہو سکے اور شیطان کو اپنا غلام بنا کر اپنی دنیا سے جلاوطن کر سکے۔

9۔ موت وحیات کی حقیقت کو تسلیم کرنا

خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عمل وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

اللہ نے انسان کو بنایا ہے۔ اللہ نے انسان کو حیات دی ہے۔ اللہ نے موت کو بنایا ہے اور اسے انسان پر مسلط کیا ہے۔ انسان کو حیات دینے اور اس پر موت مسلط کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس کو امتحان سے گزار کر دیکھا جائے کہ کون انسان دوسرے انسان سے اپنی دنیا کی زندگی میں بہتر کارگزاری دکھاتا ہے۔ انسان کی تخلیق کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ دنیا کی زندگی میں اللہ کی مکمل اطاعت کرے۔

کائنات کی تمام مخلوقات کے تخلیقی مقاصد ہیں جو وہ پوری کر رہی ہیں۔ انسان کی خدمت اور اطاعت ان مخلوقات کا مقصد حیات ہے۔ تمام مخلوقات انسان کی خدمت بھی کر رہی ہیں اور اطاعت بھی کر رہی ہیں اور ایک وقت مقررہ تک کرتی رہیں گی۔ انسان شاید یہ سمجھتا ہے کہ اس نے ان کو تسخیر کر رکھا ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ان کو انسان کے سامنے تسخیر کیا ہوا ہے۔ زمین، چاند، سورج سب انسان کے سامنے مسخر نظر آتے ہیں، لیکن کیا انسان نے ان کو تسخیر کیا ہوا ہے؟ یا اللہ نے ان کو مسخر کر کے انسان کی خدمت میں لگا رکھا ہے۔ ظاہر ہے اللہ ہی نے ان کو مسخر کر کے انسان کی خدمت پر مامور کیا ہوا ہے۔

انسان کے حواس خمسہ جن پر وہ بہت غرور کرتا ہے کس نے دیئے ہیں۔ ظاہر ہے یہ بھی

اللہ کی عطا ہے۔ الہام، رسالت اور وحی جو رشد و ہدایت کے سرچشمے ہیں کا دینے والا کون ہے۔ یقیناً اللہ ہی نے یہ انتظام بھی کر رکھا ہے۔ مادہ کا خالق کون ہے جس پر انسان کی تمام ترقی کا دارومدار ہے۔ ظاہر ہے اس کا خالق بھی اللہ ہے۔ اس طرح اللہ نے انسان کو سب کچھ دے رکھا ہے۔ انسان کائنات کی وسعت سے واقف ہو چکا ہے۔ یہ کائنات انسان کیلئے ہی بنائی گئی ہے اور انسان کو ہی اس کا وارث بننا ہے۔ تو پھر اگر اللہ انسان سے اپنی مکمل اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے تو اس میں انسان کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اس مطالبے کے اندر بھی انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے چونکہ اس طرح وہ زیادہ دیر تک دنیا پر حکمرانی کر سکتا ہے اور پھر کائنات کا وارث بھی بن سکتا ہے۔ اللہ کا اس اطاعت میں اپنا کوئی ذاتی فائدہ نہ ہے۔ تمام کائنات اللہ کی محکوم ہے، جو اس کے سامنے پوری طرح مسخر ہے اور ابد تک مسخر رہے گی۔ لیکن انسان کو اطاعت نہ کرنے سے نقصان ضرور ہو سکتا ہے۔ اللہ قادر مطلق ہے وہ جب چاہے گا انسان کو دنیا کی حکمرانی سے محروم کر دے گا۔

انسان ذی شعور، سمجھدار اور صاحب عقل ہے، تو پھر وہ کیوں اللہ کی اطاعت کا انکار کرتا ہے۔ کیا ایسے انسان کو ذی شعور، سمجھدار اور عقلمند کہا جا سکتا ہے؟ کیا یہ انسان اپنے آپ کو زندہ انسان کہلانے کا حقدار ہے؟ کیا ایسا انسان دنیا پر اپنی حکومت اور حکمرانی زیادہ دیر تک قائم رکھ سکتا ہے؟ کیا ایسا انسان دنیا کو تسخیر کر سکتا ہے؟ کیا ایسا انسان کائنات کو کبھی تسخیر کرنے کا تصور بھی کر سکتا ہے؟ کیا ایسا انسان ایک مردہ لاش نہ ہے اور کیا مردہ نعش کو انسان کہا جا سکتا ہے؟ اگر مردہ نعش کائنات کو تسخیر کرنے کا دعویٰ کرے تو کیا یہ دعویٰ مضحکہ خیز نہ ہے؟

انسان کو اللہ نے عقل و شعور سے نوازا ہے۔ اگر وہ اپنے عقل و شعور سے کام لے کر کائنات کی حقیقت کو جان گیا ہے تو پھر وہ کائنات کی سب سے بڑی حقیقت اللہ کا انکار کیسے کر سکتا ہے؟ اللہ کے وجود کا انکار کرنے والا انسان ذی شعور اور صاحب عقل کیسے ہو سکتا ہے۔ انسان کو اللہ نے آنکھیں اور کان دیئے ہیں۔ کیا انسان آنکھوں سے کائنات میں اللہ کو دیکھ نہ سکتا ہے؟ کیا وہ ان کانوں سے اللہ کی آواز کو سن نہ سکتا ہے؟ اگر انسان اپنی آنکھوں

سے اللہ کو دیکھ نہ سکتا ہے اور اپنے کانوں سے اللہ کی آواز سن نہ سکتا ہے، تو کیا ایسا انسان اندھا اور بہرہ نہ ہے۔

اللہ نے انسان کو چلنے پھرنے کیلئے پاؤں دیئے ہیں۔ اگر وہ اللہ کے راستے میں قدم بڑھانے سے عاری ہے تو کیا یہ انسان معذور نہ ہے۔ اللہ نے انسان کو ہاتھ دیئے ہیں، اگر وہ ان ہاتھوں سے اللہ کی رسی (کتاب وسنت) کو نہ پکڑتا ہے، تو کیا ایسا انسان ہاتھوں سے محروم نہ ہے۔ اللہ نے انسان کو زبان دی ہے، اگر وہ اس سے اللہ کا ذکر نہ کرتا ہے، تو کیا وہ گونگا نہ ہے؟ کیا ایسا انسان جو عقل وشعور سے محروم ہو۔ جو اندھا، بہرہ، گونگا اور ہاتھ پاؤں سے معذور انسان کہلانے کا حقدار ہے۔ کیا ایسا انسان کسی کو تسخیر کر سکتا ہے؟ کیا ایسا انسان جانور سے بدتر نہ ہے؟ کیا ایسا انسان اشرف المخلوقات ہو سکتا ہے؟ کیا وہ اللہ کا نائب اور خلیفہ بن سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

انسان اپنے گردوپیش کا مشاہدہ کرتا ہے۔ ہر چیز کے کوئی نہ کوئی تخلیقی مقاصد ہیں۔ جب تک یہ چیزیں اپنے تخلیقی مقاصد پورے کرتی رہتی ہیں، انسان انہیں زندہ تصور کرتا ہے اور جوں ہی یہ اپنے تخلیقی مقاصد پورا کرنا چھوڑ دیتی ہیں، انسان انہیں مردہ قرار دیکر ان سے دستبردار ہو جاتا ہے۔ زمین نباتات پیدا کرتی ہے۔ جب تک وہ نباتات پیدا کرتی رہتی ہے، انسان زمین کو کاشت کرتا ہے، اس کو پانی دیتا ہے اور اس میں غلہ، پھل اور سبزیاں اگاتا ہے، لیکن جوں ہی یہ زمین بنجر ہو جاتی ہے انسان اس کے پاس نہیں پھٹکتا۔

ہوا، پانی اور خوراک انسان کو زندہ رکھتے ہیں، لیکن جوں ہی انسان مر جاتا ہے، وہ ان سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

انسان، انسان سے بے حد محبت کرتا ہے۔ اس کی اطاعت اور احترام کرتا ہے لیکن جونہی اس کے اندر سے روح نکل جاتی ہے وہ اپنی اہمیت اور حیثیت کھو دیتا ہے۔ اس طرح انسان جو چیزیں تیار کرتا ہے وہ خاص مقاصد کیلئے تیار کرتا ہے اور جب تک اس کے مقاصد پورے ہوتے رہتے ہیں، وہ ان ایجادات سے محبت کرتا ہے اور ان کی دیکھ بھال اور

حفاظت کرتا ہے، لیکن جب یہ ایجادات اس کے مقاصد پورے کرنے کے قابل نہیں رہتیں تو وہ انہیں بیکار قرار دے کر کوڑے کرکٹ کی طرح پھینک دیتا ہے۔ ہر چیز اس وقت تک کارآمد ہے جب تک وہ اپنے تخلیقی مقاصد کو پورا کرتی رہتی ہے، لیکن اگر وہ اپنے مقاصد کو پورا نہ کرے تو وہی اہم چیز فضول اور بیکار ہو جاتی ہے۔ وہ چیز موجود تو ہوتی ہے، لیکن انسان اس کے وجود کا انکار کر دیتا ہے۔

انسان کا تخلیقی مقصد اللہ کی عبادت اور اطاعت ہے۔ انسان اللہ کا نائب اور خلیفہ ہے۔ جب تک انسان اللہ کی عبادت اور اطاعت کرتا رہتا ہے وہ اپنے خالق کی نظر میں زندہ رہتا ہے۔ جب تک انسان اپنی خلافت کے تقاضے پورے کرتا رہتا ہے وہ زندہ رہتا ہے۔ اگر انسان اللہ کی عبادت اور اطاعت ترک کر دے تو وہ اللہ کے سامنے مردہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر انسان اپنی خلافت کے تقاضے پورے کرنے چھوڑ دے تو وہ زندہ ہوتے ہوئے مردہ ہو جاتا ہے۔

اللہ نے اپنی عبادت اور اطاعت کا ایک ضابطہ حیات انسان کو دیا ہے، اگر انسان اس ضابطہ حیات کو اپناتا ہے اور اس کے مطابق اپنی زندگی گزارتا ہے تو وہ زندہ ہے۔ اللہ نے انسان کو زمین کی خلافت کیلئے بھی ایک ضابطہ دیا ہے، اگر اس ضابطے کو انسان دنیا میں نافذ کرتا ہے تو وہ زندہ ہوتا ہے۔ اگر انسان اللہ کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات کو نافذ کر کے خلافت کا کاروبار نہیں چلاتا تو نہ وہ زندہ ہوتا ہے اور نہ ہی اسے اللہ کا خلیفہ کہا جا سکتا ہے۔

اسی طرح انسان کی زندگی کا دارومدار اللہ کے ضابطہ حیات پر ہے۔ اگر اللہ کا ضابطہ حیات اس کی زندگی کا ضابطہ حیات ہو تو وہ زندہ ہے اور وہ زمین پر اللہ کا نائب اور خلیفہ کہلانے کا حقدار ہے۔ یہ ضابطہ حیات کتاب وسنت میں پوشیدہ ہے۔ اگر انسان کتاب، سنت کے مطابق زندگی گزارے تو وہ زندہ ہے۔ اگر انسان ایسا نہیں کرتا تو وہ زندہ ہوتے ہوئے بھی مردہ ہے۔ اگر انسان مردہ ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو زندہ خیال کرے تو یہ اس کی خام خیالی ہے اور انسان کو جتنی جلدی ہو سکے اس خام خیالی سے نجات حاصل کر لینی

چاہئے۔

اگر انسان زندہ ہوتو اللہ اس کی ہر لمحے ہدایت اور رہنمائی کرتا رہتا ہے۔ اللہ انسان کی رہنمائی الہام سے کرتا ہے۔ اللہ انسان کی ہدایت اور رہنمائی کیلئے اپنے رسول اور پیغمبر بھیجتا ہے۔ اللہ انسان کو الہامی کتابیں عطا کرتا ہے۔ زندہ انسان اللہ کو اپنا رب مانتا ہے وہ اللہ کے رسولوں اور پیغمبروں کو اپنا رسول اور پیغمبر تسلیم کرتا ہے۔ وہ اللہ کی الہامی کتابوں کو اپنی کتابیں قرار دیتا ہے۔ وہ اللہ کے احکامات کی اطاعت کرتا ہے۔ وہ اللہ کی کتابوں کو الہامی تسلیم کر کے ان کو اپنی زندگی کا ضابطہ حیات بناتا ہے۔ ایسا انسان اللہ کو اللہ کے رسولوں کو اور اللہ کی کتابوں کو اپنا دوست بنالیتا ہے۔ وہ اللہ سے محبت کرتا ہے۔ اللہ کے رسولوں سے محبت کرتا ہے اور اللہ کی کتابوں سے محبت کرتا ہے۔ ایسے انسان کو اپنے اندر اور آفاق میں ہر جگہ اللہ ہی نظر آتا ہے۔ ایسے انسان کی آنکھ صاحب بصیرت ہو جاتی ہے۔ کان صاحب سماعت ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو اور دنیا کی حقیقت کو جان جاتا ہے۔ وہ سب کچھ دیکھ لیتا ہے، جو عام انسانوں کو نظر نہ آتا ہے۔ وہ سب کچھ سن لیتا ہے جو عام انسانوں کو سنائی نہ دیتا ہے۔ وہ غیوب سے نہ صرف واقف ہو جاتا ہے بلکہ ان کو دیکھ بھی لیتا ہے۔ غیوب اس کے لئے غیوب نہ رہتے ہیں بلکہ شعور کا درجہ اختیار کر لیتے ہیں۔

انسان اس طرح اپنی تمام عمر زندگی سے لطف اندواز ہوتا رہتا ہے اور جب موت سے اس کی ملاقات ہوتی ہے تو وہ موت کی لذت کو محسوس کرتا ہے۔ وہ ایک ایسی دنیا میں منتقل ہو جاتا ہے جہاں ہر طرف امن، سلامتی، راحت و آرام اور خوشی اور مسرت ہوتی ہے۔ ایسا انسان موت کے بعد کائنات کی دنیا میں آزاد ہو جاتا ہے۔ وہ کائنات میں ہر جگہ آزادانہ سیر کرتا ہے اور اللہ کی پوشیدہ دنیا کو تسخیر کر لیتا ہے۔ قیامت کے بعد ایسا انسان کائنات میں موجود دنیا (جنت) کا مالک بن جاتا ہے اور ابدی حکومت اور حکمرانی حاصل کر لیتا ہے۔

اگر انسان جانوروں کے درجے سے نیچے گر جاتا ہے، یعنی اگر وہ اپنے مقصد حیات کو پورا نہ کرتا ہے اور چلنے پھرنے اور کھانے پینے کو ہی اپنی زندگی سمجھتا ہے، تو وہ اپنی ذہنی اور

جسمانی قویٰ سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس کی آنکھ بصارت سے محروم ہو جاتی ہے۔ اسے دنیا میں سب کچھ نظر آتا ہے لیکن اسے اللہ نظر نہ آتا ہے۔ اسے دنیا کے تمام بڑے بڑے انسان نظر آتے ہیں لیکن اللہ کے رسول اسے نظر نہ آتے ہیں۔ وہ دنیا کی مشکل ترین کتابوں کو پڑھ سکتا ہے لیکن اللہ کی آسان ترین الہامی کتاب کی وہ تلاوت تک نہ کر سکتا ہے۔

ایسا انسان کان رکھنے کے باوجود سماعت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسے دنیا میں موجود تمام چیزوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں لیکن وہ اللہ، اللہ کے رسولوں اور اللہ کی الہامی کتابوں کی آوازوں کو سن نہ سکتا ہے۔ وہ دنیا کے مشکل ترین نظریات کو سنتا ہے لیکن اللہ کے آسان نظریہ حیات کو سننے کی صلاحیت نہ رکھتا ہے۔ اسے دنیا کی ہر چیز بولتی نظر آتی ہے لیکن وہ ان کی آواز کو نہ سنتا ہے نہ سمجھتا ہے۔

ایسا انسان دماغ رکھنے کے باوجود عقل وشعور سے محروم ہو جاتا ہے۔ وہ اپنا اور آفاق کا مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ دنیا کی مخلوقات کا مشاہدہ کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ تمام مخلوقات کے تخلیقی مقاصد ہیں جو وہ پورے کر رہے ہین۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ ان مخلوقات کا خالق صرف اللہ ہے لیکن اس کے باوجود وہ اللہ کو اپنا خالق تسلیم نہ کرتا ہے اور نہ ہی یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ کیا اس کی زندگی کا کوئی مقصد ہے اور اگر ہے تو وہ کیا ہے؟ وہ نہ اپنے مقصد حیات کو جاننے کی کوشش کرتا ہے اور نہ ہی اسے پورا کرتا ہے۔ وہ دنیا میں موجود مخلوقات کے تخلیقی مقاصد کو جاننے کیلئے شب و روز محنت کرتا ہے۔ وہ ان تحقیقات میں اپنی تمام عمر اور وسائل خرچ کر دیتا ہے، لیکن اپنے مقصد حیات کو جاننے کیلئے معمولی غور وخوض تک نہ کرتا ہے۔ وہ یہ جانتا ہے کہ تمام مخلوقات کی اہمیت ان کے مقصد حیات کے پورا کرنے میں ہے، لیکن وہ اپنے مقصد حیات کو پورا کرنا ضروری خیال نہ کرتا ہے۔ وہ یہ جانتا ہے کہ ہر چیز ایک ضابطہ حیات کے تحت وجود میں آئی ہے اور اسی میں رہ کر اپنے وجود کو قائم رکھے ہوئے ہے، لیکن وہ اپنی بقا کیلئے اللہ کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات کو قطعاً کوئی اہمیت نہ دیتا ہے۔ کیا ایسا انسان جو اپنے مقصد حیات کو نہ جانتا ہو اور نہ جاننے کی کوشش کرتا ہو اور نہ ہی اپنے مقصد حیات

کے مطابق زندگی بسر کرتا ہوا، باشعور اور عقلمند انسان کہلا سکتا ہے؟ کیا ایسا انسان دیوانہ نہ ہے؟ کیا دیوانہ انسان زندہ ہوتا ہے؟ کیا دیوانے انسان کی زندگی قابل رشک اور قابل تقلید ہے؟ اگر باشعور اور عقلمند انسان ایسے دیوانے انسان کو عقلمند اور باشعور انسان قرار دیکر اس کی زندگی کو قابل تقلید اور قابل رشک قرار دیدے تو کیا ایسا انسان خود دیوانہ نہیں؟ اور اگر یہ دنیا ایسے دیوانوں سے بھر جائے تو کیا انسان اس دنیا میں زندہ رہ سکتا ہے؟ ظاہر ہے دیوانوں کی دنیا میں انسان دیوانہ بن کر ہی زندہ رہ سکتا ہے اور کیا ایسی زندگی کو انسان زندگی قرار دے سکتا ہے۔

کیا ایسا انسان ان جانوروں سے بھی کم تر نہ ہے، جو جانور ہونے کے باوجود اتنا شعور رکھتے ہیں کہ ان کی زندگی کا ایک مقصد ہے جسے وہ خوشی سے پورا کر رہے ہیں۔ کیا ایسا انسان جو جانور سے بھی کم تر ہو زندہ انسان کہلانے کا حقدار ہے؟ اگر ایسا انسان اپنے آپ کو ترقی یافتہ اور مہذب انسان کہلانے کا دعویٰ کرے تو اس دعوے میں کہاں تک اور کتنی صداقت ہے یہ باشعور اور عقلمند انسان بخوبی جانتا ہے۔

ایسا انسان دنیا میں زندہ تو رہتا ہے لیکن جانور کی طرح، یا ایک دیوانے کی طرح، لیکن جب ایسے انسان کو موت اپنی گرفت میں لے لیتی ہے تو اسے پتہ چل جاتا ہے کہ وہ کس مقصد کیلئے دنیا میں آیا تھا اور اس نے کہاں تک اسے پورا کیا۔ موت ایسے انسان کیلئے بگولے کی طرح آتی ہے، جو اسے راکھ کر کے چھوڑتی ہے۔ زندگی کا تمام نشہ کافور ہو جاتا ہے اور انسان ایک ایسی دنیا میں چلا جاتا ہے جہاں تاریکی اور اذیت کے سوا کچھ نہ ہوتا ہے۔ دنیا کا یہ آزاد انسان قبر کے گڑھے میں ایک مجرم بن کر قید ہو جاتا ہے۔

دنیا میں زندہ انسانوں کو دکھ، تکلیف اور سزا دینے والا انسان خود دکھ، تکلیف اور سزا میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح دنیا میں عیش و آرام سے زندگی بسر کرنے والا انسان ایک اذیت ناک زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ دنیا کی تمام حقیقتوں کا اقرار اور اللہ کی حقیقت کا انکار کرنے والا انسان اللہ کی حقیقت کو جان جاتا ہے۔ وہ اللہ کو اپنا رب تسلیم کر لیتا

ہے، لیکن اللہ اسے اپنا بندہ تسلیم نہ کرتا ہے۔ دنیا میں تمام بڑے بڑے عظیم انسانوں کو ماننے والا اور اللہ کے رسول ﷺ کا منکر انسان اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھنے کے باوجود پہچان نہ سکتا ہے۔ اللہ کے فرشتوں کا انکار کرنے والا انسان اپنے اردگرد فرشتوں کو دیکھتا ہے اور ان سے خوفزدہ ہوتا ہے۔ دوزخ کا انکار کرنے والا انسان دوزخ کو اپنے سامنے دیکھتا ہے۔ موت کے بعد زندگی کا منکر انسان مرنے کے بعد بھی اپنے آپ کو زندہ پاتا ہے، لیکن نہ تو وہ جانور بن کر اور نہ ہی دیوانہ بن کر اپنے آپ کو مردہ انسان ثابت کر سکتا ہے۔ ایسا انسان مرنا چاہتا ہے لیکن مرنے کے باوجود وہ مر نہ سکتا ہے۔ وہ زندہ رہتا ہے اور دنیا کی زندگی کو یاد کرتا ہے، جو اس نے ایک مردہ انسان کی طرح گزاری تھی وہ اللہ سے دوبارہ دنیا میں جانے کی اجازت مانگتا ہے، تاکہ زندہ انسانوں کی طرح زندگی گزار سکے، لیکن اجازت نہ ملنے پر اذیت ناک زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ قیامت تک وہ اسی حالت میں زندہ رہے گا اور قیامت کے بعد ایسے انسان کی منزل دوزخ ہوگی جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اذیت ناک اور دردناک زندگی گزارے گا۔

اب انسان نے یہ فیصلہ خود کرنا ہے کہ وہ دنیا کی زندگی زندہ رہ کر گزارنا چاہتا ہے یا مردہ رہ کر۔ اگر انسان نے اپنی دنیا کی زندگی مردہ انسان کی طرح بسر کی تو پھر وہ اپنے مقاصد حیات کو پورا نہ کر سکے گا اور اگر انسان اپنے مقصد حیات کو پورا کرنے سے پہلے مر گیا، تو اذیت ناک اور دردناک زندگی اس کا مقدر بن جائے گی، جس کی کوئی موت نہ ہوگی۔ اگر انسان نے زندہ انسان کی طرح زندگی گزاری اور اپنے مقصد حیات کو مرنے سے پہلے پہل حاصل کر لیا تو ایسا انسان مرنے کے بعد ایک ایسی ابدی زندگی کا حقدار ہو جائے گا جس کا مقام جنت ہے اور جو تمام کائنات تک پھیلی ہوئی ہے۔

انسان زندہ تھا۔ زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ دنیا کی زندگی ایک امتحان ہے۔ موت اس امتحان کا آخری لمحہ ہے۔ موت اس دنیا اور اس دنیا کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس پل سے ہر انسان نے گزرنا ہے۔ موت انسان کی حیات کو ختم نہ کر سکتی ہے۔ موت

انسان کو ایک اور دنیا میں منتقل کرتی ہے۔ موت کا ذائقہ ہر انسان نے چکھنا ہے۔ انسان اس ذائقے کو فرحت بخش اور آرام دہ بنا سکتا ہے۔ انسان اللہ کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات کے مطابق زندگی گزار کر موت کے ذائقے کو فرحت بخش اور آرام دہ بنا سکتا ہے۔ انسان موت سے ہمکنار ہو کر یا تو ابدی راحت حاصل کر لیتا ہے یا ابدی دردناک زندگی۔ اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ موت صرف انسان کی زندگی کو ختم کرتی ہے حیات کو نہیں۔

انسان ازل سے حیات ہے اور ابد تک حیات رہے گا۔ موت انسان کی حیات کو نہ ختم کرتی ہے اور نہ ہی کبھی ختم کرے گی۔ موت ایک حقیقت ہے لیکن انسان کی حیات کے سامنے اس کی کوئی حقیقت نہ ہے۔ انسان زندگی سے پہلے بھی زندہ ہوتا ہے اور مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے۔ انسان اللہ کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات کے مطابق زندگی گزار کر موت پر قابو پا سکتا ہے اس طرح موت کی وادی سے وہ بخیریت آن واحد میں گزر کر دوسری دنیا تک پرواز کر سکتا ہے۔ کاش انسان موت پر قابو پا لے، تا کہ وہ اس دنیا سے جب دوسری دنیا کے سفر پر روانہ ہو تو موت اس کے راستے میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ کاش موت انسان کی کامیابی کا پیش خیمہ ثابت ہو سکے، لیکن ایسا تبھی ممکن ہو سکتا ہے کہ اگر انسان ایک زندہ انسان کی طرح دنیا کی زندگی گزارے۔ کاش انسان ایک زندہ انسان کی طرح اپنی زندگی گزار سکے۔

انسان اپنے بنائے ہوئے ضابطہ حیات کے مطابق زندگی گزار کر اپنے آپ کو مہذب اور ترقی یافتہ تو کہلا سکتا ہے، لیکن اللہ کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات کے مطابق زندگی گزار کر ہی اپنے آپ کو زندہ ثابت کر سکتا ہے۔ اگر انسان اپنے آپ کو زندہ ثابت نہ کر سکا تو اس کا مہذب اور ترقی یافتہ ہونا بے معنی ہو جائے گا۔ کیا انسان بغیر روح کے زندہ رہ سکتا ہے؟ اور کیا روح کو اللہ کے بغیر کوئی اور زندہ رکھ سکتا ہے؟ اللہ نے انسان کو اپنا ضابطہ حیات دے کر اسے ابدی خوشحال زندگی کا تحفہ دے رکھا ہے۔ انسان اس تحفے سے مستفید ہو کر ابدی خوشحال زندگی کی ضمانت حاصل کر سکتا ہے۔ ابدی خوشحال زندگی ہی حقیقت میں تسخیر کائنات ہے اور انسان اللہ کے ضابطہ حیات کو اپنا کر کائنات کو بآسانی تسخیر کر سکتا ہے۔ کاش انسان

اس راز کو جان سکے۔

10۔ جنت اور دوزخ کی حقیقت کو تسلیم کرنا

انسان جانتا ہے کہ ایک وقت ایسا بھی تھا جب نہ اس دنیا کا وجود تھا اور نہ انسان کا۔ انسان دنیا میں آنے سے قبل روح کی شکل میں آسمان پر کسی اور دنیا میں موجود تھا، جسے انسان اب بھول چکا ہے۔ اسی دنیا میں خالق کائنات نے انسان سے پوچھا تھا کہ کیا وہ اس کا رب نہیں اور انسان نے بلا تامل برملا کہا تھا کہ اللہ اس کا رب ہے۔ اللہ انسان سے اتنا زیادہ خوش ہوا کہ اسے اپنا نائب بنا کر دنیا کی خلافت عطا کر دی۔ اللہ نے اپنے خلیفہ انسان کیلئے دنیا کو آباد کیا اور اسے حسن و جمال عطا کیا۔ انسان آج تک دنیا پر حکومت کر رہا ہے اور قیامت تک کرتا رہے گا۔ اللہ نے تمام انسانوں کو اپنا خلیفہ اور نائب قرار دیکر ان سب کو دنیا کا حاکم اور حکمران مقرر کیا تھا لیکن بعض انسانوں نے طاقت کے زور پر دوسرے انسانوں کو خلافت سے محروم کر کے، ان کو اپنا غلام بنا لیا اور ان کو دنیا کی حکومت اور حکمرانی سے محروم کر دیا۔

اللہ نے دنیا کو انسان کی عارضی قیامگاہ بنانا تھا۔ لہٰذا انسان کو موت سے دوچار کیا اور قیامت کو دنیا کا مقدر بنا دیا۔ اللہ انسان کو کائنات میں اپنا خلیفہ اور نائب مقرر کرنا چاہتا تھا اور اسے کائنات کی حکومت اور حکمرانی دینا چاہتا تھا۔ یہ کائنات بے کراں ہے۔ یہ دنیا سے کھربوں درجے حسین و جمیل ہے۔ تمام انسان اس کائنات کے وارث اور حقدار ہیں۔ تمام انسان اس کائنات کے حاکم اور حکمران ہیں۔ موت کا اس کائنات میں وجود نہ ہے۔ ہر انسان اپنی کائنات کا اکیلا حکمران ہوگا اور یہ کائنات زمین سے کئی گنا زیادہ وسیع اور حسین و جمیل ہوگی۔ یہ کائنات ابدی ہوگی۔ اس کائنات کا نام جنت ہوگا۔ جس کی حقیقت کا انسان نہ تصور کر سکتا ہے اور نہ ہی اسے الفاظ میں بیان کر سکتا ہے۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی سے انسان اب یہ جان چکا ہے کہ یہ دنیا کائنات میں ایک ذرے سے زیادہ اہمیت نہ رکھتی ہے۔ انسان یہ بھی جان چکا ہے کہ آسمان پر کئی دنیائیں وجود ہیں۔ انسان ان کو تلاش کر رہا ہے اور ان تک رسائی کی کوشش کر رہا ہے، لیکن وہ اب

تک کامیاب نہ ہو سکا ہے۔ وہ صرف چاند تک جا چکا ہے جہاں دنیا کا وجود نہ ہے۔ لیکن اسے یقین کامل ہے کہ کائنات میں بیشمار دنیائیں موجود ہیں۔ وہ ان دنیاؤں میں سے کسی دنیا تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے، لیکن وہ اس مہم میں کامیاب ہوتا نظر نہ آتا ہے، چونکہ جن ستاروں اور سیاروں کو وہ دیکھ رہا ہے وہ صرف آسمان کی دنیا کے ستارے ہیں جن کو محض دنیا کی خوبصورتی اور شیطان کو آسمان پر جانے سے روکنے کیلئے بنایا گیا ہے۔ شیطان اور اس کے حواری ان ستاروں سے آگے نہ جا سکتے ہیں۔ اس طرح ان کا ستاروں سے آگے آباد دنیا تک پہنچنا نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے۔ اللہ نے انسان کو ستاروں سے آگے جانے کا راستہ بتا دیا ہے۔ انسان یہ راستہ کسی راکٹ میں بیٹھ کر طے نہ کر سکتا ہے بلکہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات کو اپنا کر بغیر کسی راکٹ کے آن واحد میں طے کر سکتا ہے۔

یہ دنیا غیر آباد تھی اللہ نے اسے آباد کیا۔ یہ دنیا ویران اور کھنڈرات تھی اللہ نے اسے حسن و جمال عطا کیا۔ یہ دنیا مردہ تھی اللہ نے اسے زندگی عطا کی۔ انسان صرف روح کی شکل میں موجود تھا اللہ نے اسے جسم، شکل و صورت اور شعور عطا کیا۔ انسان کمزور تھا اللہ نے اسے طاقت عطا کی۔ وہ لاچار اور مجبور تھا لیکن اللہ نے اس کے لئے زمین، اس کی مخلوقات، چاند اور سورج کو اس سامنے مسخر کر دیا۔ انسان گمراہ تھا اللہ نے اسے ہدایت عطا کی۔ انسان مشکل اور پیچیدہ راستوں میں کھو گیا تھا اللہ نے اسے صراط مستقیم عطا کیا۔ انسان انسان کے بنائے ہوئے ضابطوں کی وجہ سے ظلم و استحصال کا نشانہ بن رہا تھا اللہ نے اسے اپنا ضابطہ حیات عطا کر دیا۔ انسان شیطان اور اس کے حواریوں کے چنگل میں گرفتار ہو چکا تھا اللہ نے اسے اس گرفت سے آزاد کرایا۔ انسان ایک جانور کی طرح زندگی گزار رہا تھا اللہ نے اسے انسان بنایا۔ انسان مردہ تھا اللہ نے اسے زندہ کیا۔ انسان موت کے ہاتھوں بے بس تھا اللہ نے انسان کو موت پر غلبہ عطا کر دیا۔ انسان کی روح جسم کے خول میں قید تھی اللہ نے اس کی روح کو اس خول سے آزاد کیا۔ انسان کی سوچ دنیا تک محدود تھی اللہ نے اسے کائنات تک وسیع کیا۔ انسان اس حقیر دنیا کو ہی اپنا مقدر خیال کرتا تھا اور چند سالہ زندگی کو ہی اپنی حیات سمجھتا

تھا اللہ نے کائنات کی دنیاؤں کا شعور دیا اور حیات جاوداں کا نسخہ بتایا۔ انسان چند سالہ خوشحال زندگی کو ہی اپنی معراج سمجھتا تھا اللہ نے جنت کی ابدی خوشحال زندگی کا پتہ بتایا۔

جنت آسمانوں پر ہے۔ ہر انسان کی اپنی ایک جنت ہے۔ یہ جنت اس وقت چٹیل میدان ہے۔ انسان نے اس جنت کو خود ہی آباد کرنا ہے۔ انسان اس جنت کو جتنا چاہے وسیع و عریض کر سکتا ہے اور جتنا چاہے خوبصورت بنا سکتا ہے۔ اس جنت کو آباد کرنے کیلئے انسان کے پاس بہت کم وقت ہے۔ اگر انسان اللہ کے دیئے ہوئے ضابطے کے مطابق زندگی گزارنا شروع کر دے تو اس کی جنت آباد ہونا شروع ہو جائے گی۔ جیسے جیسے انسان اس ضابطہ حیات پر خلوص اور سختی سے عمل کرتا جائے گا ویسے ویسے اس کی جنت وسیع اور خوبصورت ہوتی چلی جائے گی اور جب انسان اس محنت شاقہ کے بعد دنیا سے روانہ ہوگا تو اللہ اس کو اتنا وسیع و عریض اور خوبصورت بنا چکے ہوں گے کہ انسان اپنی جنت کو دیکھ کر حیران رہ جائے گا۔ وہ اپنی جنت کو دیکھ کر خیال کرے گا کہ اس سے بڑی جنت اور حسین و جمیل جنت کسی اور انسان کی نہ ہے، لیکن وہ انبیاء، اہل بیت، صحابہ، طابعین، طبع طابعین، اولیاء اللہ اور صالحین اور شہداء کی جنتوں کو دیکھ کر اپنی جنت کو حقیر خیال کرے گا۔ آج انسان اللہ کے ضابطہ حیات کو اپنا کر اور انبیاء، اہل بیت، صحابہ، طابعین، طبع طابعین، اولیاء اللہ، صالحین اور شہداء کے نقش قدم پر چل کر اور ان کی غلامی اختیار کر کے اپنی جنت کو بھی وسیع و عریض اور حسین و جمیل بنا سکتا ہے۔ اگر انسان نے اپنی زندگی میں محنت نہ کی تو اس کی جنت چھوٹی رہ جائے گی اور وہ زیادہ خوبصورت بھی نہ ہوگی۔ کیا انسان اپنی جنت کو وسیع و عریض اور حسین و جمیل نہ دیکھنا چاہتا ہے تو پھر وہ محنت اور مشقت سے کیوں گھبراتا ہے۔ انسان اپنی دنیا کی خوشحالی کیلئے دن رات محنت کرتا ہے جہاں وہ پل بھر کا مہمان ہے تو پھر وہ اس جنت کیلئے کیوں تگ و دو نہیں کرتا جہاں اس نے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے زندہ رہنا ہے۔ کاش انسان جنت کی حقیقت کو جان جائے تاکہ وہ دنیا کی زندگی میں محنت و مشقت کر کے اسے حاصل کر سکے۔ اگر انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ جنت بغیر تگ و دو کے حاصل کر لے گا تو یہ اس کی خام خیالی

ہے۔ جنت صرف اسی انسان کو ملے گی جو آج اس کی حقیقت کا اقرار کرتا ہے اور اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جو انسان آج جنت کی حقیقت کا انکار کرتا ہے وہ کبھی جنت کو حاصل نہ کر سکے گا۔ جنت دنیا کی طرح نہیں جو ماننے والوں اور انکار کرنے والوں دونوں کو حاصل ہو جائے۔ دنیا میں ماننے والے اور انکار کرنے والے رہ سکتے ہیں لیکن جنت میں صرف ماننے والے ہی داخل ہو سکیں گے اور رہ سکیں گے۔ انکار کرنے والوں کو ایک علیحدہ دنیا سے واسطہ پڑے گا جس کا نام دوزخ ہے، جو آگ کا آلاؤ ہے اور جس کا ایندھن انکار کرنے والے انسان اور پتھر ہیں۔

انسان اپنے باغیوں اور نافرمانوں کو سزا دیتا ہے اور انکے لئے جیل خانے تعمیر کرتا ہے، اللہ نے بھی اپنے باغیوں اور نافرمانوں کیلئے دوزخ تیار کر رکھا ہے، جہاں ان کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اذیت ناک سزا دی جائے گی۔ باغی اور نافرمان انسان دوزخ کی سزا سے کسی طرح بچ نہ سکیں گے۔ وہاں وہ نہ کوئی سفارش لڑا سکیں گے نہ کسی کو رشوت دے سکیں گے اور نہ ہی ان کا کوئی دوست اور مددگار ان کو اس سزا سے بچا سکے گا۔ انسان دنیا کی آگ کو برداشت نہ کر سکتا ہے بھلا وہ دوزخ کی آگ کو کیسے برداشت کر سکے گا۔

انسان دنیا کی سزاؤں سے بچنے کیلئے طرح طرح کی ترکیبیں نکالتا ہے اور چالیں چلتا ہے حالانکہ ان سزاؤں کی دوزخ کی سزا کے مقابلے میں کوئی اہمیت اور حیثیت نہ ہے، تو پھر وہ اپنے آپ کو دوزخ کی سزا سے بچنے کا کوئی تسلی بخش اور خاطر خواہ انتظام کیوں نہ کرتا ہے۔ انسان دنیا میں اس وقت تک فکرمند رہتا ہے جب تک اسے یہ یقین نہیں ہو جاتا کہ اسے سزا نہ ہو گی چاہے وہ یہ یقین رشوت دیکر حاصل کرے یا سفارش سے، لیکن عجیب بات ہے کہ انسان کو دوزخ کی سزا کا کوئی فکر نہ ہے جہاں اس کے پاس نہ رشوت ہو گی نہ سفارش، انسان کو چند ماہ اور سال کی سزا غمگین کر دیتی ہے، لیکن دوزخ کی ابدی سزا کا وہ مذاق اڑاتا ہے۔ انسان انسان کو سزا دینے کا اہل سمجھتا ہے، لیکن نعوذ باللہ، اللہ کو سزا دینے کا اہل نہ سمجھتا ہے۔ انسان انسان کے بنائے ہوئے ضابطوں کو توڑنے سے خوفزدہ ہوتا ہے، لیکن وہ اللہ کے

ضابطے کو دن رات توڑتا رہتا ہے، اور اسے احساس تک نہ ہوتا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے انسان ہر وقت انسان سے ڈرتا رہتا ہے، لیکن اللہ سے وہ قطعاً خوفزدہ نہ ہوتا ہے۔ انسان انسان کے ضابطوں کو توڑ کر اپنے آپ کو مجرم اور باغی خیال کرتا ہے، لیکن اللہ کے ضابطے کو توڑ کر اپنے آپ کو اللہ کا مجرم اور باغی خیال نہ کرتا ہے۔

انسان کا باغی اور نافرمان انسان دوسرے انسان سے کسی انعام کی توقع نہ رکھتا ہے، لیکن اللہ کا باغی اور نافرمان اللہ سے دوزخ کی نہیں بلکہ جنت کی توقع رکھتا ہے۔ کیا انسان کا یہ رویہ مجنونانہ نہیں اور اگر یہ مجنونانہ رویہ ہے تو پھر انسان اپنے آپ کو کیسے دانشمند اور عقلمند کہہ سکتا ہے۔ کیا دوزخ کی حقیقت کو تسلیم کرنا اور اس کی سزا سے اپنے آپ کو بچانا دانشمندی اور عقل مندی نہ ہے اور اگر یہ واقعی دانشمندی اور عقلمندی ہے تو پھر انسان خود کو بچانے کا مظاہرہ کیوں نہ کرتا ہے۔ انسان جان بوجھ کر اگر ایسا رویہ اختیار کرتا ہے تو پھر وہ دوزخ کی سزا سے اپنے آپ کو کیسے بچا سکے گا اور اگر انسان دوزخ کی سزا سے نہ بچ سکا تو پھر وہ زندہ کیسے رہ سکے گا اور کیا ایسی زندگی زندگی ہے۔ انسان ایسی اذیت ناک زندگی کو اپنا مقدر کیوں بناتا ہے۔ ایسی زندگی میں کوئی خوبی اور بھلائی ہے کہ انسان اسے ترک کرنے پر تیار نہیں۔ کاش انسان دوزخ کی حقیقت کو جان سکے تاکہ وہ اپنے آپ کو ابدی اذیتناک زندگی سے بچا سکے۔ اگر آج انسان نے اپنے آپ کو دوزخ سے نہ بچانے کی راہ اختیار نہ کی تو کل وہ دوزخ سے بچ نہ سکے گا۔

جنت اور دوزخ ایک حقیقت ہیں۔ انسان بدی سے منہ موڑ کر اور نیکی کو اختیار کر کے جنت کو حاصل کر سکتا ہے اور دوزخ سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔ موت سے پہلے پہلے انسان کو چاہئے کہ جنت حاصل کرنے کا عمل اختیار کرے تاکہ اذیت ناک دوزخ سے نجات پالے وگرنہ موت کے بعد وہ نہ جنت کو حاصل کر سکے گا نہ دوزخ سے بچ سکے گا۔ کاش انسان جنت اور دوزخ کی حقیقت کو جان سکے، وگرنہ موت کے بعد تو وہ ان کی حقیقت کو ضرور جان لے گا، لیکن اس وقت وہ بے بس، لاچار اور مجبور ہوگا لہٰذا دوزخ اس کا مقدر ہو

گا۔ سورج دوزخ کی ایک علامت ہے، جو زمین سے بہت دور ہونے کے باوجود ناقابل برداشت درجہ حرارت رکھتا ہے، اگر یہ ہی سورج زمین کے قریب آجائے یا انسان کو اس کے قریب کر دیا جائے تو کیا وہ زندہ رہ سکتا ہے۔ سورج کو زمین سے دور کس نے رکھا ہوا ہے؟ کیا انسان نے اسے فاصلہ پر رکھا ہوا ہے یا اللہ نے، ظاہر ہے اللہ نے انسان کو زندہ رکھنے کیلئے اسے زمین سے فاصلہ پر رکھا ہوا ہے لیکن جب اللہ نافرمان اور باغی انسانوں کو سزا دینے کا فیصلہ کر لے گا تو یہ ہی سورج زمین کے نزدیک آ جائے گا یا یہ زمین سورج کے نزدیک چلی جائے گی۔ کیا اللہ کے سوا انسان کو کوئی اور دوسرا اس صورتحال سے بچا سکتا ہے؟ کیا اللہ کے سوا کوئی اور دوسرا انسان کو ستاروں اور سیاروں سے آگے موجود دنیا میں لیجا سکتا ہے۔ اگر کوئی انسان ایسا نہ کر سکتا ہے تو پھر انسان اللہ کو اپنا رب مان کر اس کی اطاعت کیوں نہ کرتا ہے۔ انسان اللہ کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات کو اپنی زندگی کا ضابطہ حیات کیوں نہ بناتا ہے۔ انسان بدی کو چھوڑ کر نیکی کو کیوں اختیار نہ کرتا ہے۔ انسان جنت کو کیوں حاصل کرنے کی کوشش نہ کرتا ہے۔ انسان دوزخ سے بچاؤ کا انتظام کیوں نہ کرتا ہے۔ کیا جنت اور دوزخ سے بے خبر انسان باشعور، عقلمند، مہذب اور ترقی یافتہ انسان کہلا سکتا ہے؟ کیا ایسا انسان دیوانہ نہ ہے؟ ایک دیوانہ انسان زمین سے آسمان تک کیسے پرواز کر سکتا ہے؟ کاش انسان دیوانگی کو چھوڑ کر عقل کا دامن تھام لے تا کہ وہ اپنے آپ کو ہلاکت اور تباہی سے بچا کر ابدی سلامتی کو اپنا مقدر بنا سکے۔ جنت اور دوزخ دونوں انسان کے اپنے اختیار میں ہیں جس کو وہ چاہے اپنے لئے منتخب کر سکتا ہے، لیکن اس کا یہ ہی انتخاب اس کا مقدر بن جائے گا۔ انسان آج جنت کو اپنا مقدر بنا سکتا ہے، انسان آج دوزخ کو اپنا مقدر بننے سے بچاؤ کا انتظام کر سکتا ہے لیکن موت کے بعد وہ بے بس اور مجبور ہو جائے گا۔ وہ یا تو جنت میں ابدی خوشحال زندگی گزارے گا یا پھر دوزخ میں ابدی اذیت ناک زندگی گزارنے پر مجبور ہو گا۔

آج بے شک انسان اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے جنت اور دوزخ کی حقیقت کا انکار کرے لیکن موت اور قیامت کے بعد وہ ان حقائق کا انکار نہ کر سکے گا۔ وہ جنت اور

دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا اور زبان سے ان کا اقرار کرے گا، لیکن یہ اقرار اسے مایوسی اور ناامیدی کے سوا کچھ فائدہ نہ دے سکے گا، چونکہ اس وقت وہ جزا اور سزا کے عمل سے گزر رہا ہوگا اور وہ اس دنیا جو دار العمل ہے سے بہت دور جا چکا ہوگا۔ انسان آج اس مایوسی اور ناامیدی سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے، لیکن کل یہ مایوسی اور ناامیدی اس کا مقدر بن جائے گی۔ کاش انسان حقیقت شناس ہو جائے۔

11۔ حقوق و فرائض کی حقیقت کو تسلیم کرنا

ایک مثالی معاشرہ کے قیام کیلئے افراد کے حقوق و فرائض کا تعین کیا جانا نہایت ضروری ہے تاکہ تمام افراد اپنے حقوق کو جان سکیں اور اپنے فرائض کو پہچان سکیں۔

دنیا کے نام نہاد مہذب معاشرے جو اپنے آپ کو ترقی یافتہ کہلاتے ہیں، افراد پر فرائض کا بوجھ اتنا زیادہ ڈالتے ہیں کہ حقوق اپنی اہمیت اور حیثیت کھو دیتے ہیں۔ آزادی انسان کا ایک بنیادی حق ہے جو جانوروں کو بھی حاصل ہے، لیکن اس حق کو ضابطوں میں اس طرح جکڑ دیا گیا ہے کہ یہ حق اب حق نہ رہا ہے بلکہ بخشش بن گیا ہے۔ اس حق کی دن رات خلاف ورزی ہوتی رہتی ہے اور حقوق کے متلاشی انسان حاکموں اور عدالتوں میں دادرسی کی بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ اپنے حقوق سے محروم رہتے ہیں اور اگر ان کے حقوق کو تسلیم بھی کیا جاتا ہے تو انسان اتنی تکلیف اور اذیت اٹھا چکا ہوتا ہے کہ حقوق کا حصول اس کیلئے بے معنی ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ خود ہی اپنے حق سے دستبردار ہو کر اپنے آپ کو ظلم و استحصال کے حوالے کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

انسان بات چیت کرنے میں آزاد ہے لیکن وہ ظالم اور غاصب کیخلاف آواز بلند کرنے کے قابل نہیں اور اگر وہ غلطی سے کبھی ایسا کرتا ہے تو وہ اپنی زبان اور جان دونوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ انسان تحریر میں آزاد ہے لیکن وہ اپنے ظلم کی داستان تحریر کرنے میں آزاد نہ ہے۔ انسان خوراک، رہائش اور علاج معالجے کے بنیادی حقوق رکھتا ہے، لیکن اپنی تمام عمر جدوجہد کے باوجود ان کو حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوتا ہے۔ انسان اپنی جان،

اپنے مال اور اپنی آبرو کا حق رکھتا ہے لیکن اس کے ان حقوق کو دن رات پامال کیا جاتا ہے، لیکن مجرموں کو سزا دینے والا کوئی نہ ہے اور اگر کسی کو سزا بھی ہوتی ہے تو پھر بھی ان حقوق کی ضمانت دینے والا کوئی نہیں کہ اب کبھی انکو پامال نہ کیا جائے گا۔ انسان زندہ رہنے کا بنیادی حق رکھتا ہے لیکن اسے زندہ رکھنے کا کوئی انتظام موجود نہ ہے بلکہ ہر طرف اس کی ہلاکت اور موت کے جال پھیلے نظر آتے ہیں۔ ہلاکت کے ان جالوں کو تباہ کرنے والا کوئی نہ ہے۔

بنیادی حقوق کی تقسیم بھی عجیب ہے۔ چند مخصوص انسانوں کو تو تمام حقوق حاصل ہوتے ہیں لیکن باقی تمام انسانوں کو زندہ رہنے کا بھی حق نہ دیا گیا ہے۔ نام نہاد حقوق کے بدلے انسانوں کو زرخرید غلام بنالیا گیا ہے اور ان غلاموں کو وہ حقوق بھی حاصل نہیں جو غلاموں کو حاصل ہونے چاہئیں۔ اس طرح آج کے ترقی یافتہ اور مہذب معاشرے میں رہنے والے انسان غلام ہونے کے باوجود اپنے حقوق سے محروم ہیں۔ یہ انسان تمام فرائض تو ادا کررہا ہے لیکن اسے کوئی حق حاصل نہیں۔

اب آئیں ہم دیکھیں کہ اللہ کے نزدیک حقوق و فرائض کی کیا حقیقت ہے۔ عالم ارواح میں انسان سے اللہ نے صرف یہ پوچھا تھا کہ کیا وہ اس کا رب نہیں؟ انسان نے اثبات میں جواب دیا تھا۔ انسان نے یہ جواب حقیقت کو تسلیم کر کے دیا تھا چونکہ واقعی اللہ انسان کا رب تھا۔ انسان نے کوئی اللہ کی خوشامد نہ کی تھی۔ انسان کو یہ جواب دینے پر مجبور نہ کیا گیا تھا بلکہ اس نے اپنی آزاد مرضی سے حقیقت کے مطابق جواب دیا تھا۔

اللہ انسان کی اس حقیقت شناسی پر اتنا خوش ہوا کہ اسے اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر زمین پر اسے اپنی خلافت دینے کا اعلان کر دیا۔ اللہ نے حضرت آدم کے بت کو اپنے مبارک ہاتھوں سے تیار کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی۔ اگر اللہ چاہتا تو کن فیکون کے ذریعے تمام انسانوں کو بیک وقت تخلیق کر کے زمین پر بھیج سکتا تھا، لیکن اللہ چونکہ انسان سے محبت کرتا تھا لہٰذا اس کی تخلیق اور افزائش کا ایک ایسا سلسلہ بنایا کہ انسان کا تعلق انسان اور اللہ سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے استوار ہو گیا۔ حضرت حوا کو حضرت آدم کی پسلی سے پیدا کر کے میاں بیوی میں

لازوال محبت کا رشتہ قائم کر دیا۔ ماں کے بیضے اور باپ کے نطفے سے بچے کو پیدا کر کے اور اس میں اپنی روح پھونک کر بچے کا رشتہ ماں، باپ اور اللہ سے پیدا کر دیا اور پھر تمام انسانوں کو اپنا بندہ بنا کر ان کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ حضرت آدم اور حضرت حوا کو جنت میں رکھ کر ان کو جنت اور جنت کو ان سے مانوس کر دیا تا کہ اولاد آدم جنت میں واپس آنے کی تگ و دو کرے اور جنت اولاد آدم کو اپنے اندر بسانے کا اشتیاق رکھے۔

زمین کو انسان کی آمد سے پہلے آباد کیا گیا۔ انسان کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر اسے تمام ضروری خزانوں سے بھر دیا گیا۔ اسے حسن و جمال عطا کیا گیا۔ چاند اور سورج کو انسان کی خدمت پر مامور کر دیا گیا۔ آسمان کو ستاروں سے مزین کیا گیا تا کہ انسان کو ایک خوبصورت اور مزین دنیا میں رکھا جا سکے۔ بچے کی آمد کے فوراً بعد ماں کے پستانوں میں دودھ ڈال دیا گیا تا کہ اس کی خوراک کا انتظام کیا جا سکے۔ بچے کو ماں کی محبت باپ کی شفقت اور دوسرے انسانوں کا پیار عطا کیا تا کہ اس کی پرورش ایک شہزادے کی طرح کی جا سکے۔ بچے کی نشو ونما اور خوراک کیلئے طرح طرح کے میوے اور پھل پیدا کئے۔ اس کو کان، آنکھیں، دماغ اور شعور دیا۔ اسے نیک فطرت پر پیدا کیا۔ اس کی ہدایت کیلئے اسے الہام سے نوازا، رسول بھیجے اور الہامی کتابیں عطا کیں۔ اس کے ماں باپ اور دوسرے انسانوں کو اس کا معلم بنایا تا کہ وہ اس کی تربیت اچھی طرح کر سکیں۔ بلوغت سے پہلے پہلے اسے تمام حقوق دیئے، لیکن اس پر کوئی فرض عائد نہ کیا۔ سن بلوغت پر پہنچنے کے بعد اسے فرائض سے روشناس کرایا، لیکن یہ حقوق و فرائض کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہ رکھتے ہیں۔ انسان کی فطرت کے مطابق اسے اور تمام حقوق دیئے، اسے صحت مند جسم اور عقل و شعور سے بھرا ہوا ذہن عطا کیا۔ اسے بیوی اور بچے عطا کئے، اسے طرح طرح کی نعمتیں عطا کیں۔ اس کے لئے جنت کو بنایا اور اسے اس کا وارث بنا دیا۔ اللہ نے انسان کو اتنی نعمتیں دیں کہ وہ ان کا شمار نہ کر سکتا ہے۔ بے شمار نعمتیں انسان کی منتظر ہیں۔ ان لامحدود نعمتوں کے بدلے انسان پر صرف ایک ہی فرض عائد کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کو اپنا رب تسلیم کر کے اس کی بندگی کرے۔ اس کے رسول

حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا رسول تسلیم کر کے ان کی اطاعت کرے اور اللہ کی کتاب قرآن حکیم کو اللہ کی آخری الہامی کتاب تسلیم کر کے اس کو اپنا ضابطہ حیات بنا لے۔

انسان اگر اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا جائزہ لے اور انکو محسوس کرے تو یہ فرض کوئی مشکل کام نہ ہے یہ فرض تو حاصل شدہ نعمتوں کا بدل بھی نہ بن سکتا ہے چہ جائیکہ جنت کا بدل اسے قرار دیا جائے۔ اللہ نے یہ دنیا انسان کو بلا کسی محنت اور مشقت کے دی ہے۔ یہ دنیا انسان کو صرف ایک حقیقت کا زبانی اقرار کرنے پر دی گئی ہے، اگر انسان اللہ، رسول اور قرآن حکیم کی حقیقت کا عملی ثبوت فراہم کر دے تو ایک جنت تو کیا کئی جنتیں انسان حاصل کر سکتا ہے۔ کیا دنیا کا کوئی بادشاہ، حاکم، عاجز انسان کو اتنی زیادہ اجرت دے سکتا ہے، اگر نہیں دے سکتا اور یقیناً نہ دے سکتا ہے تو پھر انسان اللہ کا ملازم اور غلام کیوں نہ بن جاتا ہے۔ کاش انسان اللہ کا غلام بن کر حقوق کی لازوال نعمت حاصل کر سکے۔ کاش انسان غلام بن کر حاکم اور بادشاہ بن سکے۔ کاش انسان اپنے فرض کو پہچان سکے تا کہ لامحدود حقوق کا کچھ تو حق ادا ہو سکے۔ کاش انسان انسانوں کے حقوق کو سلب نہ کر سکے۔

12۔ تقدیر کی حقیقت کو تسلیم کرنا

کسی چیز یا شے کے بارے میں مکمل علم رکھنا اس چیز یا شے کی تقدیر ہوتی ہے۔ اللہ چونکہ کائنات کی ہر شے کا خالق ہے لہٰذا وہ ہر شے کا مکمل علم رکھتا ہے۔ لہٰذا اللہ کائنات کی ہر شے کی تقدیر بنانے والا ہے۔ اللہ یہ مکمل علم رکھتا ہے کہ کس شے میں کیا ہے اس کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں۔ اس کی ابتدا کیا ہے۔ اس کی انتہا کیا ہے۔ اس میں کون کونسی خوبیاں ہیں۔ اس میں کون کونسی خامیاں ہیں۔ خوبیوں کو کیسے بڑھایا جا سکتا ہے اور خامیوں پر کیسے قابو پایا جا سکتا ہے۔ کون سی چیزیں اس کیلئے نقصان دہ ہیں اور کونسی چیزیں اس کیلئے مفید ہیں۔ کن چیزوں کو اختیار کر کے اس کی استعداد کو بڑھایا جا سکتا ہے اور کن چیزوں سے اجتناب کر کے اسے نقصان سے بچایا جا سکتا ہے۔ کن احتیاطی تدابیر کو اختیار کر کے اس کی زندگی کو طویل کیا جا سکتا ہے اور کن خطرات سے اسے محفوظ رکھ کر اسے تباہ ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔

اس طرح اللہ ہر چیز کے بارے میں اول سے آخر تک مکمل معلومات رکھتے ہیں۔
انسان چونکہ اللہ کی ایک مخلوق ہے لہٰذا اللہ انسان کے بارے میں بھی مکمل معلومات رکھتا ہے۔ اللہ ہر انسان کے بارے میں مکمل معلومات رکھتا ہے، لہٰذا اللہ ہر انسان کی تقدیر کا خالق ہے۔ اللہ نے انسان کو بتا دیا ہے کہ وہ روح اور جسم کا مجموعہ ہے۔ انسان کے اندر نفس امارہ اور نفس لوامہ موجود ہے۔ نفس لوامہ انسان کا دوست ہے جبکہ نفس امارہ اس کا دشمن ہے۔ اللہ نے انسان کو عقل وشعور عطا کیا ہے، اللہ نے انسان کو نیکی اور برائی کا راستہ دکھا دیا ہے۔ اللہ نے انسان کی ہدایت اور بھلائی کیلئے اسے الہام، رسالت اور الہامی کتب دی ہیں۔ اللہ نے انسان کو بتا دیا ہے کہ اللہ، اللہ کے رسول ﷺ اور الہامی کتب سب اس کے دوست ہیں۔ انسان کو یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ شیطان اور اس کے حواری سب اس کے دشمن ہیں۔ انسان کو ایک ضابطہ حیات دیا گیا ہے اور اسے بتا دیا گیا ہے کہ وہ اس کو اختیار کر کے دنیا کی خلافت، حکومت اور حکمرانی حاصل کر سکتا ہے اور مرنے کے بعد جنت کا وارث بن سکتا ہے۔ انسان پر موت کو مسلط کر کے اسے بتا دیا گیا ہے کہ اس کا دنیا میں قیام عارضی ہے اور اسے حیات دے کر بتا دیا گیا ہے کہ موت کی وادی میں قیام بھی عارضی ہے۔ انسان کو جنت اور دوزخ کے بارے میں بتا کر اختیار دیدیا گیا ہے کہ وہ جس کو چاہے منتخب کرے۔
اس طرح اللہ انسان کی تقدیر کا خالق ضرور ہے لیکن تقدیر بنانے والا نہ ہے۔ تقدیر بنانے والا انسان خود ہے۔ وہ چاہے تو نفس لوامہ کو اپنا دوست بنا لے، چاہے تو اسے اپنا دشمن بنا لے۔ وہ چاہے تو نفس امارہ کو اپنا دوست بنا لے یا دشمن وہ چاہے تو اللہ کو اپنا رب اور کارساز بنا لے، چاہے تو شیطان کو اپنا رب اور کارساز بنا لے، وہ چاہے تو اللہ کو اپنا دوست بنا لے اور چاہے تو شیطان کو اپنا دوست بنا لے۔ وہ چاہے تو اللہ کے رسول ﷺ کو اپنا ہادی بنا لے اور چاہے تو شیطان کے حواریوں کو اپنا پیشوا بنا لے۔ وہ چاہے تو کتاب وسنت کو اپنا نظام حیات بنا لے اور چاہے تو اپنی نفسانی خواہشات اور طاغوتی نظریہ حیات کا غلام بن جائے۔ وہ چاہے تو دنیا کی خلافت، حکومت اور حکمرانی حاصل کر لے اور چاہے تو انسان کی غلامی اختیار

کر لے۔ وہ چاہے تو موت کا شکار ہو جائے اور چاہے تو موت کو اپنا شکار بنا لے۔ وہ چاہے تو زندگی کو موت میں بدل لے اور چاہے تو موت کو حیات میں تبدیل کر لے۔ وہ چاہے تو دنیا کو اپنی جنت بنا لے اور چاہے تو اسے جنت کا ذریعہ بنا لے۔ وہ چاہے تو دنیا دے کر کائنات خرید لے اور چاہے تو اپنی زندگی دے کر دنیا کی خوشحالی کے چند لمحے حاصل کر لے۔ وہ چاہے تو دنیا کے بدلے جنت لے لے اور چاہے تو دنیا سے محروم ہو کر دوزخ خرید لے۔ کیا انسان ان سب کاموں میں آزاد نہ ہے، اگر وہ آزاد ہے تو پھر کیا وہ اپنے مقدر کا سکندر نہ ہے۔ اگر وہ اپنی تقدیر کا مالک ہے تو پھر وہ تقدیر کے خالق سے کیسے شکایت کر سکتا ہے۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے تقدیر کے مسئلے کو سمجھنا آسان بنا دیا ہے۔ انسان نے بیشمار ایجادات کی ہیں، جن کا وہ خالق ہونے کے ناطے قادر تقدیر بھی ہے۔ انسان اپنی ایجادات کے بارے میں مکمل معلومات رکھتا ہے۔ وہ اپنی ایجادات کے بارے میں کتابچے جاری کرتا ہے اور ہدایت نامے جاری کرتا ہے تاکہ ان سے زیادہ بہتر طور پر اور زیادہ دیر تک مستفید ہوا جا سکے۔ یہ ایجادات بے اختیار ہونے کی وجہ سے انسان کی مکمل طور پر غلام ہوتی ہیں۔ انسان نے صرف ان ایجادات کو آپریٹ کرنا ہوتا ہے، لیکن انسان عقلمند، باشعور اور تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود اکثر غلطیاں کر جاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ ایجادات کو بھی نقصان پہنچاتا ہے اور خود بھی نقصان اٹھاتا ہے۔ کیا کوئی موجد انسانی غلطی کو اپنی غلطی یا اپنی ایجاد کی غلطی تسلیم کرنے کیلئے تیار ہوتا ہے۔ کیا کوئی انسان اپنی غلطی کی ذمہ داری موجد پر یا اس کی ایجاد پر ڈال کر خود اپنی غلطی سے دستبردار ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کوئی موجد انسانی غلطی کو اپنی غلطی یا اپنی ایجاد کی غلطی تسلیم کرنے کیلئے تیار نہ ہوتا ہے تو پھر انسان اپنی غلطیوں اور خطاؤں کو اپنی تقدیر کے ذمے ڈال کر اپنی غلطیوں اور خطاؤں سے کیسے بری الذمہ ہو سکتا ہے، حالانکہ وہ ایجادات کے برعکس مکمل طور پر آزاد اور خود مختار ہوتا ہے۔ اس طرح اس کی غلطی اور خطا میں ایجاد کی کسی فنی خرابی کا بالکل کوئی احتمال نہ ہے۔ ایجادات میں فنی خرابی کا احتمال ہو سکتا ہے لیکن یہ احتمال صرف انسان کی تخلیق کردہ ایجادات میں ہی ہو سکتا ہے چونکہ

انسان اللہ کی تخلیق ہے لہٰذا اس میں کسی فنی خرابی کا تصور بھی نہ کیا جا سکتا ہے۔ انسان اللہ کی بہترین مخلوق ہے جسے اللہ نے خود احسن الخالقین قرار دیا ہے، لہٰذا انسانی تخلیق میں کوئی فنی خرابی نہ ہے۔ جو بھی انسان غلطی کرتا ہے سوچ سمجھ کر اور جان بوجھ کر کرتا ہے اور اگر وہ اپنی غلطی کو اپنی عادت بنالیتا ہے تو پھر وہ اپنی غلطیوں کی ذمہ داری نہ اپنے خالق پر ڈال سکتا ہے اور نہ ہی انہیں اپنی تقدیر کے کھاتے میں ڈال کر معصوم اور بے قصور ہو سکتا ہے۔

اگر انسان اپنی تقدیر کے ہاتھوں مجبور ہے تو پھر مہذب اور ترقی یافتہ انسان نے دنیا میں جزا اور سزا کا نظام کیوں قائم کر رکھا ہے؟ عدل و انصاف کیلئے عدالتوں کا جال کیوں پھیلا رکھا ہے؟ مجرموں کی سزا کیلئے جیلوں کے نظام کو کیوں قائم کر رکھا ہے؟ ظاہر ہے انسان انسان کو آزاد اور خود مختار قرار دیتا ہے اسی وجہ سے وہ اسے جزا اور سزا دیتا ہے۔ اگر انسان کو انسان مجبور تسلیم نہ کرتا ہے تو اللہ انسان کو کیسے مجبور تسلیم کر سکتا ہے۔ حقیقت میں انسان آزاد اور خود مختار ہے لیکن وہ اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں پر پردہ پوشی کیلئے اپنے آپ کو مجبور قرار دیکر اللہ کو دھوکہ اور فریب دینے کی ناکام کوشش کرتا ہے، لیکن وہ اللہ کو دھوکہ نہ دیتا ہے بلکہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے۔ انسان اگر حقیقت کو تسلیم کر لے تو یہ اس کے اپنے فائدے میں ہے، وگرنہ موت کے بعد وہ اس حقیقت کا انکار نہ کر سکے گا۔ اشرف المخلوقات انسان اگر مجبور ہے تو پھر دنیا میں اور کونسی مخلوق آزاد اور خود مختار ہو سکتی ہے۔ اگر انسان آزاد اور خود مختار نہ ہے تو پھر وہ دوسرے انسانوں کو اپنا غلام کیوں بناتا ہے اور دوسرے انسان کیوں انسان کی غلامی سے آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے آزاد اور خود مختار انسان ہی دوسروں کو غلام بنا سکتا ہے اور آزاد اور خود مختار انسان ہی آزادی اور خود مختاری کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

انسان کو غلام بنانے والے انسان ہی یہ پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ انسان مجبور محض ہے۔ وہ یہ پراپیگنڈہ اس لئے کرتے ہیں تاکہ انسانوں کو زیادہ دیر تک غلام بنایا جا سکے۔ انسان آزاد پیدا ہوا ہے، وہ آزاد ہے اور آزاد رہے گا اور ایک آزاد اور خود مختار انسان کی حیثیت سے ہی وہ اپنے اعمال اور افعال کا ذمہ دار ہے اور ذمہ دار رہے گا۔ دنیا میں جزا اور سزا کا

حقدار ہے اور آخرت میں بھی حساب کتاب کے بعد جزا اور سزا کا حقدار ہو گا۔ اللہ انسان کا خالق ہے اور انسان زمین پر اللہ کا ذمہ دار خلیفہ اور نائب ہے۔ اللہ نے انسان سے خلافت کا حساب کتاب لینا ہے اور اسی حساب کتاب کی روشنی میں اس کے مستقبل کا فیصلہ ہونا ہے کہ کیا وہ جنت کا وارث ہے یا دوزخ کا ایندھن ہے۔ انسان جنت کا وارث بھی بن سکتا ہے اور دوزخ کا ایندھن بھی بن سکتا ہے۔ اب انسان نے جنت اور دوزخ کا انتخاب خود کرنا ہے، انسان انسان کے بنائے ہوئے ضابطوں کو توڑ کر دنیا میں سزا پاتا ہے تو اللہ کے ضابطے کو توڑ کر آخرت کی سزا سے کیسے بچ سکتا ہے۔

یہ زمین، اس کی مخلوقات، سورج اور چاند بھی ایک تقدیر رکھتے ہیں۔ ان سب کی بھی ایک ابتداء اور انتہا ہے۔ اللہ ہی ان سب کا خالق اور تقدیر بنانے والا ہے۔ لہٰذا وہ ہی ان کی تقدیر کا کلی علم رکھتا ہے۔ انسان کے برعکس ان مخلوقات کو کوئی آزادی اور خود مختاری حاصل نہ ہے۔ انسان آزاد اور خود مختار ہوتے ہوئے اگر اپنی تقدیر کا غلام ہے تو پھر یہ مخلوقات اپنی تقدیر سے آزاد کیسے ہو سکتیں ہیں۔ انسان کا یہ گمان کہ یہ مخلوقات حادثات کا نتیجہ ہیں اور انہوں نے حادثات کا شکار ہو کر تباہ و برباد ہونا ہے بالکل غلط ہے۔ ان مخلوقات کو اللہ نے ایک مقصد کے تحت منصوبہ بندی سے بنایا ہے اور جب یہ مقصد پورا ہو جائے گا تو ایک منصوبے کے تحت ان کو فنا کر دیا جاے گا۔ زمین کو انسان کی رہائش اور معیشت کیلئے تخلیق کیا گیا ہے۔ چاند اور سورج زمین کو زندہ رکھنے کیلئے بنائے گئے ہیں۔ جب تک انسان نے اس زمین پر آباد رہنا ہے زمین آباد رہے گی اور انسان کی معیشت کی ذمہ داری پوری کرتی رہے گی۔ سورج اور چاند بھی اپنے فرائض ادا کرتے رہیں گے، لیکن جوں ہی انسان کا قیام ختم ہونے کا وقت آ جائے گا یہ زمین، سورج اور چاند فنا ہو جائیں گے۔ انسان قیامت سے دوچار ہو جائے گا۔ زمین تمام انسانوں کو اپنے اندر دفن کر لے گی اور جب خدا کا حکم ہو گا تمام مردہ انسانوں کو زندہ حالت میں اللہ کے سامنے پیش کر کے حق امانت سے سبکدوش ہو جائے گی۔ تمام انسان اپنے رب کی عدالت میں پیش ہوں گے، جن سے دنیا کی زندگی کا حساب

کتاب لیا جائے گا۔ جو اس حساب کتاب میں کامیاب ہوگا وہ ایک اور دنیا میں چلا جائے گا جس کا نام جنت ہے۔ جہاں وہ ابدی خوشحال، پرسکون اور پر مسرت زندگی بسر کرے گا۔ اگر وہ اس حساب کتاب میں ناکام ہو جائے گا تو پھر اسے ایک ایسی دنیا میں ابدی اذیت ناک زندگی گزارنی پڑے گی جس کا نام دوزخ ہے اور ہو سکتا ہے دوزخ یہ سورج ہی ہو۔

انسان نے اپنی شعوری زندگی ایک ذمہ دار انسان کی طرح گزارنی ہے۔ انسان نے اپنے رب کے بارے میں ایک ذمہ دارانہ رویہ اپنانا ہے۔ انسان نے رسالت کی حقیقت کو جاننا ہے۔ انسان نے الہامی کتابوں کی اہمیت کو جاننا ہے۔ انسان نے اللہ کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات کے بارے میں ایک حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کرنا ہے۔ انسان نے موت کی حقیقت اور حیات کی حقیقت کو سمجھنا ہے۔ انسان نے نفس امارہ اور نفس لوامہ کو سمجھنا ہے۔ انسان نے شیطان اور اس کے حواریوں سے خبردار رہنا ہے۔ انسان نے اللہ۔ رسول ﷺ اور ان کے دوستوں کی دوستی کو جاننا ہے۔ انسان نے شیطان اور اس کے چیلوں کی دشمنی کو سمجھنا ہے۔ انسان نے دنیا کو جاننا اور اس کی حقیقت کو سمجھنا ہے۔ انسان نے آخرت کا ادراک کرنا ہے۔ انسان نے دوزخ اور جنت کا ادراک حاصل کرنا ہے۔ انسان نے دوزخ کی اذیت ناک زندگی اور جنت کی خوشحال زندگی کا موازنہ کرنا ہے۔ انسان نے حق و باطل کی جنگ میں حصہ لینا ہے اور کامیاب ہونا ہے۔ اگر انسان نے اپنی زندگی میں نیکی اور بدی کا شعور حاصل کر لیا اور اپنے آپ کو نیک بنا لیا تو وہ اپنی تقدیر کو مثالی بنانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

لیکن اس کے برعکس اگر انسان نے عقل و شعور سے کام نہ لیا اور حقائق کو جاننے اور پہچاننے کی کوشش نہ کی یا جان بوجھ کر حقائق کا انکار کیا اور ظن و تخمین اور وہم و گمان کے سہارے اپنی زندگی کو ضائع کر دیا تو وہ ایک ایسی تقدیر کا مالک بن جائے گا جس کا مقدر ایک اذیت ناک اور دردناک ابدی زندگی ہوگی۔ وہ وہاں اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو تسلیم کرے گا مگر ان کی تلافی نہ کر سکے گا۔ انسان کے پاس اب وقت ہے وہ جس طرح چاہے اپنی تقدیر کو

بنا سکتا ہے۔ وہ جنت کو اپنی تقدیر بنا سکتا ہے اگر دوزخ اس کی تقدیر بنی ہوئی ہے تو وہ اسے بدل کر جنت کو اپنی تقدیر بنا سکتا ہے لیکن مرنے کے بعد وہ اپنی بنائی ہوئی تقدیر سے جان نہ چھڑا سکے گا۔ وہ مرنا بھی چاہے گا تو اس کی تقدیر اسے مرنے نہ دے گی۔

کاش انسان اپنی تقدیر کو مثالی بنا سکے تا کہ جب وہ اس دنیا سے رخصت ہو تو اسے دنیا چھوڑنے کا غم نہ ہو بلکہ جنت اس کے دنیا کے تمام غم بھلا دے اور وہ ابدی خوشحال زندگی کا مالک بن جائے۔ کیا انسان ابدی خوشحال زندگی کا طلبگار نہ ہے؟ اگر ہے تو پھر وہ اللہ کی عبادت اور اللہ کے رسول علیہ کی اطاعت کیوں نہیں کرتا۔ کاش انسان چند سال تک یہ عبادت اور اطاعت کر لے تا کہ وہ ابدی خوش حال زندگی حاصل کر سکے۔ اگر انسان نے یہ چند سال ضائع کر دیئے تو پھر وہ تمام عمر پچھتا تا رہے گا اور اس کی فریاد سننے والا کوئی نہ ہوگا۔ کیا چند سال کی محنت کے بدلے میں ابدی خوشحال زندگی گھاٹے کا سودا ہے۔ انسان اپنے نفع نقصان کو خوب جانتا ہے تو پھر اسے یہ اتنا بڑا نفع اور اتنا بڑا نقصان نظر نہ آتا ہے۔ کیا وہ ہوش وحواس سے عاری ہو گیا ہے؟ کیا وہ عقل وشعور سے محروم ہو گیا ہے؟ کیا وہ دنیا کی خلافت نہ چاہتا ہے؟ کیا وہ کائنات کی خلافت کا آرزومند نہ ہے؟ کیا وہ کائنات کو تسخیر نہ کرنا چاہتا ہے۔ اگر وہ یہ سب کچھ چاہتا ہے تو اپنی چند سالہ زندگی کو اللہ کے نام کیوں نہ کر دیتا ہے۔ وہ اللہ کا بندہ اور اللہ کے رسول علیہ کا غلام کیوں نہ بن جاتا ہے۔ اگر انسان جان بوجھ کر ان حقائق کا انکار کرتا ہے تو وہ انکار کرنے والوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ انسان اگر عدل وانصاف سے کام لے تو وہ ان حقائق کا انکار نہ کر سکتا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی نے ان حقائق کو سچا ثابت کر دیا ہوا ہے۔ تاریخ انسانی ان حقائق کی چشم دید گواہ ہے۔ لیکن اگر ان تمام ثبوت اور شہادت کے باوجود انسان اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہتا ہے تو وہ ایک ایسی جماعت اور قوم میں شامل ہو جاتا ہے جس کو کافر کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اگر انسان عدل وانصاف سے کام لے کر اور سائنسی اور تاریخی شواہد کو مدنظر رکھ کر ان حقائق کو خلوص دل سے تسلیم کر لیتا ہے تو وہ ایک ایسی قوم میں شامل ہو جاتا ہے جس کا نام مسلمان ہے۔ اللہ کے

تمام نبی اور رسول مسلمان تھے۔تمام انبیاء اور رسولوں کی اطاعت کرنے والے مسلمان تھے۔اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ تمام انبیاء کے سردار ہونے کے باوجود مسلمان تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے اہل بیت اور صحابہ مسلمان تھے۔طابعین طبع طابعین،صالحین اور اولیاء اللہ سب مسلمان تھے۔تمام صالحین اور اولیاء اللہ مسلمان ہیں اور تمام انسان جو اللہ کو اپنا رب اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا آخری رسول تسلیم کر کے اللہ کی عبادت اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں وہ سب مسلمان ہیں۔

مسلمان اور کافر دو الگ قومیں ہیں جو ایک دنیا میں ضرور رہتی ہیں لیکن ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں۔یہ دو قومیں ایسے دو خط مستقیم ہیں جو ساتھ ساتھ چلتے ہیں، لیکن کسی مقام پر آپس میں مل نہ سکتے ہیں۔ان کی مثال دن اور رات کی ہے جن کا آپس میں کبھی ملاپ نہ ہوتا ہے۔ان کی مثال سورج اور چاند کی ہے جو ایک آسمان میں ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے دور رہتے ہیں۔ان کی مثال سمندر میں ان کے دریاؤں کی طرح ہے جو ساتھ ساتھ بہنے کے باوجود جدا جدا ہوتے ہیں۔ان کی مثال جسم اور سایہ کی ہے جو اکٹھے ہونے کے باوجود الگ الگ رہتے ہیں۔ان دو قوموں کے ملاپ کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ انکار کرنے والی قوم اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر کائنات کے حقائق کو تسلیم کر لے، جنہیں ان کی اپنی سائنس اور ٹیکنالوجی نے سچا ثابت کر دیا ہوا ہے۔اگر نام نہاد ترقی یافتہ انسان اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کو نہیں چھوڑ کستا تو ایک باشعور، عقلمند اور حقیقت شناس انسان حقیقت کا انکار کیسے کر سکتا ہے۔اگر کوئی حقیقت شناس انسان حقیقت کو جاننے کے بعد کسی دوسرے انسان کی خوشی کیلئے یا اس کی رضامندی حاصل کرنے کیلئے حقیقت کا انکار کر دیتا ہے تو پھر وہ اپنے آپ کو اقرار کرنے والوں کی جماعت سے الگ کر کے انکار کرنے والوں کی جماعت میں شامل کر لیتا ہے۔ایسا انسان بے شک اپنے آپ کو مسلمان کہلائے وہ اللہ کی نظر میں مسلمان نہ رہتا ہے۔کیا رحمان اور شیطان دونوں اکھٹے ہو سکتے ہیں۔اگر نہیں ہو سکتے تو رحمان کو ماننے والے اور اس کی اطاعت کرنے والے اور شیطان کے پیروکار بھلا کیسے

اکٹھے ہو سکتے ہیں۔

اللہ نے اپنی آخری الہامی کتاب قرآن مجید کی سورۃ الکافرون میں اس کا فیصلہ دوٹوک الفاظ میں کر دیا ہے۔ اگر اللہ کے فیصلے کے بعد کوئی اللہ کا بندہ دوسری رائے رکھتا ہے تو اسے اپنی بندگی پر غور خوض کرنا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو اللہ اسے اپنا بندہ تسلیم کرنے س انکار کر دے۔ کیا اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کے ماننے والے ایک الگ قوم نہ تھے۔ کیا اللہ کے رسول ﷺ نے ہی سب سے پہلے سورۃ الکافرون مکہ کے کفار کو نہ سنائی تھی، جو اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ مفاہمت کے طلبگار رتھے۔ اگر رحمت اللعالمین نے کفار کے ساتھ مفاہمت کو خارج از امکان قرار دیا تو اور کوئی انسان دوست اس مفاہمت کو ممکن قرار کیسے دے سکتا ہے۔ اسلام اور کفر دو الگ الگ نظریات ہیں جن میں نہ کبھی مفاہمت ہو سکی ہے نہ ہو سکے گی۔ مفاہمت کے خواہشمندوں کو چاہیے کہ ضدی اور ہٹ دھرم انسان کو حقیقت شناسی کا درس دیں تا کہ دنیا میں صرف اللہ کی حکومت قائم ہو جائے اور دنیا میں صرف ایک قوم جو اللہ کی اطاعت کرنے والی ہو خلافت پر متمکن ہو کر دنیا کو جنت نظیر بنا کر کائنات کو تسخیر کرنے کے قابل ہو جائے۔

ملاحظہ ہو سورۃ الکافرون اور اس کا ترجمہ۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝١ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝٢ وَ لَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝٣ وَ لَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝٤ وَ لَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝٥ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝٦ (الکافرون)

"اے اللہ کے رسول کافروں کو فرما دیجیے میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ نہ تم اس کی عبادت کر سکتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ میں اس کی عبادت کرنے والا ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین میرے لئے میرا دین"۔

مسلمان اور کافر دو مختلف اور متضاد قومیں ہیں جن کے نظریہ ہائے حیات جدا جدا ہیں

حضرت آدم نے شیطان کو اپنا خیر خواہ اور بہی خواہ سمجھا تھا لیکن شیطان نے دوستی کے پردے میں حضرت آدم سے دشمنی کی اور ان کو جنت سے نکلوایا۔ آج بھی شیطان اور اس کے حواری کفار مسلمانوں کو اپنی دوستی اور خیر خواہی کے جال میں پھنسا رہے ہیں اور دوستی کے پردے میں دشمنی کر رہے ہیں، لیکن سادہ اور بھولا مسلمان اس چال کو سمجھ نہ رہا ہے، وہ شیطان اور اس کے چیلوں کو اب بھی اپنا دوست اور بہی خواہ خیال کر رہا ہے اس طرح وہ اپنے آپ کو جنت سے محروم کر رہا ہے۔ آج مسلمانوں کو کفار کی جنت بھلی اور خوبصورت لگتی ہے اور وہ اس جنت کو حاصل کرنے کیلئے اپنی حقیقی جنت کو اس جعلی جنت پر قربان کر رہا ہے، لیکن موت کے بعد اسے معلوم ہو جائے گا کہ کفار کا مقام سجین ہے اور مسلمان کی منزل علیین ہے۔ قیامت کے بعد کفار کا مقدر دوزخ ہو گا جبکہ مسلمان کی دنیا جنت ہو گی۔ کیا کوئی مسلمان پسند کر سکتا ہے کہ موت کے بعد اس کا مقام سجین اور قیامت کے بعد دوزخ اس کا مقدر ہو۔ ظاہر ہے کوئی مسلمان سجین اور دوزخ میں نہ جانا چاہتا ہے، لیکن اگر وہ دنیا میں کفار کے ساتھ ان کی جنت میں رہے گا تو پھر مرنے کے بعد اور قیامت کے بعد ان سے جدا کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر مسلمان کفار کے برعکس علیین جنت میں جانا چاہتا ہے تو پھر اسے دنیا میں بھی کفار کی جنت سے الگ اپنی ایک دنیا بسا کر اسے جنت بنانا ہو گا یا پھر دنیا میں ایک قیدی کی طرح زندگی بسر کرنی ہو گی۔ اگر وہ دنیا میں کفار کی جنت کو پسند کرتا ہے اور اسے اپنی جنت بناتا ہے تو کل اسے کفار کے ساتھ سجین اور دوزخ میں بھی ان کی رفاقت کرنا ہو گی۔ مسلمان اور کفار اس دنیا میں تو اکٹھے رہ سکتے ہیں لیکن مرنے اور قیامت کے بعد مسلمانوں کی دنیا الگ ہو گی اور کفار کی دنیا الگ۔

مسلمان مقام علیین اور پھر جنت میں ہوں گے جبکہ کفار مقام سجین اور دوزخ میں ہوں گے۔ شیطان اور اس کے حواری مسلمانوں کو جنت سے محروم کر رہے ہیں لیکن مسلمان ان کو اپنا دوست اور خیر خواہ قرار دے رہے ہیں۔ کفار مسلمانوں کے ساتھ دوستی کے پردے میں

دشمنی کرر ہے ہیں لیکن مسلمان کفار کی دوستی پر فخر کرر ہے ہیں۔ کیا مسلمانوں کا یہ رویہ حقیقت پسندانہ اور دانشمندانہ ہے؟ اگر یہ رویہ حقیقت پسندانہ اور دانشمندانہ نہیں تو مسلمان اپنے رویئے کی اصلاح کیوں نہیں کر لیتے۔ کاش مسلمان حقیقت شناس ہو جائیں تا کہ وہ دنیا میں اپنے آپ کو ایک بہتر قوم ثابت کر کے دنیا کی خلافت حاصل کر کے دنیا کو جنت نظیر بنا سکیں اور آخرت میں جنت کے وارث بن کر کائنات کی خلافت حاصل کر کے اسے تسخیر کر سکیں۔

مسلمان اللہ کے نظام کو دنیا میں نافذ کر کے دنیا کو جنت نظیر بنا سکتے ہیں چونکہ انسان کے بنائے ہوئے تمام نظام نا کام ہو چکے ہیں اور دنیا جہنم کا نظارہ پیش کر رہی ہے۔ مسلمان ہی انسان کا نجات دہندہ بن سکتا ہے۔ کاش آج کا مسلمان اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے۔ اگر آج کے مسلمان نے اپنی ذمہ داری کا احساس نہ کیا اور انسان کی رہنمائی نہ کی تو انسان کا مستقبل اس دنیا میں تاریک ہو جائے گا اور قیامت دنیا کو جلد ہی اپنی گرفت میں لے لے گی۔ مسلمان دوسرے انسانوں کے ساتھ نہ صرف تباہ ہو گا بلکہ انسانوں کی تباہی کا بھی ذمہ دار ہوگا۔

کیا آج کے مسلمان کے پاس انسان کی رہنمائی نہ کرنے کا کوئی جواز ہے۔ اگر کوئی جواز نہیں تو وہ آگے کیوں نہیں بڑھتا۔ اگر وہ مثالی مسلمان نہ ہے تو پھر وہ مثالی مسلمان کیوں نہ بن جاتا ہے؟ وہ اپنی ذات پر اللہ کا نظام نافذ کر کے بآسانی مثالی مسلمان بن سکتا ہے۔ اگر وہ مسلمان ہے تو پھر وہ اللہ کے نظام کو اپنی ذات پر نافذ کیوں نہ کرتا ہے؟ اگر وہ مسلمان نہیں تو پھر اس کا برملا اعلان کیوں نہ کرتا ہے۔ وہ مسلمان کے نام کو کیوں بدنام اور رسوا کر رہا ہے۔

کلمہ طیبہ پڑھ کر کوئی انسان بھی مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو سکتا ہے لیکن مثالی مسلمان بننے کیلئے انسان کو اپنا سب کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔ اسے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تمام انسانوں سے زیادہ محبت کرنا پڑتی ہے۔ اسے اپنی تمام عمر اللہ کی عبادت کرنی ہوتی ہے۔ اسے اپنی تمام زندگی اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت میں گزارنی ہوتی ہے۔ اسے اللہ کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات کو اپنانا ہوتا ہے۔ اسے انسان کے تمام

بنائے ہوئے ضابطوں کو ٹھکرانا ہوتا ہے۔ اسے اپنی دنیا کو آخرت کیلئے قربان کرنا ہوتا ہے۔ اسے شیطان اور اس کے حواریوں کے خلاف جہاد کرنا ہوتا ہے۔ اسے اللہ، رسول ﷺ، اہل بیت، صحابہ، صالحین اور اولیاء اللہ کو اپنا دوست بنانا ہوتا ہے۔ اسے شیطان اور اس کے حواریوں کو اپنا دشمن قرار دینا ہوتا ہے۔ اسے اسلام کو حق ثابت کرنا ہوتا ہے۔ اسے حق کو غالب کرنا ہوتا ہے۔ اسے یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ وہ اللہ کا نائب اور خلیفہ ہے۔ اسے دنیا میں اپنی خلافت کو قائم کرنا ہوتا ہے۔ اسے دنیا کی اقوام کی امامت کرنی ہوتی ہے۔ اسے انسانوں کو تسخیر کرنا ہوتا ہے۔ اسے اپنے کردار اور حسن سلوک سے یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور انسان کا دوست۔ اسے انسان کا رشتہ اس کے خالق سے جوڑنا ہوتا ہے۔ اسے دنیا کو جنت بنانا ہوتا ہے اور انسانوں کو دوزخ کا لقمہ بنانے سے بچانا ہوتا ہے۔ اسے دنیا میں رہ کر کائنات پر حکومت کرنی ہوتی ہے۔ اسے موت کو مغلوب کرنا ہوتا ہے اور اسے قیامت کی تباہی سے انسانوں کو بچانا ہوتا ہے۔ یہ کام آسان نہ ہے بلکہ دل گردے کا کام ہے اور اس کیلئے ایک عمر درکار ہوتی ہے۔ جتنا کلمہ طیب پڑھنا آسان ہے اتنا ہی کلمے کے تقاضوں کو پورا کرنا مشکل ہے، لیکن اگر انسان مصمم ارادہ کر کے جدوجہد شروع کر دے تو اللہ اس مشکل کام کو آسان بنا دیتا ہے۔

اب آئیں ہم دیکھیں کہ ایک مثالی مسلمان کو کن وسائل کا حاصل کرنا نہایت ضروری ہے، اگر یہ وسائل حاصل نہ ہوں تو مسلمان نہ تو اللہ کا نائب اور خلیفہ بن سکتا ہے، نہ ہی دنیا کی خلافت حاصل کر سکتا ہے، نہ ہی دنیا کی اقوام کی امامت کر سکتا ہے، نہ ہی انسانوں کو تسخیر کر کے دنیا کو تسخیر کر سکتا ہے اور نہ ہی جنت کو تسخیر کر کے کائنات کو تسخیر کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔

طہارت

اللہ پاک ہے اور پاک اور صاف انسانوں کو ہی پسند کرتا ہے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت جو دعا مانگی تھی اس میں یہ بھی شامل تھا کہ اے اللہ ایک ایسے رسول کو انسانوں کی طرف مبعوث کر جو ان کو پاک صاف کر دے

اور جب اللہ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا اپنی آخری الہامی کتاب میں ذکر کیا تو ان کی انسانوں کو پاک صاف کرنے کی صفت کا خاص طور پر ذکر کیا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ کو اس طرح پاک صاف کر دیا کہ ان میں دس کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت مل گئی۔ اہل بیت کی طہارت کا قرآن خود گواہ ہے۔ انسان ناپاک ہوتا ہے جب تک وہ کلمہ طیبہ نہیں پڑھ لیتا۔ انسان جب اپنی زبان سے کلمہ طیبہ کے الفاظ ادا کرتا ہے تو اس کی زبان پاک ہو جاتی ہے۔ چونکہ زبان اللہ اور رسول ﷺ کے وجود کا اقرار کرتی ہے اور باقی سب کا انکار کر دیتی ہے۔ اگر انسان زبان سے کلمہ طیبہ کے الفاظ ادا کرنے کے بعد کائنات میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حقیقی وجود کے مقابلے میں اور چیزوں اور ہستیوں کا وجود تسلیم کرتا ہے تو وہ اپنی زبان کی مکمل طہارت حاصل نہ کر سکتا ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے وجود کو تسلیم کرنے سے مراد اللہ کے ضابطہ حیات اور اسوہ حسنہ کو تسلیم کرنا ہے۔ اگر انسان اللہ کے ضابطہ حیات اور اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کے اسوہ حسنہ کو تسلیم کر کے دنیا کے تمام دوسرے نظریہ ہائے حیات اور اسوہ کا انکار کر دیتا ہے تو انسان کی زبان طہارت کے کمال کو حاصل کر لیتی ہے۔ پھر ایسی زبان پر صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذکر ہوتا ہے اور یہ زبان صرف اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت میں کھلتی ہے۔ یہ زبان بہت کم بولتی ہے لیکن جب بھی بولتی ہے حق اور سچ بولتی ہے۔

زبان ہی انسان کے کردار کا ترجمان ہوتی ہے۔ اگر انسان اپنی زبان کو پاک صاف کر لے تو وہ اس کے پاس صاف کردار کی ترجمان بن جاتی ہے۔ انسان اپنی زبان کو پاک صاف رکھ کر اپنے آپ کو دنیا کے مصائب سے بآسانی محفوظ رکھ سکتا ہے۔ چونکہ اس زبان کا تعلق حق تعالیٰ سے ہو جاتا ہے اس طرح یہ زبان سراپا خیر بن جاتی ہے اور انسان اللہ کی پناہ میں آجاتا ہے۔ اگر زبان کی تصدیق انسان کا دل کر دے تو کلمہ طیبہ انسان کے دل میں ثبت ہو جاتا ہے۔ انسان کا دل بھی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے وجود کا اقرار کر کے باقی سب کا انکار کر دیتا ہے۔ وہ اللہ کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات کو اپنے جسم کا ضابطہ حیات بنا

لیتا ہے اور اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کے اسوہ حسنہ کو اپنا کردار بنالیتا ہے۔ وہ شیطانی وسوسوں اور نفسانی خواہشات کو اپنے اندر سے نکال کر اللہ کا گھر بن جاتا ہے۔ ایسا دل پاکیزگی کی انتہا کو حاصل کر کے تمام جسم کو پاکیزہ اور صاف ستھرا بنا دیتا ہے۔ دل جسم کا سردار ہوتا ہے اگر دل پاک صاف ہو جائے تو تمام جسم پاک صاف ہو جاتا ہے۔ اس طرح جب انسان کا دل کلمہ طیب کا اقرار کر لیتا ہے تو وہ تمام کثافتوں سے پاک صاف ہو کر شیشے کی طرح چمکنے لگ جاتا ہے۔

انسان اس چمک سے نہ صرف اپنے جسم کو روشن کرتا ہے بلکہ وہ ایسا چراغ بن جاتا ہے جو دوسرے انسانوں کو روشنی فراہم کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس طرح انسان اپنے جسم کو تسخیر کرنے کے ساتھ انسانوں کو تسخیر کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ ایسے انسان کا تعلق اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ براہ راست ہو جاتا ہے اور وہ جسم اور زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔ وہ زمین میں رہ کر آسمان کی سیر کر سکتا ہے اور زمین سے چلے جانے کے بعد زمین والوں کا رہبر اور رہنما بن سکتا ہے۔ ایسے انسان کو نہ موت آتی ہے نہ ایسا انسان عام انسانوں کی طرح زندہ ہوتا ہے۔ وہ دنیا میں چلتا پھرتا ضرور ہے۔ وہ انسانوں میں موجود بھی رہتا ہے۔ وہ اپنے انسانی اور دنیاوی فرائض کو ادا بھی کرتا ہے لیکن اس کی توجہ اور دھیان صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات اور فرمان کی طرف رہتا ہے۔ اس کی روح جسم میں موجود ضرور رہتی ہے لیکن وہ جسم کا ادراک نہ رکھتی ہے۔ وہ اس جسم میں رہتے ہوئے جسم سے آزاد ہو جاتی ہے اور اس دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے آزاد ہو جاتی ہے۔ اس طرح ایسے انسان کیلئے کائنات کو تسخیر کرنا مشکل نہ ہوتا ہے، لیکن دل کی ایسی طہارت صرف ولی اللہ ہی حاصل کر سکتا ہے۔ عام انسان طہارت کے اس کمال کو آسانی سے حاصل نہ کر سکتا ہے۔ طہارت کا یہ مقام حاصل کرنا مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہ ہے۔ انسان جہاد اکبر کر کے اسے حاصل کر سکتا ہے۔

انسان کا جسم ناپاک ہوتا ہے جب تک وہ وضو، تیمم یا غسل نہ کرے انسان اپنے بدن کی

نجاست کو وضو اور تیمم سے دور کر کے طہارت حاصل کر سکتا ہے۔ انسان جنابت کی غلاظت غسل کر کے دور کر سکتا ہے۔ انسان اپنے خون کی غلاظت حلال خوراک سے دور کر سکتا ہے۔ انسان اپنے لباس کی غلاظت حلال لباس سے دور کر سکتا ہے۔ انسان اپنی روح کی غلاظت کو اللہ کی عبادت اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت سے دور کر سکتا ہے۔ انسان اپنی زمین کی غلاظت اللہ کے نظام کو نافذ کر کے دور کر سکتا ہے۔ اس طرح اگر انسان اپنے جسم اور روح کو پاک صاف کر لیتا ہے تو وہ طہارت کو تسخیر کر لیتا ہے۔ طہارت کے ذریعے وہ اپنے آپ کو دوسرے انسانوں کو اور دنیا کو تسخیر کر کے آسمان پر مقام علیین کو تسخیر کر لیتا ہے۔ قیامت کے بعد یہ پاک صاف انسان اللہ کی رحمت اور اللہ کی رسول ﷺ کی شفاعت سے انشاء اللہ جنت کو تسخیر کر کے کائنات کو تسخیر کر لے گا۔ زمین سے آسمان تک کا سفر انسان صرف پاک صاف ہو کر ہی طے کر سکتا ہے۔

اب آئیں ہم دیکھیں کہ انسان کس طرح اپنے آپ کو پاک صاف کر کے تسخیر کائنات کی اس منزل کو حاصل کر سکتا ہے۔ اگر انسان بغیر طہارت کے اسے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا تو وہ کبھی کامیاب نہ ہو سکے گا۔ انسان نے یہ سفر اپنی روح کے راکٹ پر ہی طے کرنا ہے، لہٰذا جتنی زیادہ روح پاک صاف اور طاقتور ہو گی اتنی تیزی سے اور دور تک وہ سفر کر سکے گی اگر روح ناپاک اور کمزور ہو گی تو وہ اسے زمین سے شاید اٹھانے کے قابل بھی نہ ہو سکے اور یوں آسمان کی دنیا کا متلاشی انسان زمین پر ہی رہ جائے گا اور زمین بھی وہ نہ ہو گی جسے وہ آج دیکھ رہا ہے بلکہ آگ کا آلاؤ ہو گی۔ کاش انسان جسم و روح کی طہارت حاصل کر کے اپنے آپ کو آگ کے عذاب سے بچا سکے۔ اگر انسان آگ کے عذاب سے اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب ہو گیا تو یہ اس کی بہت بڑی کامیابی ہو گی۔ دنیا سے جنت تک پہنچانا اللہ کا کام ہے۔ انسان نہ زمین پر خود آیا ہے نہ ہی آسمان پر خود جا سکتا ہے۔ اللہ ہی نے اسے زمین پر اتارا تھا اور اللہ ہی اسے آسمان پر لے جائے گا۔

انسان کو پریشان اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہ ہے۔ انسان اگر اپنی فکر کرے تو یہی

تسخیر کائنات ہے۔ انسان اپنے جسم اور روح کو تسخیر کرے اللہ خود بخود کائنات کو اس کے سامنے مسخر کر دے گا، جیسے آج دنیا کو اس نے انسان کے سامنے مسخر کیا ہوا ہے جیسے چاند اور سورج آج انسان کے سامنے مسخر ہیں۔ کیا انسان یہ آسان کام بھی نہ کر سکتا ہے تو پھر وہ اتنے بڑے بڑے دعوے کیوں کرتا ہے۔ کاش! انسان اپنی حقیقت کو جان سکے۔

طہارت کے سرچشمے

نماز

کلمہ طیبہ کے بعد مسلمان کا جس فرض سے سب سے پہلے واسطہ پڑتا ہے وہ نماز ہے۔ نماز ایک ایسا فرض ہے جو اللہ نے اپنے رسول کو آسمانوں پر بلا کر براہ راست تحفہ کے طور پر دیا تھا۔ اس وجہ سے نماز کو مسلمانوں کی معراج کہا جاتا ہے۔ نماز ہر عاقل اور بالغ مسلمان پر فرض ہے۔ نماز ایک ایسا فرض ہے جو کسی حالت میں بھی ساقط نہ ہو سکتا ہے۔ بیماری اور جنگ کی حالت میں بھی یہ فرض ساقط نہ ہوتا ہے۔ اگرچہ نماز کی نوعیت تبدیل ہو جاتی ہے۔ اگر کسی مجبوری کی صورت میں نماز فوت ہو جائے تو اس کی قضا فرض ہے۔ نماز دن رات میں صرف 5 دفعہ فرض ہے۔ نماز کے اوقات مقرر ہیں۔ نماز انفرادی طور پر اور جماعت کے ساتھ ادا کی جا سکتی ہے لیکن جماعت کے ساتھ نماز کا ثواب ستائیس گنا زیادہ ہے۔ نماز کسی پاک جگہ پر ادا کی جا سکتی ہے لیکن مسجد میں ادا کرنا فضیلت رکھتی ہے۔ نماز ادا کرنے کا ایک خاص طریقہ ہے جو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو بتایا ہے اور آپ ﷺ نے وہ طریقہ مسلمانوں کو سکھایا ہے۔ انسان پر اللہ کی جو بے شمار نعمتیں ہیں اور جن انعامات کا انسان سے وعدہ کیا گیا ہے ان کو مدنظر رکھ کر یہ فرض مشکل نہ ہے بلکہ نہایت آسان ہے۔

اللہ نے انسان کو صحت مند جسم دیا ہے اور اسے طرح طرح کی نعمتیں عطا کی ہیں۔ انسان اللہ کو اپنا رب اور اللہ کے رسول ﷺ کو اپنا پیشوا تسلیم کرتا ہے۔ انسان کلمہ طیبہ کا اقرار کر کے اللہ کی ملازمت اختیار کرنے کا اعلان کرتا ہے، لیکن 24 گھنٹے میں صرف ایک ڈیڑھ گھنٹہ اس کی عبادت کو گراں سمجھتا ہے، اس کے برعکس وہ انسان کی ملازمت میں کم از کم

آٹھ گھنٹے لگاتا ہے، لیکن اسے اجرت صرف چند سکے ملتے ہیں۔ وہ انسان کی ملازمت چند سکوں کیلئے خوشی خوشی کرتا ہے اور کبھی غیر حاضر نہ ہوتا ہے، لیکن اللہ کے فرض کو یا تو ادا نہیں کرتا اور اگر ادا کرتا ہے تو باقاعدگی سے نہیں کرتا۔ انسان اپنے عاجر اور مالک کو خوش کرنے کیلئے اوورٹائم بھی لگاتا ہے، لیکن اللہ کو خوش کرنے کیلئے اپنا فرض ادا کرنے سے بھی کنی کتراتا ہے۔ اسے انسان کی ملازمت میں اپنی خفیہ رپورٹ خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ لیکن اللہ کی ملازمت میں وہ اپنے نامہ اعمال میں بے نماز لکھے جانے پر بالکل فکرمند نہ ہوتا ہے۔ انسان کی ملازمت میں اسے یہ خطرہ ہوتا ہے کہ غیر حاضری کی وجہ سے اسے ملازمت سے برخواست نہ کر دیا جائے، لیکن اللہ کی ملازمت میں وہ مسلسل غیر حاضر رہنے کے باوجود انعامات کی امید رکھتا ہے۔ انسان اللہ کے ساتھ یہ رویہ کیوں اختیار کرتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ انسان کی طرح انسان کو اپنا غلام نہ بناتا ہے، بلکہ اسے آزاد چھوڑتا ہے ہر انسان کے ساتھ اللہ نے دو فرشتوں کو مقرر کر رکھا ہے۔ جو اس کی کارگزاری کا ریکارڈ تیار کر رہے ہیں۔ اس کے ریکارڈ میں فرشتے باقاعدگی سے لکھ رہے ہیں کہ انسان نماز ادا کر رہا ہے یا نہیں۔ مرنے کے بعد انسان اپنے ریکارڈ کو اپنی نظروں سے دیکھے گا اور اس سے سب سے پہلے جو سوال ہوگا وہ نماز کے بارے میں ہی ہوگا۔ اگر انسان کے ریکارڈ میں نماز کا اندراج موجود ہوگا تو وہ امتحان کے پہلے مرحلے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اگر اس کے ریکارڈ میں نماز کا اندراج نہ پایا جائے گا تو وہ سزا کا حقدار بن جائے گا۔ انسان اس وقت اپنی خفیہ رپورٹ سے بے خبر ہے۔ لیکن یہ خفیہ رپورٹ تیار ہو رہی ہے اور موت کے بعد انسان کو اس کا سامنا کرنا پڑے گا۔ انسان آج نماز ادا کر کے نماز کا اندراج اپنے اعمالنامے میں کرا لے ورنہ اسے پچھتانا پڑے گا۔

اگر انسان کسی جگہ اکیلا ہو تو اس پر نماز انفرادی طور پر فرض ہے اگر وہ مسلمان معاشرے میں رہ رہا ہو تو اس پر نماز باجماعت فرض ہے۔ اگر وہ کسی جگہ کا حاکم یا عامل ہے تو وہاں نماز کا نظام قائم کرنا اس کا فرض ہے۔ اگر وہ کنبے کا سربراہ ہو تو گھر میں نماز قائم کرنا فرض ہے۔

اب آئیں ہم دیکھیں کہ نماز کس طرح انسان کو پاک صاف کرتی ہے۔ نماز کا اعلان اذان سے ہوتا ہے۔ اذان میں مسلمان کلمہ طیبہ کا اعلان برملا کرتا ہے اور تسلیم کرتا ہے کہ دنیا میں سب سے بڑی ذات اللہ کی ہے اور حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں۔ یعنی وہ اللہ کی وحدانیت اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا برملا اعلان کرتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اعلان کرنے والا انسان کہاں تک سچا ہے اگر وہ واقعی سچا ہے تو اللہ اور رسول کی جھلک اس کے کردار اور جسم میں ظاہر ہوگی۔ جیسا کہ تمام کائنات میں اللہ اور رسول کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اس طرح وہ ایک اذان کی روح کو پا کر حضرت بلالؓ کا درجہ کسی حد تک حاصل کر لے گا، اور اس کی اذان کا اتنا اثر ہوگا کہ شیطان اور اس کے حواری اس کی سماعت کی حد سے دور چلے جائیں گے اور اس کی آواز کو سننے والے لبیک کہتے ہوئے مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہو جائیں گے۔ لیکن اگر مؤذن اذان کی روح سے محروم ہوگا تو پھر اس اذان کا اثر نہ شیطان اور اس کے حواریوں پر ہوگا اور نہ ہی اس آواز کے سننے والے انسانوں پر اس طرح اذان ایک رسم رہ جائے گی اور اذان کا سننا ایک احترام بن جائے گا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان جو بغیر کسی لاؤڈ سپیکر کے ہوتی تھی شیطان کو مدینہ شریف کی حدود سے باہر نکال دیتی تھی اور کفار مکہ اس سے اس حد تک متاثر ہوتے تھے کہ وہ اپنے کانوں کو بند کر لیتے تھے تاکہ اذان کی آواز کو سن کر کہیں لبیک کہنے پر مجبور نہ ہو جائیں۔ آج تمام شہروں اور قصبوں میں لاؤڈ سپیکروں پر ہر وقت اذانیں ہوتی رہتی ہیں، لیکن سوائے چند کے انسانوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوتا ہے، بلکہ دنیادار انسان ان آوازوں کو شور وغوغا کے نام سے پکارتا ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ صرف موذن کی آواز میں اس اثر کا فقدان ہے جو اذان کی روح ہے۔ اذان کی روح توحید اور رسالت ہے جس کی جھلک انسان کے جسم، کردار اور آواز میں ظاہر ہونی ضروری ہے۔ اگر انسان اس جھلک کو ظاہر نہ کر سکے تو وہ ہزار اذانیں دے وہ نہ کسی انسان کو اذان سنا سکتا ہے اور نہ ہی کسی انسان کو مسجد کی طرف آنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ ایسی اذان شیطان اور اس کے چیلوں کو بھگانے کی بھی

طاقت نہ رکھتی ہے۔ کاش آج کا مسلمان وہ اذان دے سکے جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دی تھی تا کہ کوئی مسلمان نماز سے محروم نہ رہ سکے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں اذان منافقین کو بھی مسجد کی طرف آنے پر مجبور کر دیتی تھی۔ لیکن آج یہ اذان مسلمانوں پر بھی اپنا اثر کھو چکی ہے۔

مسجد اللہ کا گھر ہے اور طہارت کا پیکر لیکن آج کی مساجد، مساجد کم اور مسجد ضرار زیادہ ہیں۔ ایک ایک محلے میں دو دو تین تین مساجد ہیں۔ ہر مسجد ایک الگ مسلک رکھتی ہے۔ ہر مسلک کا مسلمان صرف اپنے مسلک کی مسجد میں نماز پڑھتا ہے۔ وہ دوسرے مسلک کی مسجد میں جانا اور نماز پڑھنا گناہ خیال کرتا ہے۔ ہر مسجد دوسری مسجد کے خلاف ایک سرد جنگ لڑ رہی ہے۔ ہر مسلک کے مسلمان دوسرے مسلک کے مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ اس طرح ان مساجد نے مسلمانوں میں ایک مستقل گروہ بندی اور فرقہ بندی پیدا کر دی ہے۔ مساجد کی تعمیر میں بھی طہارت کو مدِ نظر نہ رکھا جاتا ہے۔ چور، ڈاکو، سمگلر، رشوت خور اور ظالم انسان اپنے آپ کو نیک اور پاک صاف ظاہر کرنے کیلئے بڑی بڑی مساجد تعمیر کر رہے ہیں اور ان کو خوبصورت بنا کر ہر طرح کی سہولتوں سے مزین کر رہے ہیں۔ دوسروں کی زمینوں پر ناجائز تجاوز کر کے مساجد کو تعمیر کیا جا رہا ہے۔ اگر محلے میں ایک مسلک والوں نے مسجد تعمیر کی ہے تو دوسرے مسلک والے بھی وہاں اپنی اپنی مسجد تعمیر کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ اس طرح مسجد کے ساتھ جو تقدس اور طہارت وابستہ تھی وہ باقی نہ رہی ہے۔ اس وجہ سے دنیا میں مساجد تو بے شمار ہیں لیکن کوئی مسجد مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی کی ایک ہلکی سی جھلک دکھانے میں بھی کامیاب نہ ہو سکی ہے۔ اس طرح مسجد میں جانے کے بعد بھی انسان کو احساس نہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے گھر میں موجود ہے۔

کاش آج کا مسلمان مسجد نبوی کی طرح ایک سادہ، پروقار اور پرنور مسجد تعمیر کرنے میں ہی کامیاب ہو جائے۔ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو کم از کم ایک ایسی مسجد تعمیر کر لے جس سے مسجد نبوی کی ایک جھلک تو نظر آ سکے۔ کاش آج کا مسلمان خانہ کعبہ کی طرح ایک پر امن اللہ

کا گھر ''دارالامن'' تعمیر کرنے میں ہی کامیاب ہو جائے اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو کم از کم اپنی مساجد کو ہی ''دارالامن'' بنا لے، تا کہ دنیا کے ستائے ہوئے انسان کو کہیں تو امان مل سکے۔ اگر انسان اللہ کے گھروں کو ہی دارالامان نہ بنا سکا تو پھر وہ اپنے گھروں کو ''دارالامن'' کیسے بنا سکے گا، تا کہ وہ اپنی مساجد کو مطلوبہ تقدس دے کر اپنے گھروں کو نماز پڑھنے کے قابل بنا سکے۔

مسجد کا امام ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے تمام انبیاء کی امامت مسجد اقصیٰ میں کروائی تھی۔ اس طرح آپ ﷺ مسجد اقصیٰ کے امام تھے۔ امامت کے اس عہدے پر وہ خود فائز نہ ہوئے تھے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس عہدہ پر فائز کیا تھا، چونکہ اللہ کے رسول ہونے کے ناطے یہ آپ ﷺ کا حق تھا، حالانکہ بڑے بڑے جلیل القدر انبیاء وہاں موجود تھے۔ مسجد الحرام کے پہلے امام بھی اللہ کے رسول تھے۔ جب سے نماز مسلمانوں پر فرض ہوئی اور جب تک آپ ﷺ صحت مند رہے آپ ﷺ نے امامت کے فرائض انجام دیئے۔ آپ ﷺ کے حکم پر ہی خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے امات کرائی اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد اپنی وفات تک امامت کراتے رہے۔ مدینہ شریف سے باہر جن صحابہ کو حاکم، عامل یا گورنر مقرر کیا گیا وہ اپنے اپنے علاقوں میں امامت کا فرض ادا کرتے رہے۔ جو شخص امامت کے قابل نہ سمجھا گیا اسے حاکم عامل اور گورنر مقرر نہ کیا گیا۔

اسی طرح خلیفہ دوم، سوم اور چہارم اپنے اپنے زمانوں میں خلافت کے ساتھ ساتھ امامت کے فرائض بھی ادا کرتے رہے۔ ان تمام خلفاء کے عامل، حاکم اور گورنر بھی اپنے اپنے علاقوں میں حکمرانی کے ساتھ ساتھ مساجد کی امامت بھی کرتے رہے۔ مسلمانوں کی تاریخ شاہد ہے کہ تمام نیک مسلمان حکمران چاہے وہ خلیفہ تھے، بادشاہ تھے، سلطان تھے، گورنر تھے یا عامل تھے سب کے سب مساجد کے امام بھی تھے۔ اس طرح ان امام کی موجودگی میں کسی حاکم، گورنر، خلیفہ اور عامل کو لوگوں کے مسائل جاننے اور لوگوں کو اپنی داد

رسی کیلئے کھلی کچہریاں لگانے اور کھلی کچہریوں میں جانے کی ضرورت نہ تھی۔لوگ دن میں پانچ دفعہ اپنے حاکم، گورنر، خلیفہ اور عامل سے مل کر اپنی دادرسی حاصل کر سکتے تھے۔اور حکام، گورنر، خلیفہ اور عامل اپنے آپ کو پانچ دفعہ اللہ کے گھر میں حاضر ہو کر عوام کے اور اللہ کے احتساب کیلئے پیش کر دیتے تھے۔اگر کسی حاکم کا دن میں پانچ دفعہ عوام احتساب کر سکیں تو پھر وہ اپنے عوام سے کیسے بے خبر رہ سکتا ہے۔اور اگر کوئی حاکم پانچ دفعہ اپنے آپ کو عوام کے سامنے احتساب کا پابند ہو تو وہ عوام کے ساتھ کیسے ناانصافی کر سکتا ہے، اگر ایسے نیک، پاک صاف حکمران امام ہوں تو پھر مقتدی کیسے طہارت کیسے محروم رہ سکتے ہیں۔

مسلمانوں کی تاریخ گواہ ہے کہ جب تک مسلمان حکمران امام رہے مسجد کا تقدس بحال رہا۔لوگ مساجد میں آ کر اپنا اور اپنے حکمران کا محاسبہ کرتے رہے۔اس طرح وہ بھی شیطان اور اس کے چیلوں سے محفوظ رہے اور ان کے حکمران بھی شیاطین پر غالب رہے، لیکن جب حکمرانوں نے مساجد کی امامت چھوڑ دی حکمران اور عوام دونوں شیاطین کے غلام بن کر انسانوں کے غلام بن گئے۔آج کا مسلمان اپنے حکمرانوں کو امام بنا کر ان کا احتساب کر سکتا ہے۔آج کے حکمران امام بن کر اپنے آپ کو عوام کا خادم ثابت کر سکتے ہیں۔اگر آج بھی مسلمان اپنے حکمرانوں کو اپنا امام بنانے میں کامیاب ہو جائیں اور حکمران امام بننے کے اہل اور قابل ہو جائیں تو مساجد کو وہی تقدس اور وقار حاصل ہو جائے گا۔جو خلفائے راشدین کے زمانے میں ان کو حاصل تھا۔یہ مساجد حکمرانوں اور عوام کی طہارت کا فرض دوبارہ ادا کرنا شروع کر دیں گی۔کاش آج کا مسلمان اپنے حکمرانوں کو امامت کے قابل بنا سکے۔کاش آج کے مسلمان حکمران مساجد کے امام بن کر انسانوں کے خادم اور خدمتگار بن سکیں، تاکہ مسلمان ایک دفعہ پھر پاک صاف ہو کر دنیا کی امامت اور خلافت کا حق ادا کر سکیں۔

نماز میں جو الفاظ تکرار کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں، وہ "اللہ اکبر" ہیں۔مسلمان "اللہ اکبر" کہہ کر نماز کا آغاز کرتا ہے۔"اللہ اکبر" کہہ کر رقوع میں جاتا ہے۔"اللہ اکبر" کہہ کر سجدہ میں سے اپنے سر کو اٹھاتا ہے۔انسان دن میں پانچ دفعہ کم از کم نماز کی ہر رکعت

میں ''اللہ اکبر'' کا تکرار کرتا ہے۔ ''اللہ اکبر'' کا مطلب یہ ہے کہ کائنات میں اللہ سب سے بڑا ہے۔ لیکن کیا نماز ادا کرنے والا انسان واقعی اللہ کو بڑا قرار دیتا ہے۔ اگر تو وہ اللہ کو واقعی بڑا قرار دیتا ہے، تو پھر اسے دنیا کے تمام بڑوں کا انکار کرنا پڑے گا جو بڑا نہ ہونے کے باوجود بڑا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن اگر نماز کے باہر نمازی ان چھوٹوں کو ہی بڑا تسلیم کرتا ہے اور اللہ کو ان کے مقابلے میں قطعاً کوئی اہمیت نہ دیتا ہے، تو پھر نماز میں ''اللہ اکبر'' کا تکرار اسے وہ طہارت اور قوت نہ دے سکتا ہے جو طہارت اور قوت سے دینی چاہیے۔ ظاہر ہے ''اللہ اکبر'' کے پیروکار کو اللہ کے نیک بندوں کی طرح پاک صاف اور طاقتور ہونا چاہیے، لیکن اگر وہ نماز ادا کرنے کے باوجود اپنے آپ کو بڑا اور طاقتور ثابت نہ کر سکتا ہے تو دوسرے انسان اس کی بات کو کیسے تسلیم کر لیں گے، کہ واقعی اللہ بہت بڑا ہے۔ اگر نماز ادا کرنے کے بعد انسان بڑا بننے کی بجائے شیطان اور اس کے چیلوں کو بڑا قرار دیتا ہے۔ تو پھر وہ اپنے اللہ کو بہت بڑا کیسے ثابت کر سکتا ہے۔ اللہ کو بہت بڑا ثابت کرنے کیلئے اسے شیاطین اور اس کے چیلوں کے سامنے اپنے آپ کو بڑا ثابت کرنا ہوگا۔ کاش انسان نماز میں ایسی تکبیر کہے کہ جب وہ اس تکبیر کو نماز کے بعد شیطان کے سامنے بلند کرے تو ان پر خوف اور لرزہ طاری ہو جائے۔

نماز گزار مسلمانوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ محض نعرہ تکبیر بلند کر کے خیبر جیسے مضبوط قلعوں کو توڑ دیتے تھے اور سمندروں کو اگر حکم دیتے تھے تو وہ خشک ہو کر راستہ دے دیتے تھے ''اللہ اکبر، اللہ اکبر'' کا وظیفہ کرنے والے مسلمان اگر طاقتور نہ ہوں گے تو اور کون ہوگا۔ اگر ایسے مسلمان صاحب کردار نہ ہوں گے تو پھر اور کون ہو سکتا ہے۔ آج بھی انسان ''اللہ اکبر'' کی تکبیر خلوص کے ساتھ بلند کر کے صاحب کردار اور طاقت کا سرچشمہ بن سکتا ہے۔ کاش انسان ''اللہ اکبر'' کا زبانی تکرار کرنے کے ساتھ ساتھ اکبر بن بھی سکے چونکہ بغیر بڑا بنے مسلمان اللہ کو سب سے بڑا ثابت نہ کر سکتا ہے۔ سورج بڑا ہے انسان اسے دیکھ کر ''اللہ اکبر'' پکارتا ہے۔ چاند بڑا ہے انسان اسے دیکھ کر ''اللہ اکبر'' پکارتا ہے زمین اور اس کی نباتات

عظیم ہیں، انسان ان کو دیکھ کر ”اللہ اکبر“ پکارتا ہے تو پھر مسلمان کیوں بڑا نہ بن سکتا ہے۔ کہ دیکھنے والے بے ساختہ پکار اٹھیں کہ واقعی اللہ بہت بڑا ہے ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔ اگر اللہ کو ماننے والا بڑا نہ بن سکا تو پھر وہ اللہ کو اکبر ثابت کیسے کر سکے گا۔ اگر مسلمان خود ہی شیاطین کو اکبر تسلیم کر لے تو پھر زبان سے ”اللہ اکبر، اللہ اکبر“ کا وظیفہ کرنے کا کیا فائدہ ہے۔ اللہ واقعی بہت بڑا ہے، لیکن اللہ کو اپنی بڑائی قائم رکھنے کیلئے ایسے نائب اور خلیفہ کی ضرورت نہیں جو شیطان کو بڑا مانتا ہو اور جو اللہ کی بڑھائی کو دنیا میں ثابت کرنے کے قابل نہ ہو۔ مسلمان اللہ کا نائب اور خلیفہ اسی وجہ سے مقرر ہوا ہے کہ وہ اللہ کی بڑائی کو دنیا پر ثابت کرے تاکہ دنیا میں اللہ کی بادشاہت، حکومت اور حکمرانی قائم ہو سکے۔ اگر مسلمان اس ذمے داری کے اہل نہ ہے تو وہ بے شک نماز پڑھتا رہے اور ”اللہ اکبر“ کا وظیفہ کرتا رہے وہ شیطان کی غلامی سے کبھی آزاد نہ ہو سکے گا۔ کاش انسان اللہ کو بہت بڑا تسلیم کر کے نماز میں صرف ایک دفعہ ہی ”اللہ اکبر“ خلوص دل کے ساتھ پکار سکے۔ یہ ایک تکبیر ”اللہ اکبر“ کے لاکھوں وظائف سے بہتر ہے۔ کاش مسلمان تکبیر کی حقیقت کو جان سکے تاکہ وہ نماز میں تکبیر کا حق ادا کر کے مستفید ہو سکے۔ یہ تکبیر انسان کو اللہ کی صفات سے متصف کر سکتی ہے اور شیطان کی شر وعات اور نحوست سے آزاد کرا سکتی ہے۔

مسلمان اس طرح تکبیر کہتے ہی پاک صاف ہو کر اللہ کے سامنے حاضر ہو جاتا ہے۔ اللہ کے سامنے جھکا ہوا انسان اللہ کے سامنے تو چھوٹا ہوتا ہے لیکن شیاطین کیلئے وہ بہت بڑا ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ کے خوف سے کانپ رہا ہوتا ہے، لیکن شیاطین پر اس کا خوف اور رعب طاری ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ کے پاس حاضر ہوتا ہے لیکن شیاطین بے پناہ طاقت اور قوت کے باوجود اس کے نزدیک جانے کی جرأت اور ہمت نہ رکھتے ہیں۔ اس طرح انسان حالتِ نماز میں اپنے اللہ کے حفظ و امان میں چلا جاتا ہے اور اللہ کے فرشتے اس کی حفاظت پر مامور ہو جاتے ہیں۔ انسان اور اللہ کے درمیان حائل تمام پردے اٹھا لئے جاتے ہیں اور انسان اپنے رب کا دیدار کرتا جاتا ہے اور اپنی مناجات سناتا جاتا ہے۔ وہ جب تک چاہتا ہے اس

ملاقات کو جاری رکھ سکتا ہے۔ اللہ اسے کبھی نہیں کہے گا کہ اب بس کر میں نے تمہاری مناجات سن لی ہے بلکہ اپنے بندے پر خوش ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ بندہ اس کی مناجات کرتا رہے اور وہ سنتا رہے۔ اس طرح انسان زمین پر رہتے ہوئے آسمان پر موجود اللہ کا دیدار کر کے اس کی رحمت سے مستفید ہوتا ہے اور اللہ آسمان پر موجود ہونے کے باوجود زمین پر اپنے بندے کے سامنے آموجود ہوتا ہے، تا کہ اس کے بندے کو آسمان پر جانے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ اس طرح انسان کا رشتہ اللہ اور اللہ کا رشتہ انسان سے قائم ہو جاتا ہے جو ظاہری نماز ختم ہونے کے باوجود تمام عمر قائم رہتا ہے۔ انسان اپنی تمام عمر حالتِ نماز میں گزار کر موت کے بعد اللہ کا مہمان بن جاتا ہے اور اللہ اپنے بندے کی ایسی مہمانداری کرتا ہے کہ انسان دنیا کے تمام دکھ اور مصائب بھول جاتا ہے۔

انسان نماز اللہ کی تعریف سے شروع کرتا ہے۔ انسان یہ تسلیم کرتا ہے کہ واقعی تمام تعریفوں کے لائق صرف اللہ ہے۔ اگر اللہ کے سوا کوئی اور کسی تعریف کے لائق ہے تو وہ محض اس وجہ سے تعریف کے قابل ہے چونکہ اللہ نے اسے تعریف کے قابل بنایا ہے، اور جن کو اللہ نے مردود قرار دیا ہے وہ بالکل کسی قسم کی تعریف کے قابل نہیں، لیکن اگر نماز ادا کرنے والا انسان اپنی زندگی میں اللہ کی تعریف کرنے کی بجائے غیر اللہ کی تعریف کرتا رہے اور اللہ کی اطاعت کی بجائے غیر اللہ کی اطاعت کرتا رہے تو نماز میں وہ الحمد اللہ کہتا رہے تو وہ اللہ کی تعریف کا حق ادا نہ کر سکے گا اور اگر وہ اللہ کی تعریف کرنے میں ناکام ہو گیا تو وہ نماز کے اگلے مراحل کیسے طے کر سکے گا؟ لہٰذا اللہ کا حق ادا کرنے کیلئے اسے اپنی زندگی میں ہی اللہ کی تعریف کرنا ہوگی اور اس کی اطاعت کو اپنی عادت بنانا ہوگا۔

نماز میں انسان اللہ کو رب العالمین تسلیم کرتا ہے لیکن اگر وہ نماز کے باہر غیر اللہ، شیاطین اور اس کے چیلوں کو اپنا حاکم اور کارساز قرار دے کر ان کی اطاعت کرتا ہے تو پھر وہ اللہ کو رب العالمین کے لقب سے کیسے پکار سکتا ہے اور اللہ اس کی زبانی پکار کو کیا اہمیت دے سکتا ہے۔ لہٰذا نماز گزار کو اپنی ذاتی زندگی میں اللہ کو اپنا رب اور پالنے والا تسلیم کرنا ہوگا۔ اگر

وہ اللہ کو اپنا پالنے والا تسلیم کرے گا تو اللہ اس کی پکار نہ صرف سنے گا بلکہ اپنا دیدار بھی کرائے گا۔ اور انسان اللہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر کہے گا "الحمد اللہ رب العالمین"۔ اس طرح یہ الفاظ محض الفاظ نہ ہوں گے بلکہ ایک حقیقت کا اعتراف ہوگا۔ چونکہ نماز اگزار کے سامنے جو ذات ہوگی وہ حق تعالیٰ کی ہوگی۔

نماز میں انسان اللہ کو الرحمٰن الرحیم کے لقب سے یاد کرتا ہے، لیکن اپنی زندگی میں اللہ کی بے شمار نعمتوں میں سے کسی نعمت کا اعتراف نہ کرتا ہے۔ اگر وہ اللہ کی نعمتوں کا ادراک رکھتا ہے اور وہ مزید نعمتوں کیلئے اللہ ہی کی طرف مائل ہوتا ہے تو وہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے اور اللہ کی مزید نعمتوں کے لئے اپنے آپ کو حقدار بنالیتا ہے۔ لیکن اگر وہ حاصل شدہ نعمتوں کو اپنی کوشش اور جدوجہد کا ثمرہ قرار دیتا ہے یا غیر اللہ کی عطا سمجھتا ہے تو وہ الرحمٰن الرحیم کا حق ادا نہ کرسکتا ہے اگر وہ اللہ کو رحمان اور رحیم تسلیم نہ کرتا ہے تو پھر اللہ کی رحمت کیسے حاصل کرسکتا ہے۔

نماز میں انسان اللہ کو روزِ جزا کا مالک قرار دیتا ہے۔ لیکن اگر اس کا روزِ جزا پر ایمان ہی پختہ نہ ہے تو وہ اللہ کو اپنے سامنے دیکھ کر کیسے خوف زدہ ہوسکتا ہے۔ انسان یہ تصور کیسے کرسکتا ہے کہ آج روزِ جزا ہے اور وہ حساب کتاب کیلئے اللہ کے سامنے حاضر ہے۔ اس طرح نماز میں وہ عاجزی اور انکساری اسے حاصل نہ ہوسکتی ہے جو روز جزا پر پختہ یقین رکھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح انسان کو نماز میں احساس تک نہ ہوتا ہے کہ وہ کہاں کھڑا ہے اور کس کے سامنے کھڑا ہے۔ اگر انسان روز جزا پر یقین کرلے اور ہر وقت اپنے آپ کو روزِ جزا میں موجود پائے تو وہ نماز میں مالک یوم الدین کی حقیقت کو جان سکتا ہے۔ پھر اس کی نماز میں عجز و انکساری کسی وقت بھی مفقود نہ ہوسکتی ہے۔ اگر انسان کی نماز میں عجز و انکساری شامل ہوجائے تو اس کی کوئی نماز بھی ضائع نہ ہوسکتی ہے۔ انسان کی تمام نمازیں مقبولیت کا درجہ حاصل کرلیتی ہیں۔ اگر انسان کی ایک نماز بھی مقبولیت کے درجے کو حاصل کرلے تو پھر اللہ اس کی باقی نمازوں کو ضائع نہ ہونے دیتے ہیں، بلکہ وہ بھی مقبولیت کا درجہ حاصل کر

لیتی ہیں۔ کیا انسان صرف ایک دفعہ بھی عجز و انکساری کے ساتھ نماز ادا نہ کر سکتا ہے؟ انسان اگر روزِ جزا کو یقینی جان لے اور اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے کا احساس کر لے تو اسکی تمام نمازوں میں عاجزی و انکساری شامل ہو سکتی ہے۔ کاش انسان روزِ جزا پر پختہ یقین حاصل کر لے تاکہ وہ اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے کا سلیقہ نماز میں سیکھ لے۔

نماز میں انسان تسلیم کرتا ہے کہ وہ عبادت صرف اللہ ہی کی کرتا ہے اور مدد بھی اسی سے چاہتا ہے، لیکن اگر وہ اپنی زندگی میں اطاعت شیاطین اور اس کی چیلوں کی کرتا ہے اور اپنی امیدوں کو ان سے وابستہ کرتا ہے تو پھر اللہ اس کی مدد کیسے کر سکتا ہے۔ اللہ انسان کی اس پکار کا کیا جواب دے سکتا ہے۔ اگر انسان خلوص دل کے ساتھ اللہ کی اطاعت کرے اور اپنی امیدوں اور آرزوؤں کو اس کی ذات سے وابستہ کر لے تو اللہ ایسے نماز گزار کی پکار کو نہ صرف سنتا ہے بلکہ نماز ہی میں اس کی پکار کو شرفِ قبولیت بھی دیتا ہے۔ اس طرح نماز گزار اطمینان قلب کی وہ لازوال دولت حاصل کر لیتا ہے جو اللہ کے سوا کوئی اور انسان کو نہ دے سکتا ہے۔ انسان خلوصِ دل کے ساتھ اللہ کی اطاعت کر کے اور اس کو اپنا امدادی اور کارساز تسلیم کر کے ایک نماز ہی ادا کر لے تو وہ اطمینان قلب کی دولت سے مالا مال ہو سکتا ہے۔ کیا اطمینان قلب کا متلاشی انسان ایک ایسی نماز ادا کرنے کے قابل بھی نہ ہے۔ کاش انسان یہ نماز ادا کر لے۔ اگر انسان یہ نماز ادا نہ کر سکا تو وہ کبھی اطمینانِ قلب حاصل نہ کر سکے گا۔

نمازی اللہ سے صراطِ مستقیم کی استدعا کرتا ہے لیکن اللہ کے بتائے ہوئے راستے کو صراطِ مستقیم تسلیم کرنے کے باوجود اس کو اختیار نہ کرتا ہے۔ کتاب و سنت کا راستہ اس کے پاس ہے جو اللہ کا عطا کردہ ہے، لیکن وہ اس راستے کو چھوڑ کر یہود و انصار، منافقین، مشرکین اور کفار کے خود ساختہ راستوں پر گامزن ہے۔ ایسی صورتِ حال میں اللہ اسے صراطِ مستقیم پر زبردستی کیسے چلا سکتا ہے۔ انسان اس دنیا میں آزاد اور خود مختار ہے وہ جس راستے پر بھی چلنا چاہے چل سکتا ہے۔ اگر وہ اللہ کے راستے پر چلنا ہی نہ چاہتا ہے تو پھر اللہ اس کی رہنمائی کیسے کر سکتا ہے۔ اگر انسان کا پختہ ارادہ ہو تو اللہ انسان کو صراطِ مستقیم پر چلنا آسان کر دیتا

ہے۔انسان ایک دفعہ پختہ عزم کرلےتو ان شاءاللہ پہلی نماز میں ہی وہ اس قابل ہو جائے گا کہ صراطِ مستقیم کو پا کر اس پر چل سکے۔اگر انسان یہ عزم نہیں رکھتا تو ہزار نمازیں اسے صراط مستقیم کی نشاندہی نہ کرسکتیں ہیں۔وہ نمازی ہونے کے باوجود گمراہ رہے گا۔لیکن اگر وہ نماز کو اپنی عادت بنالے تو انشاءاللہ ایک نہ ایک دن وہ صراطِ مستقیم کو ضرور پالے گا۔انسان کی زندگی کا کوئی اعتبار نہ ہے۔لہٰذا اسے صراطِ مستقیم اختیار کرنے کے بعد اپنی پہلی نماز میں ہی صراطِ مستقیم کو پالینا چاہیے، کیا خبر موت اسے دوسری نماز کی مہلت بھی دیتی ہے یا نہیں۔اگر انسان اپنی پہلی مہلت میں صراطِ مستقیم دیکھ لیتا ہے تو پھر اللہ کبھی اس کی نظروں سے صراطِ مستقیم کو معدوم نہ ہونے دیتا ہے، چاہے وہ حالتِ نماز میں ہو یا نہ ہو۔کیا اللہ کو اپنا رب ماننے والا انسان اللہ کے راستے کو جاننے اور پہچاننے کی صلاحیت بھی نہ رکھتا ہے؟ حالانکہ وہ صاحبِ عقل اور صاحب شعور ہے۔انسان اگر عقل اور شعور سے کام لے تو وہ بڑی آسانی سے اللہ کے راستے کو تلاش کر سکتا ہے جو خود وفا شعار اور فرمانبردار انسان کا متلاشی ہے۔
کاش انسان صراطِ مستقیم کو جان اور پہچان سکے۔تاکہ وہ اپنی پہلی بار نماز میں ہی اس پر چلنے کے قابل ہو جائے اور اس کی پہلی نماز اس کی تمام زندگی پر محیط ہو جائے۔

نماز گزار اللہ سے اس راستے کی نشاندہی چاہتا ہے جس راستے پر اللہ کے انبیاء، ان کے ماننے والے۔اللہ کے آخری رسول ﷺ، ان کی اہل بیت، ان کے صحابہ، صالحین اور اولیاء اللہ چلے۔کتاب وسنت میں ان خوش قسمت انسانوں کا طرز زندگی موجود ہے۔تاریخ اور سیرت کی کتب میں ان کی زندگیاں محفوظ ہیں۔نماز گزار ان کی زندگیوں کا مطالعہ کرتا ہے اور ان کو داد دیتا ہے،لیکن اپنی ذاتی زندگی کو ان کی زندگیوں کے مطابق بنانے کی کوشش نہ کرتا ہے۔وہ ان کو اپنا ہادی، رہنما اور ہیرو قرار دیتا ہے، لیکن ان کے نقشِ قدم پر چلنے کا ارادہ تک نہ کرتا ہے۔وہ ان کو مافوق الفطرت انسان قرار دے کر ان کا احترام پوجا کی حد تک کرتا ہے لیکن ان کے فرمودات میں سے کسی ایک پر بھی خلوصِ دل کے ساتھ عمل نہ کرتا ہے، تو پھر ایسے انسان کو ایسی قابلِ احترام اور برگزیدہ ہستیوں کی زندگیوں کا پرتو کیسے حاصل ہو سکتا

ہے۔ اللہ اس کی دعا کو کیسے شرفِ قبولیت دے سکتا ہے جو بے اثر اور بے مغز ہو۔

اگر انسان کتاب وسنت کی زندگی کو اپنی زندگی کا چلن بنالے اور نماز میں اللہ سے دعا کرے تو اللہ ایسے انسان کو اپنے ان انسانوں میں ضرور شامل کر لیتا ہے، جن پر اللہ نے اُنعام کیا ہے۔ اس طرح انسان ایک نماز ادا کر کے اولیاء اللہ اور صالحین کی صف میں شامل ہو کر انبیاء کی رفاقت تک حاصل کر سکتا ہے۔ وہ حالتِ نماز میں اور نماز کے باہر ہر وقت ان حضرات کے فیوض و برکات سے اپنے آپ کو مستفید کر سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ کتاب وسنت کو اپنا امام نہ بناتا ہے، تو پھر اسے نماز کے اندر بھی ان حضرات کرام کی رفاقت حاصل نہ ہو سکتی ہے جن پر اللہ کے انعامات کی بارش ہوتی رہی ہے اور ہو رہی ہے۔ انسان اس ابرِ رحمت کے ہوتے ہوئے بھی پیاسا ہی رہتا ہے۔ انسان اگر کسی ایک اللہ والے کو ہی اپنا بنا کر کتاب و سنت کے مطابق اس کی اطاعت کر لے تو وہ تمام اللہ والوں کی رفاقت حاصل کر لے گا۔ اور یہ رفاقت اسے عمر بھر حاصل رہے گی۔ کیا انسان کسی ایک اللہ والے کی بھی اطاعت نہ کر سکتا ہے تو پھر وہ تمام اللہ والوں کا دوست اور رفیق کیسے بن سکتا ہے۔ انسان کتاب وسنت کی اطاعت کر کے خود بھی اللہ والا بن سکتا ہے۔ اس طرح وہ تمام اللہ والوں کا رفیق اور ساتھی بن سکتا ہے۔ کیا انسان یہ آسان نسخہ بھی استعمال نہ کر سکتا ہے۔ تو پھر وہ اللہ کے رسول۔ اہل بیت۔ صحابہ۔ صالحین اور اولیاء اللہ کے فیوض و برکات سے کیسے مستفید ہو سکتا ہے۔ وہ ان کا ساتھی اور رفیق کیسے بن سکتا ہے۔ اگر دنیا میں وہ ان کی رفاقت حاصل نہ کر سکا تو آخرت میں ان کی رفاقت کیسے حاصل کر سکے گا۔ آج انسان ان حضرات کی رفاقت ان کے نقشِ قدم پر چل کر حاصل کر سکتا ہے اور نماز میں اللہ سے دعا کر کے اسے مستحکم کر سکتا ہے۔ کاش انسان ان صاحبِ اکرام کی رفاقت حاصل کر لے تاکہ نماز میں اس کی دعا رد نہ ہو سکے اور یہ صاحبِ اکرام حضرات اللہ کے پاس اس کی سفارش کر کے اس کی دعا کو شرفِ قبولیت دلا سکیں۔

نماز میں انسان اللہ سے یہ بھی دعا کرتا ہے کہ اللہ اسے یہود، انصار، منافقین، مشرکین اور کافرین سے بچائے۔ لیکن اپنی زندگی میں اس نے اسی راستے کو اختیار کیا ہوا ہے جو یہود و

نصاریٰ، منافقین، مشرکین اور کافرین نے اختیار کیا ہوا ہے۔ اس نے ان گمراہ انسانوں کی طرح اللہ کے راستے کو چھوڑا ہوا ہے تو پھر اللہ اس کی دعا کو کیسے قبول کر سکتا ہے۔ انسان اللہ سے تبھی دعا کر سکتا ہے اگر اس کا راستہ گمراہ شدہ انسانوں سے مختلف ہے، اور اگر اس نے بھی وہی راستہ اختیار کیا ہوا ہے اور اسے چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہ ہے تو اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے۔ اگر انسان گمراہ شدہ انسانوں سے نفرت کرتا ہے اور وہ ان کے راستے کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ کے راستے کو اختیار کرنے کا مصمم ارادہ رکھتا ہے، تو اللہ پہلی نماز میں ہی اسے اس راستے سے بچا لے گا اور اسے صراطِ مستقیم پر چلا دے گا۔

لیکن انسان اس ارادے کے ساتھ ایک نماز بھی تو ادا کر لے۔ ایسی نماز ادا کرنے کیلئے نماز گزار کو یہود و نصارٰی، منافقین، مشرکین اور کافرین سے سخت نفرت کرنا ہوگی۔ ان کو اپنا دشمن قرار دینا ہوگا اور ان کے اختیار کردہ راستوں کو چھوڑ کر اللہ کے راستے اور اللہ والوں کے راستے کو اختیار کرنا ہوگا تب جا کر اس کی دعا کو پذیرائی حاصل ہوگی۔ اور اگر ایک دفعہ اس کی یہ دعا قبول ہوگئی تو وہ جب تک اللہ کے راستے پر چلتا رہے گا وہ گمراہ شدہ انسانوں کے شر سے محفوظ رہے گا اور وہ حالتِ نماز میں نہ ہوتے ہوئے بھی حالت نماز میں ہی ہوگا۔ کاش انسان یہ دعا مانگنے کے قابل ہو جائے تا کہ وہ اپنی زندگی کو نماز میں تبدیل کر سکے۔

اگر نماز گزار انسان اس طرح خلوصِ دل کے ساتھ سورہ فاتحہ کی تلاوت ختم کر کے "آمین" کہتا ہے تو اس "آمین" میں وہ تمام فرشتے شامل ہو جاتے ہیں جو نماز میں حاضر ہوتے ہیں اور تمام صاحب اکرام بھی "آمین" میں شامل ہو کر نمازی کی دعا کو حق تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کے درجے تک پہنچانے میں ان کے مددگار بن جاتے ہیں۔ اگر فرشتے اور تمام صاحبِ اکرام انسان کی سفارش کر دیں تو پھر اس کی دعا کو رحمان اور رحیم خدا کیسے رد کر سکتا ہے۔ اس طرح انسان پاک صاف ہو کر اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ کے پاک کلام قرآن مجید کا شرف حاصل کر سکے۔ وہ جتنا چاہے قرآن مجید کی تلاوت کر کے اپنے رب کو سنا سکتا ہے۔ جوں جوں وہ قرآنِ مجید کی تلاوت کرتا جاتا ہے، توں توں وہ بلندی پر جاتا

شروع ہو جاتا ہے اور ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ وہ آسمان کے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں وہ اللہ کو اپنے تخت پر موجود دیکھ سکتا ہے۔ ظاہر ہے جتنا زیادہ قرآن مجید انسان کو زبانی یاد ہوگا اتنا ہی اس کا مقام آسمان پر بلند ہوگا۔ قرآن کے حافظ اس طرح آسمان کی انتہاء تک رسائی حاصل کر جاتے ہیں۔ انسان کو اگر تمام قرآن مجید یاد نہ بھی ہو تو وہ سورہ اخلاص کی تلاوت کر کے ایک تہائی تلاوت کا ثواب حاصل کر سکتا ہے اور صرف ایک سورت کی تلاوت سے وہ آسمان کی انتہاء کو چھو سکتا ہے۔ وہ سورۃ کوثر کی تلاوت کر کے رسالت کی حقیقت سے واقف ہو کر زمین پر روضہ اطہر اور آسمان پر مقام محمود تک رسائی حاصل کر سکتا ہے وہ سورہ الکافرون کی تلاوت کر کے اللہ کے دین کی حقیقت کو جان کر، صراطِ مستقیم کو پا کر جنت تک جا سکتا ہے۔ کاش انسان کم از کم ان سورہ کی تلاوت کرنے کے قابل ہی ہو جائے تا کہ وہ توحید رسالت اور دین اسلام کی حقیقت کو جان کر، اللہ کا بندہ بن کر، اس کے حضور قیام کرنے کا سلیقہ ہی سیکھ لے۔ اگر وہ قیام کا طریقہ سیکھ گیا تو وہ انشاء اللہ رکوع اور سجود کی حقیقت کو بھی جان جائے گا۔

نماز گزار انسان اپنی زندگی میں دینِ اسلام کو قائم کر کے دائمی قیام کا درجہ حاصل کر سکتا ہے خاندان کا سربراہ اللہ کے دین کو اپنے گھر میں قائم کر کے قیام کو دوام دے سکتا ہے اور حاکم، بادشاہ اور سلطان اپنے علاقے اور ملک میں اللہ کے دین کو قائم کر کے اپنے قیام کو دائمی بنا سکتا ہے۔ دین اسلام کا یہ قیام انسان کو مرنے کے بعد قیامت تک نماز کی حالت میں قیام کے قابل بنا کر روزِ جزا کو اللہ کے سامنے قیام کو آسان بنا سکتا ہے۔ کاش انسان قیام کے اس درجہ کو حاصل کر کے اپنی نماز کے قیام کو قیامت تک اور پھر روزِ جزاء تک وسعت دے کر رکوع اور سجدے کے قابل اپنے آپ کو بنا سکے۔ اگر انسان اپنے قیام کو ہی دوام نہ دے سکا تو وہ رکوع اور سجدہ کر کے تشہد کی منزل حاصل کر کے ابدی سکون اور استراحت کیسے حاصل کر سکے گا۔ کاش نمازی قیام کی منزل کو پا کر اسے تسخیر کر سکے۔

نمازی اللہ کے سامنے جھک کر اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اللہ ہی سب سے عظیم

ہے۔انسان اس عظیم کو اپنا رب قرار دیتا ہے۔انسان اشرف المخلوقات ہے اس طرح وہ اللہ کو ہی اپنا رب بنا سکتا ہے، کسی اور کو نہ بنا سکتا ہے۔لیکن اگر انسان اپنی زندگی میں اللہ کے سوا دوسروں کے سامنے جھکتا ہے اور ان کی پوجا رب کی طرح کرتا ہے تو وہ نماز میں رکوع کی لذت سے آشنا نہ ہوسکتا ہے۔اس طرح اگر وہ اپنی تمام عمر رکوع کرتا رہے تو وہ رکوع کو تسخیر نہ کر سکے گا۔رکوع کو تسخیر کرنے کیلئے نمازی کو اپنے آپ کو اللہ کے سامنے صحیح معنوں میں جھکانا ہوگا۔اور اگر وہ اس میں کامیاب ہو گیا تو اس کا قیام بھی رکوع میں بدل جائے گا اور اس کا چلنا پھرنا دنیا میں تگ و دو کرنا سب رکوع بن جائے گا اور نمازی دائمی رکوع کی حالت میں چلا جائے گا۔اس طرح وہ رکوع کو تسخیر کر کے سجدہ کی منزل میں داخل ہونے کے قابل ہو جائے گا۔

سجدہ میں انسان اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کے حوالے کر دیتا ہے۔نمازی اس حالت میں اللہ کو کائنات کا سپریم تسلیم کر لیتا ہے۔اس طرح وہ سجدہ کی حالت میں اپنے آپ کو اللہ کے قدموں میں ڈال کر اپنے آپ کو اللہ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے۔جب نمازی عجز و انکساری کی اس حالت کو اختیار کر لیتا ہے تو وہ نمازی اللہ کے قریب آجاتا ہے۔اس طرح نمازی سجدہ کی حالت میں اللہ کا وہ قرب حاصل کر لیتا ہے جو کسی طاقتور راکٹ پر بیٹھ کر آسمان پر جا کر وہ حاصل نہ کر سکتا ہے۔اللہ زیادہ دیر تک اپنے بندے کو سجدہ کی حالت میں نہ رکھتا ہے، بلکہ جلد ہی اسے اپنی رحمت میں لے کر تشہد کا پیغام دے کر اسے آرام و سکون سے بٹھا دیتا ہے۔بندہ اللہ کی رحمت کے جلو میں آرام سے بیٹھ جاتا ہے اور تسلیم کرتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ بھی ہے اللہ کا ہے وہ اللہ کی تمام نعمتوں کا اعتراف کرتا ہے۔وہ شاہد بن جاتا ہے۔وہ اللہ کو اپنا رب قرار دینے اور حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا بندہ اور رسول قرار دینے کے بعد اس کی شہادت دیتا ہے۔وہ آسمان کی طرف اپنی انگلی بلند کر کے اللہ کو اپنی شہادت کا گواہ بناتا ہے۔اگر نمازی اپنی زندگی ایک شاہد کی طرح گزارتا ہے اور اسے دیکھنے والے اللہ کا بندہ اسے تسلیم کرتے ہیں تو نمازی شہادت کی منزل کو تسخیر کر لیتا ہے۔اس طرح نمازی اپنی

تمام عمر حالتِ تشہد میں گزار کر قیامت کا شاہد بن کر اللہ کی عدالت میں حاضر ہو جائے گا اور اللہ کے رسول ﷺ اس نمازی کی شہادت پر اپنی تصدیقی شہادت ثبت کر کے اسے سچائی کا سرٹیفکیٹ عطا کر دیں گے، اور اللہ ایسے شاہد کو اپنے دیدار سے سرفراز کر کے شہادت کے اس مقام پر پہنچا دیں گے جس کے آگے اور کوئی مقام نہ ہے۔ اس طرح یہ نمازی کائنات کا شاہد بن کر اسے تسخیر کر لے گا، لیکن اگر نمازی تشہد کی منزل سے گزرنے کے باوجود شاہد نہ بن سکا تو پھر وہ نماز کی اگلی منزل کو نہ پا سکے گا۔ جو درود شریف کی منزل ہے۔ نمازی شاہد بننے کے بعد ہی اس قابل ہو سکتا ہے کہ وہ رسالت کی حقیقت کو جان کر دین حنیف اور دین اسلام کی حقیقت کو جان سکے۔ اگر نمازی شاہد کا درجہ حاصل کر لیتا ہے تو پھر وہ دین حنیف اور دین اسلام کو جان جاتا ہے۔ اگر وہ دین حنیف اور دین اسلام کا مبلغ اور داعی بن جاتا ہے تو وہ دعا کی منزل تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔

دعا کی منظوری کیلئے ضروری ہے کہ نمازی پہلے اپنے گناہوں، اپنی غلطیوں اور لغزشوں کا برملا اعتراف کر کے توبۃ النصوح کرے اور پھر اللہ پر یقین کامل رکھے کہ صرف وہ ہی گناہوں، غلطیوں اور لغزشوں کو معاف کر سکتا ہے۔ اگر نمازی اپنی نماز میں توبۃ النصوح کو تسخیر کر کے مصمم ارادہ کر لیتا ہے کہ وہ آئندہ زندگی میں یہ گناہ، غلطیاں اور کوتاہیاں نہ کرے گا، تو اللہ نمازی کو اپنی رحمت کی آغوش میں لے کر گناہوں، غلطیوں اور لغزشوں سے پاک کر دیتا ہے اور نمازی اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے لئے، اپنے والدین کیلئے، اپنے بیوی بچوں اور مسلمانوں کیلئے مغفرت کی دعا کر سکے۔ اس طرح نمازی نہ صرف اپنی مغفرت حاصل کر لیتا ہے، بلکہ وہ دوسرے مسلمانوں کی سفارش کا حق بھی حاصل کر لیتا ہے اور اللہ اس کی مغفرت کے ساتھ ساتھ دوسرے مسلمانوں کی مغفرت بھی کر دیتا ہے۔

اس طرح جب نمازی سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوتا ہے تو وہ سب کے لئے سلامتی کا پیکر بن جاتا ہے۔ تمام زندگی ایسا نمازی کسی کیلئے ضرر، تکلیف اور دکھ کا باعث نہ بنتا ہے۔ تمام انسان ایسے نمازی سے محبت اور پیار کرتے ہیں۔ فرشتے اور باقی دیگر مخلوقات بھی اس

نمازی سے محبت کرتی ہیں۔ اللہ ایسے نمازی کو اپنا دوست بنا لیتا ہے۔ اس طرح یہ سلامتی کا پیکر انسان جب دنیا سے روانہ ہوتا ہے تو اللہ کے فرشتے اس کا استقبال کرتے ہیں اور اسے مقام عیین پر پہنچا کر کائنات میں آزاد کر دیتے ہیں۔ اس طرح یہ نمازی قیامت تک آرام و سکون کی نیند سو جاتا ہے۔ قیامت کے بعد جب یہ اپنی نیند سے بیدار ہوگا تو اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو کر اللہ کی رحمت اور اللہ کے رسول ﷺ کی شفاعت کو حاصل کرلے گا۔ یوں یہ نمازی جنت کو تسخیر کر کے اللہ کا دیدار حاصل کرے گا۔ اس طرح وہ اللہ کا نائب اور خلیفہ بن کر کائنات کو تسخیر کرلے گا۔

اگر ایک نمازی دن میں کم از کم پانچ دفعہ طہارت کا یہ غسل کرلے تو پھر اس میں گندگی، کثافت اور غلاظت کیسے رہ سکتی ہے۔ ایسا انسان بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔ جس کے اندر سے روشنی بھی گزر سکتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ طہارت کی معراج پر تھے، اسی وجہ سے آپ ﷺ کے جسم کا سایہ تک نہ تھا اور آپ کائنات سے آگے لامکان تک چلے گئے تھے۔ آپ نے اپنی اہل بیت اور صحابہ کو مثالی طور پر پاک صاف کیا۔ آج مسلمان بھی یہ نماز قائم کر کے اپنے آپ کو پاک صاف کر سکتے ہیں۔ اگر ایسے پاک صاف مؤذن، امام اور نمازی پیدا ہو جائیں تو دنیا کیسے تاریک رہ سکتی ہے۔

امن و سکون دنیا سے کیسے ناپید ہو سکتا ہے اور دنیا کو جنت نظیر بننے سے کون روک سکتا ہے۔ کاش انسان یہ نماز پڑھ لے تاکہ وہ دنیا کی خلافت اور پھر کائنات کی خلافت کا حقدار بن جائے۔ اگر انسان نے یہ نماز نہ پڑھی تو وہ بادشاہ، صدر، وزیراعظم، سلطان اور حاکم اور مسلمان ہونے کے باوجود اللہ کا نائب اور خلیفہ نہ بن سکے گا۔ اس طرح وہ دنیا کو تسخیر نہ کر سکے گا۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکا تو پھر وہ کائنات کو کبھی تسخیر کرنے کے قابل نہ ہوگا۔ ایک نماز انسان کو دنیا کی خلافت اور کائنات کی خلافت دے سکتی ہے۔ تو پھر انسان یہ نماز کیوں نہ پڑھ لیتا ہے۔ کیا آج کا ترقی یافتہ انسان حقیقت شناس نہ ہے؟ اگر ہے تو وہ نماز کی حقیقت سے کیوں ناواقف ہے۔

روزہ

نماز سے انسان اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ کے احکامات اور منکرات کی حقیقت سے واقف ہو جائے۔ وہ ان کی حقیقت کو جان کر اللہ کے احکامات کو اپنی ذات پر نافذ کر لیتا ہے اور منکرات سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ مسلمان سے ایسا رشتہ قائم کرنا چاہتا ہے جو اس کا کسی اور انسان اور چیز سے نہ ہو۔ لہٰذا وہ مسلمان کو اس رابطے کے قابل بنانے کیلئے اسے ایک اور امتحان سے گزارتا ہے۔

حلال خوراک انسان کی ضرورت بھی ہے اور اس سے انسان کو لذت اور طاقت بھی ملتی ہے۔ اسی طرح نیک بیوی انسان کی ضرورت بھی ہے اور وہ اس سے سکون اور استراحت بھی حاصل کرتا ہے۔ انسان خوراک اور بیوی کے ساتھ اتنی محبت کرتا ہے جو ناقابل بیان ہے۔ انسان خوراک کے حصول اور مباشرت کی لذت کیلئے بعض اوقات اپنا سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ بعض لوگوں کی زندگی کا مقصد صرف کھانا اور مباشرت کی لذت سے لطف اندوز ہونا ہوتا ہے۔ اللہ اپنی محبت کو خوراک اور بیوی کی محبت پر غالب کرنے کیلئے مسلمان کو سال میں انتیس یا تیس دن ایک ایسی عبادت سے گزارتا ہے جس کا نام روزہ ہے۔ صبح صادق سے غروب آفتاب تک انسان کو ان دو حلال اور مرغوب چیزوں سے اجتناب کرنا پڑتا ہے اور رکنا پڑتا ہے اور اگر مسلمان ان دو حلال اور مرغوب چیزوں کو روزہ کی حالت میں چھوڑنے کے قابل ہو جاتا ہے تو پھر وہ دوسری حلال چیزوں اور مرغوب چیزوں کو اللہ کیلئے چھوڑنے کے قابل ہو جاتا ہے، جو اللہ اور اس کے درمیان رکاوٹ بن سکتی ہے۔ اس طرح ایک ماہ مسلمان یہ تربیت حاصل کر کے سال بھر اللہ سے ایک ایسا تعلق اور رشتہ قائم کر لیتا ہے جو اس کا کسی اور انسان اور شے سے نہ ہوتا ہے۔

شیطان انسان کا سب سے بڑا اور کھلا دشمن ہے۔ وہ انسان کو اپنے رب کے قریب ہی نہ جانے دیتا ہے۔ بھلا وہ اسے یہ تعلق اور رشتہ قائم کرنے کی اجازت کیسے دے سکتا ہے۔ لہٰذا شیطان کی موجودگی میں انسان کیلئے اپنے اللہ سے یہ تعلق اور رشتہ قائم کرنا اگر ناممکن نہ

ہوتا ہے تو بہت مشکل ضرور ہو جاتا ہے۔ اللہ اپنے بندوں کو مشکل میں نہ ڈالتا ہے بلکہ اس کے کام کو آسان بناتا ہے۔ تاکہ وہ آسانی کے ساتھ اس کے قریب آسکے۔ لہٰذا اللہ شیطان کو زنجیروں میں جکڑ کر پورا ماہ زندان میں ڈال دیتا ہے۔۔ اس طرح مسلمان شیطان کی عدم موجودگی میں روزہ کے تقاضے پورے کر کے اللہ کے اتنا نزدیک اور قریب چلا جاتا ہے کہ روزوں کے بعد بھی شیطان اس تک رسائی حاصل نہ کر سکتا ہے۔ اس طرح روزہ دار مسلمان شیطان کے چنگل سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آزاد ہو کر اپنے رحمان کا بندہ بن جاتا ہے اور وہ بے روز ہونے کے باوجود دائمی روزہ دار کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ وہ دنیا کی لذت سے لطف اندوز ہونے کے باوجود ہر وقت اللہ کے لطف و کرم سے فیضیاب ہوتا رہتا ہے۔ وہ دنیا میں انسانوں کے ساتھ رہ کر اللہ کے پاس رہتا ہے۔ روزوں کیلئے اللہ نے جو مہینہ منتخب کیا ہے وہ رمضان شریف ہے، جو تمام مہینوں کا سردار ہے۔ اس مہینے میں ایک رات ایسی آتی ہے جس کا نام شب قدر ہے۔

اب آئیں ہم دیکھیں کہ یہ شب قدر کیا ہے تاکہ مسلمان روزے کی حقیقت اور ماہیت کو جاننے کے قابل ہو سکے تاکہ وہ اپنے آپ کو روزہ سے زیادہ سے زیادہ مستفید کر کے طہارت کی اس منزل کو حاصل کر سکے جو لا مکان میں اللہ کا دیدار ہے۔

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ﴿١﴾ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ ﴿٢﴾ لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ﴿٣﴾ تَنَزَّلُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَٱلرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ﴿٤﴾ سَلَٰمٌ هِىَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ ٱلْفَجْرِ ﴿٥﴾ (القدر)

"ہم نے اس (قرآن مجید) کو شب قدر میں نازل کیا اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے اذن سے ہر حکم لے کر اترتے ہیں۔ وہ رات سراسر سلامتی ہے طلوع فجر تک"۔

قرآن حکیم آسمانِ دنیا پر آنے سے قبل لوحِ محفوظ میں موجود تھا۔ لوحِ محفوظ میں کب

سے موجود تھا کے بارے میں انسان حتمی طور پر کچھ نہ جانتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ تخلیق آدم سے بہت پہلے وہاں محفوظ رکھا گیا ہو۔ چونکہ تمام آسمانی کتابیں اور صحیفے قرآنِ حکیم کے چشمے سے ہی نکلے ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو آسمان پر ہی قرآن مجید کا تحفہ پیش کر سکتا تھا۔ لیکن اللہ نے ایسا نہ کیا۔ اس کی اور بھی وجوہ ہوسکتیں ہیں لیکن جو وجہ میری ناقص عقل میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ قرآنِ مجید کو ایک معجزہ کے طور پر پیش کرنا تھا۔ لہٰذا اس معجزے کو دنیا میں تشریف لانے اور لوگوں کے درمیان ایک طویل زندگی گزارنے کے بعد دیا جانا مناسب اور قرین انصاف تھا۔ تاکہ کفار میں سے کوئی یہ اعتراض نہ کر سکے، کہ نعوذ باللہ قرآن حکیم اللہ کے رسول ﷺ کے ذہن کی اختراع ہے۔ دوسرے قرآن حکیم کو اللہ کے رسول ﷺ کے قلب مبارک پر تیئس سال میں نازل کر کے یہ ثابت کرنا تھا کہ قرآن حکیم کا نزول انسان کے قلب پر ممکن ہے وگرنہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ کا قلب مبارک تو آنِ واحد قرآن مجید کے نزول کا متحمل ہوسکتا تھا۔

جب قرآن حکیم کو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر نازل کیا گیا تو اس وقت رمضان المبارک کی ایک مبارک رات تھی، جسے شبِ قدر کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جب قرآن مجید کو آسمانِ دنیا پر لایا گیا تو اس وقت سے شب قدر کا آغاز ہو گیا۔ اس طرح انسانوں کو اللہ کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کی وجہ سے ہی یہ سعادت نصیب ہوئی۔ اگر آپ ﷺ دنیا میں تشریف نہ لاتے تو نہ قرآن مجید اور نہ ہی لیلۃ القدر انسان کو ملتی۔ اس طرح آپ ﷺ کی ذات ہی قرآن مجید اور شب قدر کی روح ہے اور جب آپ ﷺ اس دنیا میں تشریف لے آئے، اس وقت ہی شب قدر کی بارش اس ویران دنیا پر برسنی شروع ہوگئی تھی۔

اللہ کے رسول ﷺ پر تیئس سال تک قرآنِ مجید نازل ہوتا رہا۔ کبھی نزول دن کو ہوتا۔ کبھی رات کو۔ کبھی رمضان میں ہوتا اور کبھی غیر رمضان میں۔ مگر یہ تمام دن، تمام راتیں اور تمام مہینے شب قدر بن گئے۔ جب تک آپ ﷺ قرآن حکیم کو اپنی اہل بیت اور اپنے

صحابہ کے قلوب میں اتارتے رہے وہ شب قدر کی فضلیت سے فیضیاب ہوتے رہے۔ آپ ﷺ کی رسالت اور قرآن حکیم کو اللہ نے قیامت تک کیلئے اس دنیا میں محفوظ کرلیا ہے۔ اس طرح قیامت تک کیلئے اس دنیا کے شب و روز نے شب قدر کا درجہ حاصل کرلیا ہے۔ اس شب قدر سے صرف وہی مسلمان فیضیاب ہوسکتے ہیں جو اللہ کے رسول ﷺ کی محبت اور قرآن حکیم کے احکامات کو اپنے قلوب میں نازل کر کے آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور قرآنِ حکیم کو اپنا ضابطہ حیات بنا لیتے ہیں۔ اس طرح اس شب قدر سے صرف مسلمان ہی فیضیاب ہوسکتے ہیں۔ مسلمانوں میں وہ خوش قسمت انسان جو قرآن حکیم کی تعلیمات اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی تعلیمات کا درس دیتے ہیں یا درس لیتے ہیں، اور ان تعلیمات کو اپنی زندگی کا ضابطہ بنا لیتے ہیں اور اپنی تمام عمر شب قدر میں گزار دیتے ہیں وہ مرنے کے بعد بھی شب قدر سے خود بھی فیضیاب ہوتے رہتے ہیں اور دوسرے انسانوں کو بھی فیضیاب کرتے رہتے ہیں۔ روزِ جزاء کے دن اللہ کے رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کی شفاعت کر کے اور قرآن حکیم کی سفارش کر کے شبِ قدر کے خالق کا دیدار کروادیں گے، جو حقیقی شب قدر ہوگی۔ اور یہ قدر والی رات خوش قسمت انسان کو ابد تک اپنی آغوش میں لے لے گی۔ انسان مسلمان بن کر اور قرآن وسنت کو اپنی ذات پر نافذ کر کے تمام عمر شب قدر سے مستفید ہوسکتا ہے اور دوسرے انسانوں کو فیضیاب کرسکتا ہے اور قیامت کے بعد جنت میں اللہ کا ابدی دیدار حاصل کر کے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے قدر والی رات سے مستفید ہوسکتا ہے۔ کاش انسان قدر کی اس رات کو حاصل کر لے تاکہ اس کی زندگی میں کوئی تاریک رات نہ ہو اور وہ ایک پرسکون اور پرمسرت زندگی گزار کر ایک ابدی پرسکون اور پرمسرت زندگی حاصل کر سکے۔ رمضان شریف انسان کی زندگی میں اکثر آتا رہتا ہے۔ چونکہ یہ مہینہ قرآن حکیم کے نزول کا مہینہ ہے، لہٰذا یہ تمام پُرنور اور بابرکت ہوتا ہے۔ اللہ اس مہینے میں اپنی رحمت کے دروازے کھول کر جنت کے دروازے وا کردیتے ہیں۔ شیطان کو اس مہینے میں بند کر کے دوزخ کے دروازوں کو بند کردیا جاتا ہے۔

اس مہینے میں روزے دار کیلئے نیکی کرنا آسان ہو جاتا ہے اور برائی کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ جو انسان غیر رمضان میں اللہ سے نہ ڈرتا ہے۔ وہ اللہ سے ڈرنا شروع کر دیتا ہے اور جو نیک انسانوں سے نہ ڈرتا ہے۔ وہ بھی ان سے ڈرنا شروع کر دیتا ہے جس انسان کا ضمیر مردہ ہو چکا ہوتا ہے اس میں بھی جان پڑ جاتی ہے۔ اور وہ انسان کو نیکی کی طرف راغب کرکے برائی سے روکنا شروع کر دیتا ہے۔ ظالم انسان بھی رقیق القلب ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت شروع ہو جاتی ہے۔ مسجدیں آباد ہو جاتی ہیں۔ اور نماز و تراویح سے مسجدیں پر رونق ہو جاتی ہیں۔ صدقات اور خیرات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اور انسانوں میں انسانی ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے۔ پورا سال نماز نہ پڑھنے والے مسلمان پکے نمازی بن جاتے ہیں۔ نمازی تہجد گزار ہو جاتے ہیں۔ سارا سال تلاوت نہ کرنے والے کئی کئی دفعہ قرآن مجید کو ختم کر لیتے ہیں۔ سارا سال راتوں کو سو کر گزارنے والے رمضان کی راتوں کو جاگ کر گزارتے ہیں۔

اس طرح رمضان شریف کی راتیں اور خاص طور پر رمضان شریف کا آخری عشرہ، جب مسلمان روزے رکھ کر۔ قرآن مجید کی تلاوت کر کے اللہ کے احکامات کو اپنی ذات پر نافذ کر کے اور منکرات سے اجتناب کر کے طہارت کو حاصل کر چکا ہوتا ہے تو اس وقت اس کا قلب قرآنِ حکیم کے نزول کا متحمل ہونے کے قابل ہو چکا ہوتا ہے۔ اگر پاک صاف روزے دار مسلمان اللہ کی طرف رجوع کر کے قرآنِ حکیم کو معنی اور مفہوم کے ساتھ تلاوت کرے تو انشاء اللہ قرآن حکیم کا نزول اس کے قلب پر شروع ہو جائے گا اور جب رمضان مکمل ہوگا تو قرآن کا نزول بھی قلب پر مکمل ہو چکا ہوگا۔ جس رات قرآن کا قلب پر نزول شروع ہوتا ہے۔ وہی رات اس روزہ دار کی شب قدر ہے اور جب تک یہ نزول جاری رہے گا وہ شب قدر سے فیضیاب ہوتا رہے گا چاہے دن ہو یا رات۔ اگر قرآن حکیم روزہ دار کے قلب پر ایک دفعہ نازل ہو گیا اور انسان نے اسے اپنے قلب میں محفوظ کر کے اسے اپنے کردار میں شامل کر لیا تو پھر روزے دار اپنی تمام تر عمر شب قدر میں گزار دے گا اور جس

روزے دار کی زندگی شب قدر میں اللہ کی بندگی اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت میں گزر جائے اس کے رتبے اور مقام کو کون پہنچ سکتا ہے۔ اگر مسلمان ایسا روزے دار بن جائے تو وہ رمضان شریف کے آخری عشرے میں اپنی موت سے قبل فرشتوں کا دیدار ضرور کر لیتا ہے اور اگر وہ طہارت میں کمال کو پہنچ جائے تو اللہ کا دیدار بھی کر سکتا ہے۔

اگر روزے داروں نے رمضان بغیر نزول قرآن کے گزار دیا تو پھر وہ شب قدر کو ساری عمر تلاش کرتے رہ جائیں گے لیکن یہ رات ان کو نصیب نہ ہوگی اور اگر وہ اس رات کو حاصل ہی نہ کر سکیں گے تو ایک رات کی عبادت کو ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل کیسے بنا سکیں گے، اور فرشتوں اور روحوں سے ملاقات کیسے کر سکیں گے۔ اور اللہ کے دیدار سے کیسے فیضیاب ہو سکیں گے۔ اور اگر وہ ان حقائق کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکیں گے تو پھر وہ عین الیقین کی دولت سے کیسے مالا مال ہو سکیں گے۔ عین الیقین ہی طہارت کا ثبوت ہے۔ اگر وہ اسے حاصل نہ کر سکے گا تو وہ طہارت کی معراج کو حاصل نہ کر سکے گا۔ اگر روزے دار طہارت کی معراج کو حاصل نہ کر سکا تو پھر وہ معراج پر کیسے جا سکے گا، اور اللہ کے دیدار کے قابل کیسے ہو سکے گا۔

رمضان شریف سال کے بعد آتا ہے۔ روزے دار کی زندگی کا بھروسہ نہ ہے۔ لہٰذا اسے چاہیے کہ پہلے رمضان اور پہلے روزے سے ہی وہ اپنے قلب کو نزول قرآن کے قابل بنا کر نزول کا سلسلہ شروع کر دے۔ تا کہ وہ جلد از جلد شب قدر کو حاصل کر کے اس کی برکات سے اپنے آپ کو فیضیاب کر لے۔ اگر رمضان شریف دور ہے تو پھر وہ ابھی اور اسی وقت قرآن مجید کو اپنے قلب میں اتار کر اس کی تعلیمات کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لے۔ وہ انشاء اللہ شب قدر کی برکات کو حاصل کر لے گا۔ اللہ کے رسول کی سیرت موجود ہے، قرآنِ حکیم موجود ہے اللہ کی رحمت موجود ہے تو پھر مسلمان نفلی روزے رکھ کر اپنی راتوں کو شب قدر کیوں نہ بنا سکتا ہے اور وہ کیوں رمضان شریف کی آمد کا منتظر ہے جو اسے نصیب ہو یا نہ ہو۔ کاش مسلمان شب قدر کو آج ابھی اور اسی وقت حاصل کر لے تا کہ اسے رات کا بھی

انتظار نہ کرنا پڑے۔ اگر اس کے باوجود مسلمان قدر کی رات سے محروم رہتا ہے تو پھر وہ اسے کب اور کیسے حاصل کرے گا، اور اگر وہ قدر کی رات کو حاصل کئے بغیر چل بسا تو پھر اس کے نامہ اعمال میں وزن کرنے کو کیا ہوگا۔ کاش مسلمان اپنے مرنے سے پہلے قدر کی یہ رات حاصل کرلے تاکہ اس کا نامہ اعمال ایک ساعت میں ہی اتنا وزنی ہو جائے تاکہ اس کا کوئی بڑے سے بڑا اور وزنی سے وزنی گناہ بھی اسے نہ جھکا سکے۔ انسان توبۃ النصوح کر کے آنِ واحد میں اس بابرکت ساعت کو حاصل کر کے شب قدر کو حاصل کر سکتا ہے۔ اور ایک نماز ادا کر کے اللہ کی رحمت اور اللہ کے رسول ﷺ کی شفاعت کا حقدار بن سکتا ہے گیا مسلمان اپنے مرنے سے پہلے پہلے توبۃ النصوح کر کے ایک نماز ادا کرنے کے قابل بھی نہ ہے، تو پھر وہ دنیا کی خلافت اور کائنات کی حکومت کا خواب کیوں دیکھ رہا ہے۔ کیا وہ طہارت کے بغیر ان پاک عہدوں پر فائز ہو سکتا ہے، ہرگز نہیں کبھی نہیں۔ اگر مسلمان نے یہ طہارت حاصل کرلی تو پھر وہ رمضان شریف، قرآن مجید، روزے اور شب قدر کی حقیقت کو بھی جان لے گا۔ اگر وہ طہارت ہی حاصل نہ کر سکا تو پھر وہ شب قدر کو کیسے پا سکے گا۔ شب قدر کو حاصل کئے بغیر وہ کائنات کی حقیقت کو کیسے جان سکتا ہے اور کائنات کی حقیقت کو جانے بغیر وہ اسے تسخیر کیسے کر سکتا ہے۔

اگر رمضان شریف کو پانے اور روزے رکھنے کے باوجود روزے دار مسلمان قرآن مجید کی تعلیمات کو اپنے جسم کے اندر نہ اتار سکا اور اپنی سیرت کو اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت کے مطابق نہ بنا سکا تو پھر اسے روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا کچھ نہ مل سکے گا۔ روزہ اس کی بھوک اور پیاس کو کم کرنے کی بجائے اور بڑھا دے گا۔ اس طرح وہ جیسے پہلے حرص و ہوا کا بندہ تھا ایسے ہی روزے کے بعد نفسانی خواہشات کا غلام بنا رہے گا۔ اس طرح وہ مطلوبہ پاکیزگی حاصل نہ کر سکے گا جو نوری مخلوق کے دیدار کیلئے ضروری ہوتی ہے۔ اگر وہ نوری مخلوق کو ہی نہ دیکھ سکا تو پھر وہ اللہ کا دیدار کیسے کر سکے گا۔ کاش مسلمان روزے سے ایسی طہارت اور پاکیزگی حاصل کر سکے جو اسے نوری مخلوق اور اللہ کے دیدار کے قابل بنا

دے، تاکہ وہ مرنے سے پہلے پہلے یہ دیدار حاصل کر کے کائنات کے حقائق کے بارے میں عین الیقین کی دولت سے مالا مال ہو سکے۔ اگر مسلمان یہ روزہ رکھنے میں کامیاب ہو گیا تو دنیا کی خلافت اس کا حق بن جائے گا اور کائنات کی خلافت اس کا انعام ہو گا۔ کیا روزے کا یہ صلہ کم ہے؟ اگر یہ کم معاوضہ ہے تو اللہ کے دیدار کا بدل کوئی صلہ اور معاوضہ ہو سکتا ہے جس کا وعدہ اللہ نے روزے دار کے ساتھ کر رکھا ہے۔ کاش مسلمان اپنے آپ کو اس انعام کے قابل بنانے میں کامیاب ہو جائے۔

اگر مسلمان روزے کی حقیقت کو جان جائے تو اسے نہ تو بھوک اور افلاس مایوس کر سکتی ہے اور نہ ہی دولت کی فراوانی اسے گمراہ کر سکتی ہے۔ وہ توکل کی وہ دولت حاصل کر لیتا ہے جو بے مثال ہوتی ہے۔ وہ اللہ کی رضا پر راضی ہو جاتا ہے اور ہر حال میں خوش رہتا ہے۔ ایسا خوش باش انسان اللہ کی رحمت سے کیسے محروم رہ سکتا ہے۔ اللہ کی رحمت ایسے انسان کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ اور وہ دنیا مافیہا سے بے خبر ہو کر صرف اللہ کا بندہ بن جاتا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے اللہ کا دیدار کر لیتا ہے اور جس کی طرف التفات کرتا ہے اسے بھی اللہ کے دیدار کے قابل بنا دیتا ہے، یوں مسلمان اللہ کے بندے بن جاتے ہیں۔ اگر ایسے چند اللہ کے بندے دنیا میں پیدا ہو جائیں تو وہ انسانوں کی اور دنیا کی کایا پلٹ دیتے ہیں۔ کاش آج کا مسلمان اللہ کا ایک ایسا بندہ بن جائے تاکہ وہ بھٹکے ہوئے انسانوں کی رہبری اور رہنمائی کرنے کے قابل ہو سکے اور اس طرح انسان کو تباہی سے بچا سکے۔

اگر مسلمان خود ہی اللہ کا بندہ نہ بن سکا تو پھر وہ دوسرے انسانوں کی قیادت کیسے کر سکے گا اور اگر مسلمان انسانوں کا قائد نہ ہوا تو پھر انسانوں کو تباہی سے کون بچا سکے گا۔ جو انسان خود تباہی کی طرف گامزن ہو وہ دوسروں کی قیادت کر کے ان کو تباہی سے کیسے بچا سکتا ہے۔ وہ خود بھی تباہ ہو گا اور دوسرے انسانوں کی تباہی کا سبب بھی بنے گا۔ کاش کوئی مسلمان انسانوں کا قائد بن سکے تاکہ انسانیت کا مستقبل روشن ہو سکے۔ اگر انسان کو کسی مسلمان کی قیادت نہ مل سکی تو پھر اسے تباہ ہونے سے کوئی بچا نہ سکے گا۔ کاش انسان تباہ ہونے سے بچ سکے۔

زکوٰۃ

دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ کچھ انسانوں کو اللہ نعمتیں دے کر اور کچھ کو نعمتوں سے محروم رکھ کر آزماتا ہے۔ جو انسان اللہ کی نعمتوں سے عارضی طور پر محروم رکھے جاتے ہیں۔ ان کے بنیادی حقوق کا تحفظ کرنا اللہ کا فرض ہے، چونکہ وہ بھی اللہ کی مخلوق ہے۔ اللہ ایسے انسانوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ ایسے انسانوں کے ذمے لگاتا ہے جو عارضی طور پر اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوتے ہیں، تاکہ جب وہ ان نعمتوں سے محروم ہوں تو ان کے بنیادی حقوق کا تحفظ ہو سکے۔ اس طرح انسان ایک دوسرے کو اللہ کی نعمتوں میں شریک کر کے اللہ کے شکر گزار بندے بن کر ایک دوسرے کے دوست، ہمدرد، غمگسار اور مددگار بن سکیں۔ تاکہ دنیا میں کوئی بھی انسان امتحان گاہ میں ہونے کے باوجود اللہ کی نعمتوں سے محروم نہ رہ سکے۔

اس طرح نعمتوں کے اتمام پر نعمت سے محروم انسانوں کا جو حق صاحبانِ نعمت پر عائد ہوتا ہے، اس کا نام زکوٰۃ ہے۔ اگر کسی مسلمان کے پاس دوسو شرعی درہم ایک سال تک پڑے رہیں تو سال کے اختتام پر ۵ درہم زکوٰۃ اس پر فرض کی ہو جاتی ہے۔ اگر وہ اسلامی حکومت میں رہ رہا ہے۔ تو حکومت کے عمال اس سے یہ رقم لے کر مستحقین کو پہنچا دیں گے۔ اور اگر حکومت اسلامی نہیں تو وہ خود اس رقم کا مستحقین تک پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔ اگر حکومت اس فرض میں کوتاہی کا ارتکاب کرے گی تو وہ عوام اور خدا کی مجرم ہوگی اور اگر صاحب نعمت سستی کرے گا تو وہ عوام اور خدا کا مجرم تصور ہوگا۔ ایسی حکومت اور ایسے فرد کے مال کی حفاظت کا فرض نہ عوام پر عائد ہوتا ہے اور نہ ہی خدا ایسی حکومت اور ایسے فرد کے مال کو اپنی حفاظت میں لیتا ہے۔ جس حکومت اور فرد کے محافظ نہ عوام ہوں اور نہ ہی خدا ہو تو پھر ایسے مال کی حفاظت نہ حکومت کر سکتی ہے نہ فرد۔ اس طرح حکومت اور فرد کا مال غیر محفوظ ہو جاتا ہے اور وہ کبھی اور کسی وقت اس مال سے بالکل محروم بھی ہو سکتا ہے۔ اس طرح فرد زکوٰۃ دے کر اور حکومت زکوٰۃ وصول کر کے اپنے مال و اسباب کو محفوظ کر سکتے ہیں۔ اس طرح سونے چاندی کی ایک مخصوص مقدار پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ پانچ اونٹوں پر بھی، ایک بکری

بطورِ زکوٰۃ واجب ہے۔اس طرح زمین کی پیداوار پر عشر فرض ہے۔

صاحبِ نصاب وہ شخص ہوتا ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہو چکی ہوتی ہے۔ایسے شخص پر اللہ کی نعمت کا اتمام ہو چکا ہوتا ہے۔اس طرح دنیا میں بے شمار انسان صاحبِ نصاب ہیں۔لیکن اس کے باوجود وہ ہر وقت اللہ سے شکایت کرتے رہتے ہیں، اور اپنی غربت کا رونا روتے رہتے ہیں۔اگر صاحب نصاب ہونے کے باوجود انسان اپنے آپ کو غرباء میں شامل کر لے تو یہ کفران نعمت ہے اور اگر انسان مسلسل کفران نعمت کا ارتکاب کرتا رہے تو اللہ کسی دن اسے اپنی نعمت سے محروم کر کے واقعی غرباء کی صف میں کھڑا کر سکتا ہے۔لہٰذا صاحب نصاب اشخاص کو ہر وقت اللہ کی نعمتوں کا شکر گزار رہنا چاہیے تاکہ اللہ اپنی نعمتوں کو اور زیادہ کرے۔زکوٰۃ ادا کرنا اللہ کی نعمتوں کا ایک محض ادنیٰ سا شکرانہ ہے اور اگر وہ یہ شکرانہ بھی خوشی خوشی ادا نہ کرتا ہے تو پھر وہ اللہ کی بے شمار نعمتوں کا حق کیسے ادا کر سکے گا اور اگر انسان نے اپنا فرض ادا نہ کیا تو پھر اللہ انسان کو اس فرض سے مکمل طور پر سبکدوش بھی کر سکتا ہے۔ لیکن وہ اس طرح اللہ کی ان نعمتوں سے محروم ہو کر غرباء کی قطار میں شامل ہونے پر مجبور ہو جائے گا۔

اگر انسان فرض ادا کرنے کے قابل نہ ہو سکا تو پھر وہ صدقات اور خیرات کے قابل کیسے ہو سکے گا اور اگر وہ صدقات اور خیرات کے قابل نہ ہوا تو سخاوت کے قابل کیسے ہو سکے گا اور اگر وہ سخاوت کے قابل نہ ہوا تو بخل سے کیسے نجات پا سکے گا۔اور اگر وہ بخل سے ہی نجات نہ پا سکا تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے جود و سخا کا پرتو اپنے اندر کیسے پیدا کر سکے گا اور اگر وہ یہ پرتو پیدا کرنے میں ناکام ہو گیا تو پھر وہ اللہ اور رسول ﷺ کے جود و سخا کا حقدار کیسے بن سکے گا، اور اگر وہ اس جود و سخا کا حقدار نہ بن سکا تو پھر طہارت میں کمال کیسے حاصل کر سکے گا اور اگر طہارت میں کمال حاصل نہ کر سکا تو پھر اللہ تک رسائی کیسے حاصل کر سکے گا اور اگر اللہ تک رسائی حاصل نہ کر سکا تو توحید کو کیسے تسخیر کر سکے گا اور اگر توحید کو تسخیر نہ کر سکا تو رسالت کی حقیقت کو کیسے جان سکے گا اور اگر رسالت کی حقیقت کو نہ جان سکا تو اللہ

کے رسول کی رحمت سے کیسے فیضیاب ہو سکے گا اور اگر اللہ کے رسول ﷺ کی رحمت سے فیضیاب نہ ہوسکا تو دنیا کی خلافت کیسے حاصل کر سکے گا اور اگر دنیا کی خلافت حاصل نہ کر سکا تو پھر اسے تسخیر کیسے کر سکے گا اور اگر وہ دنیا کو تسخیر نہ کر سکا تو پھر کائنات کو تسخیر کیسے کرے گا۔

مال و اسباب کے علاوہ جاہ وعزت پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ جاہ وعزت بھی اللہ کا ایک انعام ہے اور صاحب جاہ وعزت اس کی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد ہی اس میں اضافہ کر سکتا ہے اور اسے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص بلند عہدے اور مرتبے پر فائز ہونے کے باوجود حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا نہیں کرتا تو وہ اپنے عہدے اور رتبے کی زکوٰۃ ادا نہیں کر رہا ہوتا۔ اس طرح وہ کبھی اور کسی وقت اس عہدے اور مرتبے سے محروم ہو سکتا ہے۔ جاہ و منصب کے استحکام کیلئے اس کے حقوق ادا کرنا اشد ضروری ہے۔ جاہ و منصب کے حقوق ادا کرنا ہی اس کی زکوٰۃ ہے اور جو صاحب جاہ و منصب اپنے حقوق ادا کرتا ہے وہ اپنے عہدے اور رتبے کو مستحکم کر رہا ہوتا ہے اور جو اس میں کوتاہی برتتا ہے وہ اپنے زوال کا خود ہی ذمے دار ہوتا ہے۔

تندرستی بھی اللہ کی نعمت ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ تندرست انسان بیمار اور کمزور انسانوں کی مدد کر کے، ان کی تیمارداری اور بیمار پرسی کر کے اور ان کا علاج معالجہ کر کے اور ان کی دیکھ بھال کر کے یہ زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی تندرستی کو مستحکم کر کے بیماری کی حالت میں بے یار و مددگار ہونے سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔ کسی جگہ مقیم ہونا بھی اللہ کی ایک نعمت ہے جس کی زکوٰۃ مہمانداری ہے۔ انسان مسافروں، راہ گیروں، مسکینوں، قیدیوں، یتیموں اور رشتے داروں کی اچھے طریقے سے مہمانداری اور مہمان نوازی کر کے یہ زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔ مکان کا ہونا اللہ کی نعمت ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ مکان میں مہمان خانہ کا ہونا اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی ہے۔ میاں بیوی کا ہونا اللہ کی نعمت ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے حقوق ادا کر کے یہ زکوٰۃ ادا کر سکتے ہیں۔ اولاد کا ہونا اللہ کی ایک نعمت ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ اولاد کی اچھی تربیت کرنا اس زکوٰۃ

کا ادا کرنا ہے۔ ماں باپ، بہن بھائی، ہمسائے اور رشتے دار اور دوسرے تمام انسان اللہ کی ایک نعمت ہیں، ان سب کے حقوق ادا کر کے انسان اس زکوٰۃ کو ادا کر سکتا ہے۔ زمین، اس کی مخلوقات اور زمین کی نباتات اور جمادات اللہ کی نعمتیں ہیں، انسان ان کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکامات اور ارشادات کے مطابق اپنے مصرف میں لا کر اس زکوٰۃ کو ادا کر سکتا ہے۔ انسان کی ذہنی اور جسمانی قوی اللہ کی ایک نعمت ہے۔ انسان کائنات کی حقیقت کا اعتراف کر کے اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کر کے اس نعمت کی زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔ اللہ کا وجود انسان کیلئے سب سے بڑی نعمت ہے۔ انسان اللہ کی بندگی کر کے اور اللہ کی مکمل اطاعت کر کے اس زکوٰۃ کو ادا کر سکتا ہے۔ قرآنِ مجید اللہ کا ایک بہت بڑا انعام ہے۔ انسان اس کو اپنا ضابطہ حیات بنا کر اس کی زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔ اہلِ بیت، صحابہ، صالحین اور اولیاء اللہ اللہ کے انعام ہیں۔ انسان ان کے نقشِ قدم پر چل کر اس نعمت کی زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔ زندگی ایک نعمت ہے۔ انسان اسے اللہ کی عبادت اور اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کی اطاعت میں گزار کر اس کی زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔ دنیا ایک نعمت ہے۔ انسان اپنے تخلیقی مقاصد کو پورا کر کے اس نعمت کی زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔ موت ایک نعمت ہے۔ انسان موت کی تیاری کر کے اس کی زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔ جنت تمام نعمتوں کی ماں ہے۔ انسان دنیا کو اس نعمت پر قربان کر کے اس کی زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔

انسان پر اللہ کی بے شمار نعمتیں ہیں جن کا شمار نہ کیا جا سکتا ہے۔ انسان ان نعمتوں کا شکر ادا کر کے اور ان کے حقوق پورے کر کے ان نعمتوں کی زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔ اس طرح اگر انسان مرنے سے پہلے اپنے ذمے زکوٰۃ کو ادا کر دے تو وہ اس معصوم بچے کی طرح اپنے اللہ کے پاس لوٹ جاتا ہے۔ جیسے معصوم بچے کی طرح وہ اللہ کے پاس سے دنیا میں آیا ہوتا ہے۔ جس طرح حسین و جمیل دنیا معصوم بچے کا استقبال کرتی ہے۔ اس طرح جنت ایسے انسان کا پر جوش استقبال کرے گی۔ جس طرح بچہ ماں کی محبت اور باپ کی شفقت کو دنیا میں آتے ہی پا لیتا ہے۔ اسی طرح یہ زکوٰۃ ادا کرنے والا انسان مرنے کے فوراً بعد اللہ کے

رسول ﷺ کی محبت اور شفقت کو پا کر اللہ کی رحمت کی آغوش میں جا کر آرام کی نیند سو جاتا ہے اور جب اپنی نیند سے بیدار ہو گا تو جنت کو اپنا منتظر پائے گا اور اللہ کے دیدار سے کبھی محروم نہ ہو گا۔ کیا زکوٰۃ ادا کرنے کا یہ صلہ کم صلہ ہے تو پھر مسلمان یہ زکوٰۃ ادا کرنے سے کیوں گریز کرتا ہے۔ کاش مسلمان یہ زکوٰۃ ادا کر کے کائنات کی بادشاہت حاصل کر لے۔ اگر تمام کے تمام انسان اس طرح زکوٰۃ ادا کرنے کے قابل ہو جائیں تو پھر دنیا میں ظلم و استحصال کیسے باقی رہ سکتا ہے اور دنیا کو امن کا گہوارہ بننے سے کون روک سکتا ہے۔

حج

جب انسان کلمہ طیبہ پڑھ کر نماز، زکوٰۃ اور روزہ کے مجاہدے سے اپنے آپ کو گزار کر حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کر لیتا ہے تو وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ دل کی آنکھ سے اللہ کی زیارت کر سکے۔ اس طرح اللہ کی نشانیوں کی زیارت زندگی میں ایک دفعہ صاحب استطاعت مسلمان پر فرض ہے اور دل کی آنکھ سے اللہ کا مشاہدہ اللہ کا ایک انعام ہے۔ اگر مسلمان طہارت حاصل کئے بغیر حج پر روانہ ہو جاتا ہے تو وہ نہ تو اللہ کی نشانیوں کا مشاہدہ کر سکتا ہے اور نہ ہی اللہ کا۔ اس طرح وہ حج کے مقصد کو ہی حاصل نہ کر سکتا ہے۔ رسمی حج ادا کرنے کے باوجود فرضی حج واجب الادا رہتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان رسمی حج ادا کرنے کے باوجود فرضی حج ادا نہ کرتا ہے اور مر جاتا ہے تو اللہ کے نزدیک ایک مجرم قرار پاتا ہے۔ رسمی حج کا زادِ راہ تندرست جسم اور روپیہ پیسہ ہے جبکہ فرضی حج کا زادِ راہ تقویٰ ہے۔ رسمی حج کلمہ گو انسان پر بھی فرض ہو جاتا ہے، جبکہ فرضی حج صرف نفاق سے پاک قلب رکھنے والے مسلمان پر فرض ہوتا ہے۔ رسمی حج مناسک حج ادا کرنے سے ادا ہو جاتا ہے، جبکہ فرضی حج اللہ کے مشاہدے کے بغیر ادا نہ ہو سکتا ہے۔ انسان مقام ابراہیم پر نفل ادا کر کے رسمی حج سے سبکدوش ہو جاتا ہے، جبکہ فرضی حج کیلئے اسے اپنے آپ کو مقام ابراہیم پر کھڑا ہونے کے قابل بنانا ہوتا ہے۔

رسمی حج کیلئے صرف گھر سے خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہونا ہوتا ہے، جبکہ فرضی حج کی

ادائیگی کیلئے گھر سے روانہ ہوتے وقت تمام گناہوں سے رحلت اختیار کرنی ہوتی ہے۔ رسمی حج کیلئے میقات سے احرام باندھنا ضروری ہوتا ہے، لیکن فرضی حج کیلئے تمام بشری صفات سے جدا ہونا ہوتا ہے۔ رسمی حج کیلئے وقوف عرفات ضروری ہے، جبکہ فرضی حج کیلئے مشاہدہ حق میں کھڑا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ رسمی حج کیلئے مزدلفہ میں قیام اور دعا ضروری ہے، جبکہ فرضی حج کیلئے یہاں آ کر تمام نفسانی خواہشات کو ترک کر دینا ضروری ہوتا ہے۔ رسمی حج خانہ کعبہ کے گرد طواف کرنے سے ادا ہو جاتا ہے، جب کہ فرضی حج میں دل کی آنکھ سے جمالِ خداوندی کے لطف کا نظارہ کرنا ضروری ہے۔ رسمی حج صفا اور مروہ پر سعی کرنے سے ادا ہو جاتا ہے، جبکہ فرضی حج مقام صفا اور درجہ مروہ کا ادراک حاصل کئے بغیر ادا نہ ہو سکتا ہے۔ رسمی حج میں منیٰ میں جانا ضروری ہوتا ہے، لیکن فرضی حج میں وہاں اپنی ہستی کو ساقط کر دینا ضروری ہوتا ہے۔ رسمی حج قربان گاہ میں جا کر قربانی کرنے سے ادا ہو جاتا ہے، جبکہ فرضی حج کی ادائیگی کیلئے تمام نفسانی خواہشات کو وہاں قربان کرنا ضروری ہوتا ہے۔ رسمی حج شیطان کو کنکریاں مارنے سے ادا ہو جاتا ہے، جبکہ فرضی حج کیلئے تمام نفسانی معاملات کو وہاں پھینک دینا ضروری ہوتا ہے۔ رسمی حج بال کٹوانے یا منڈوانے سے ادا ہو جاتا ہے، لیکن فرضی حج اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کرنے سے ادا ہوتا ہے۔ رسمی حج غیب کا حج ہوتا ہے، جبکہ فرضی حج حضور کا حج ہوتا ہے۔ اگر حاجی مکہ مکرمہ میں جا کر غیب میں ہو تو وہ ایسے ہی ہوتا ہے جیسے اپنے گھر میں غیب میں تھا۔ اگر فرضی حج کا متمنی اپنے گھر میں ہوتے ہوئے بھی بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو تو وہ ایسے ہی ہوتا ہے، جیسے وہ مکہ مکرمہ میں حاضر ہو۔ رسمی حج مقصود خانہ کعبہ کی زیارت ہے، جبکہ فرضی حج کا مقصود مشاہدہ حق تعالیٰ ہے۔

اس طرح جو مسلمان زندگی میں ایک دفعہ فرضی حج ادا کر لیتا ہے وہ اللہ کے حفظ و امان میں آ کر مومن بن جاتا ہے۔ اس مومن میں اللہ کی اعلیٰ اور ارفع صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اللہ کے دیدار سے فیضیاب ہونے والا یہ مومن زیارت گاہِ خاص و عام بن جاتا ہے۔ اس طرح انسان اپنے اندر کی کائنات کو تسخیر کر لیتا ہے اور باہر کی کائنات کو تسخیر کرنے کے قابل

ہو جاتا ہے۔لیکن اگر مسلمان تمام عمر رسمی حج ہی ادا کرتا رہے اور فرضی حج سے محروم رہ جائے تو پھر نہ وہ مومن بن سکتا ہے اور نہ ہی اس میں اللہ کی پاک صفات پیدا ہوسکتیں ہیں۔ اس طرح وہ اپنے اندر کی کائنات کو تسخیر کرنے کے قابل نہ ہوسکتا ہے۔فرضی حج ادا کرنے والا مومن جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتا ہے تو اللہ کے رسول ﷺ اسے اپنی شفاعت کا حقدار قرار دے کر اسے اپنی رحمت کی آغوش میں لے لیتے ہیں اور اسے اپنا جانشین مقرر کر کے مبلغ اور مجاہد کے القاب سے نوازتے ہیں۔اس طرح جب حاجی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی زیارت سے شادکام ہو کر واپس گھر آتا ہے، تو وہ نہ صرف مومن بن چکا ہوتا ہے بلکہ مبلغ اور مجاہد کے اوصاف سے بھی متصف ہو چکا ہوتا ہے۔اس طرح یہ مبلغ اور مجاہد انسانوں کو تسخیر کر کے انہیں اللہ کے بندے اور انسانوں کے دوست بنا دیتا ہے۔اگر ایسے مبلغوں اور مجاہدوں سے یہ دنیا بھر جائے تو پھر دنیا کو تسخیر ہونے سے کون روک سکتا ہے۔یہ دنیا انسان کے سامنے ایک نہ ایک دن ضرور مسخر ہو جائے گی۔لیکن اگر دنیا ایسے مبلغ اور مجاہدین مومن پیدا نہ کر سکی تو انسان اپنے آپ کا، دوسرے انسانوں کا اور دنیا کا ہمیشہ غلام ہی بنا رہے گا۔وہ نہ کبھی اپنے اندر کی کائنات کو، نہ دوسرے انسانوں کی کائناتوں کو اور نہ ہی دنیا کی کائنات کو تسخیر کرنے کے قابل ہو سکے گا۔

اب آئیں ہم دیکھیں کہ مومن مبلغ اور مجاہد دنیا کو کیسے تسخیر کرے گا۔

مبلغ اور مجاہد کا مقام

ایک مومن مبلغ اور مجاہد کے پاس جو سب سے زیادہ قوی ہتھیار ہوتا ہے وہ تائید ایزدی ہوتی ہے۔اللہ ہر وقت اپنے مومن بندے کی مدد کرتا رہتا ہے اور ہر وقت اللہ کی حفاظت اور نگرانی میں رہتا ہے۔اللہ کائنات کا مالک اور محافظ ہے، لہٰذا اللہ اگر کسی انسان کو اپنی حفاظت میں لے لے تو پھر اسے کسی اور کی حفاظت کی ضرورت نہ رہتی ہے۔ایسا انسان دنیا مافیہا سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اسے توکل کی وہ دولت نصیب ہوتی ہے جو کسی اور انسان کو حاصل نہ ہوتی ہے۔ایسے انسان کی حفاظت اللہ خود براہِ راست بھی کر سکتے ہیں، اور

نوری مخلوق اور دوسرے انسانوں کے ذریعے بھی۔ اس طرح ایسا انسان اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتا ہے۔ انسان تو ایک طرف ایسا انسان موت سے بھی نہ ڈرتا ہے بلکہ موت کا منتظر رہتا ہے تا کہ وہ اس دنیا سے فارغ ہو کر دوسری دنیا کی طرف پرواز کر سکے۔

ایسا انسان اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ سے عشق کی حد تک محبت کرتا ہے لہٰذا وہ ہر وقت آپ ﷺ کی رحمت سے فیضیاب ہوتا رہتا ہے۔ ایسا انسان اہل بیت، صحابہ، صالحین اور اولیاء سے محبت کرتا رہتا ہے۔ اس طرح وہ ان صاحبِ اکرام حضرات کے فیوض برکات سے مستفید ہوتا رہتا ہے۔ ایسا انسان انسانوں سے محبت کرتا ہے، لہٰذا کوئی انسان ایسے انسان دوست انسان سے نفرت نہ کرتا ہے۔ ایسے انسان کا کردار صاف ستھرا اور بے داغ ہوتا ہے، لہٰذا کوئی انسان اس کی ذات پر معترض نہ ہو سکتا ہے۔ ایسا انسان ہمیشہ سچ بولتا ہے، لہٰذا اس کی باتوں کا اثر لوگوں کے دلوں پر براہِ راست ہوتا ہے۔ ایسا انسان جو کچھ لکھتا ہے وہ حقیقت کا اظہار ہوتا ہے، لہٰذا لوگ اس کی تحریروں کو پسند کرتے ہیں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسا انسان نہ کسی پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی کسی کا استحصال کرتا ہے، لہٰذا کسی دوسرے انسان کو اس سے کوئی گلا اور شکایت نہ ہوتی ہے۔ ایسا انسان نہ لوگوں کے سامنے دستِ سوال پھیلاتا ہے اور نہ ہی کسی کے مال اور مرتبے پر اس کی حاسدانہ نظر ہوتی ہے۔ ایسا انسان اپنا سب کچھ لوگوں پر قربان کر دیتا ہے لیکن لوگوں سے کسی قسم کی قربانی کی توقع نہ رکھتا ہے۔ اس طرح یہ مومن مبلغ جلد ہی ایک مومنوں کی جماعت بنا لیتا ہے۔ اور جب یہ جماعت قوت پکڑ لیتی ہے تو اللہ کے نظام کو اپنا ضابطہ حیات بنانے کا اعلان کر دیتی ہے۔ اس طرح ایک اسلامی ریاست وجود میں آ جاتی ہے۔

چونکہ شیطان مومن کا دشمن ہے، لہٰذا وہ مومن کا راستہ روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح مومن کو شیطان اور اس کے حواریوں کے خلاف جہاد بھی کرنا پڑتا ہے۔ دنیا کے تمام ترقی یافتہ قوانین انسان کو اپنے نظریات اور جسموں کے تحفظ کا حق دیتے ہیں۔ مومن بھی اپنا یہ حق استعمال کر کے باطل کو اپنے راستے میں آنے سے ہٹا دیتا ہے۔ وہ باطل کو مٹا کر

اپنی حکومت قائم نہ کرتا ہے بلکہ اللہ کی حکومت کو قائم کرتا ہے۔ جس میں تمام انسانوں کو مساوی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ اس طرح مومن جہاد کے ذریعے اللہ کی حکومت قائم کر کے، انسان کو انسان کی غلامی سے آزاد کر کے، اسے تمام انسانی حقوق دلا دیتا ہے۔ انسان اپنے بنیادی حقوق سے محروم نہ رہتا ہے۔ اللہ کے قوانین جزا اور سزا کو نافذ کر کے ہر ایک کے ساتھ انصاف کیا جاتا ہے اور کوئی بڑے سے بڑا مجرم سزا سے نہ بچ سکتا ہے۔

اس طرح دنیا ایک ایسے معاشرے میں تبدیل ہو جاتی ہے جہاں ہر طرف امن و سکون ہوتا ہے۔ انسان کو نہ کوئی خوف ہوتا ہے نہ غم ہوتا ہے۔ تمام انسان مطمئن اور شادمان ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ دنیا مومن، مبلغوں اور مجاہدوں سے بھر جاتی ہے اور جب یہ سب مل کر دنیا کو جنت نظیر بنا لیتے ہیں تو اللہ دنیا کو ایسے مجاہدوں کے سامنے مسخر کر دیتا ہے۔ اس طرح یہ مجاہد مومن موت کے بعد مقام علیین کو تسخیر کر کے قیامت کے بعد جنت کو تسخیر کر لیں گے۔ اس طرح انسان کائنات کو تسخیر کرنے کا حقدار ہو جائے گا، اور اللہ کائنات کو بھی انسان کے سامنے ایک دن مسخر کر دے گا۔ ایسے مومن مجاہد کے پاس اگر سائنس اور ٹیکنالوجی کا ہتھیار بھی آ جائے تو وہ اسے اللہ کے دیئے ہوئے ضابطہ حیات کے تحت لا کر زمین کے وسائل کو انسان کی فلاح و بہبود اور بھلائی پر خرچ کر سکتا ہے اور دنیا کو جلد ہی جنتِ نظیر میں تبدیل کر سکتا ہے۔ اگر سائنس اور ٹیکنالوجی کا ہتھیار شیطان اور اس کے حواریوں کے پاس رہا تو انسان ان ہتھیاروں سے اپنے آپ کو دوسرے انسانوں کو اور زمین کو بہت جلد تباہ کر دے گا۔ کاش آج کا انسان مومن بن کر سائنس اور ٹیکنالوجی کو اپنے مسائل حل کرنے میں استعمال کر سکے تاکہ دنیا کو امن کا گہوارہ بنا کر اسے تسخیر کیا جا سکے۔ اگر انسان مومن نہ بن سکا تو وہ کبھی سائنس اور ٹیکنالوجی کو انسان کی فلاح و بہبود اور بھلائی کیلئے استعمال نہ کر سکے گا۔

اس طرح سائنس اور ٹیکنالوجی کی ربی رحمت بننے کی بجائے زحمت بن جائے گی اور انسان اس کا شکار ہو کر زندگی اور زمین دونوں سے محروم ہو جائے گا۔ کیا زندگی اور زمین سے محروم ہونے کے بعد انسان کبھی کائنات کو تسخیر کر سکے گا؟ ہرگز نہیں۔ کاش انسان اپنے آپ

کو، دوسرے انسانوں کو اور اپنی پیاری زمین کو تباہ ہونے سے بچالے۔ کاش انسان کائنات کو مرحلہ وار تسخیر کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ کاش انسان سائنس اور ٹیکنالوجی کا غلام بننے کی بجائے مومن بن کر سائنس اور ٹیکنالوجی کو اپنا غلام بنالے، تا کہ تسخیر کائنات کی منزل انسان کے قریب آجائے۔

دارالامن

سید عبدالخالق خوارزمی

چک عبدالخالق جہلم

حال: E-2, 412، واپڈا ٹاؤن، لاہور

فون نمبر: 5183812


واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا

خوشخبری

مشہور و معروف محدث و مفسر حضرت امام حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

کا عظیم شاہکار

تفسیر ابن کثیر

جس کا جدید اور مکمل اردو ترجمہ ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف نے اپنے نامور فضلاء

مولانا محمد اکرم الازہری، مولانا محمد سعید الازہری

اور مولانا محمد الطاف حسین الازہری سے اپنی نگرانی میں کروایا ہے۔

ان شاء اللہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

جلد اس علمی کارنامے کو منصۂ شہود پر لانے کا شرف حاصل کر رہا ہے۔

صاحبانِ ذوق و محبت اور اربابِ فکر و نظر

مژدۂ جانفزا

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر

حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کے

بہار آفریں قلم سے نکلا ہوا لازوال شاہکار

دردو سوز اور تحقیق و آگہی سے معمور تصنیف

ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مکمل سیٹ سات جلدیں

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور، کراچی۔ پاکستان

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے تفاسیری قافلے

تفسیر نور العرفان
حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ

ضیاء القرآن ۵ جلد
مفسر ضیاء الامت حضرت پیر
محمد کرم شاہ الازہری نور اللہ مرقدہ

تفسیر دُرِّ منثور
علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر مظہری جلد ۱۰
عارف باللہ حضرت قاضی ثناء اللہ
پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر الحسنات ۷ جلد
ابو الحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

تفسیرات احمدیہ
مُلا جیون رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر خزائن العرفان
صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

تعلیم القرآن
مولانا جلال الدین قادری

تفسیر ابن کثیر ۴ جلد
علامہ ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر علیہ الرحمۃ

تفسیر سورۃ النساء
پروفیسر منیب الرحمٰن

یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا
مفتی سعادت علی قادری